

مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

آزادی کی صد سالہ تاریخ

مشاہیر جنگ آزادی

۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۶ء

آزادی کیلئے جان و مال کی قربانی دینے والے مشاہیر کی صد سالہ مکمل و جامع تاریخ
۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۵۶ء تک جن علماء و امراء نے جنگ آزادی میں حصہ لیا اور اسکی
بقا و حفاظت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی پیش کی اور سیاست ملکی و تعمیر
ہندوستان میں جدوجہد کی انکے مفصل حالات اور سیاسی کارناموں کا شاندار مرقع

ہر تہیکہ

مفتی انتظک محام اللہ شہابی

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

خیر اللہ خیر اللہ
www.khanpurb.com
Khan Purb Library
Khan Purb Library
Khan Purb Library

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



جمہور حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

133886

مجلد

ناشران

محمد سعید ایڈیٹر سنی تاجران کتب

قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

ترقی پسند

قومی تعمیر سے دل چسپی رکھنے والے حضرات ایک عرصہ سے محسوس کر رہے تھے کہ ان مشاہیر کا ایک جامع تذکرہ مرتب ہونا چاہئے، جنہوں نے غدر ۱۹۱۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور پھر ۱۹۰۹ سالہ غلامی کے بعد انگریزی اقتدار کو ختم کر کے ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام میں عظیم قربانیاں پیش کیں۔ مگر نہ معلوم وجوہ کی بنا پر آج تک اہل قلم کی نظروں سے یہ اہم گوشہ پوشیدہ رہا اور انہوں نے اس موضوع پر کوئی جامع کتاب مرتب نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اہم ترین کام کی تکمیل کیلئے مشہور مورخ مفتی انتظام اللہ شہابی کی خدمات حاصل کرنے میں ہم کامیاب ہو سکے۔ اور قومی ترقی کی مسدود راہوں کو کھولنے کیلئے "مشاہیر جنگ آزادی" کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا یہ مرقع پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

محمد سعید علی صاحب

۱۳۶۶ھ



نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
۱	مقدمہ	۸	۱۷	دلاور جگ لوی احمد اللہ شاہ مدرسی	۷۴
۲	تیٹو میاں	۱۸	۱۸	مولانا فضل حق خیر آبادی	۷۷
۳	مولانا سید احمد بریلوی	۱۹	۱۹	منشی عبدالدین خان آزرده	۹۲
۴	سید عمر شاہ	۲۰	۲۰	نواب مصطفیٰ خان شیفتہ	۱۰۲
۵	عبدالغفور	۲۱	۲۱	منشی محمد امین حسین منیر شکوہ آبادی	۱۱۳
۶	لال حسان	۲۱	۲۲	ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی	۱۳۹
۷	زمین العابدین	۲۲	۲۳	عظیم اللہ خان کاپنوری	۱۵۳
۸	عبدالرحمن	۲۲	۲۴	مولانا محمد جعفر تھانیسری	۱۶۱
۹	امیر الدین	۲۳	۲۵	لیاقت علی الہ آبادی	۱۸۰
۱۰	ابوظفر بہادر شاہ غازی	۲۳	۲۶	شہزادہ فیروز شاہ	۱۸۴
۱۱	مولانا سعید اللہ	۲۸	۲۷	نواب خان بہادر خان بریلوی	۱۸۹
۱۲	مولانا فیض احمد بدایونی	۲۹	۲۸	مولانا پیر علی	۱۹۴
۱۳	کفایت علی کافی	۳۰	۲۹	سردار احمد خان	۱۹۵
۱۴	محمد مستقیم خان	۳۲	۳۰	دھونڈو پنت ناناراؤ	۱۹۶
۱۵	مولانا مرزا امجدی صاحب لکھنوی	۳۵	۳۱	جنرل تانٹیا ٹوپے	۲۰۱
۱۶	مولانا امام بخش صہبائی دہلوی	۳۹	۳۲	راجہ کنور سنگھ جگدیش پوری	۲۰۴

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
۳۳	راجہ بینی مادھو بخش	۲۰۴	۵۱	سر دارغوث محمد خاں	۲۲۶
۳۷	راجہ تاہر سنگھ ملبب گڈھ	۲۰۵	۵۲	مسٹر سائمن	۲۲۷
۳۵	کمانڈر میر سنگھ	۲۰۵	۵۳	نواب محمد علی	۲۲۷
۳۱	راجہ کنور سنگھ	۲۰۵	۵۴	سید ہدایت علی	۲۲۷
۳۷	گردھاری لال	۲۰۶	۵۴	علی محمد خاں جہی گرین بریلوی	۲۲۸
۳۸	بہادر علی خاں رئیس کماؤں	۲۰۶	۵۵	میر عمران علی	۲۲۸
۳۹	نواب علی رئیس گجرات	۲۰۶	۵۶	سنتی عنایت احمد کاکوروی	۲۲۹
۴۰	قادر بخش صوبہ دار سفربینا	۲۰۶	۵۷	سعادت خاں	۲۵۰
۴۱	شاہزادہ مرزا مغل	۲۰۶	۵۸	رکن الدین سہسوانی	۲۵۱
۴۲	شہزادہ مرزا قویش	۲۰۷	۵۹	سید اکبر زمان	۲۵۱
۴۳	شہزادہ جوان بخت	۲۱۱	۶۰	خان محمد خاں گولنداز	۲۵۲
۴۴	شہزادہ خضر سلطان	۲۱۹	۶۱	شاہ نیاز احمد	۲۵۲
۴۵	نواب تفضل حسین خاں والی فرخ آبادی	۲۲۵	۶۲	محمد ابراہیم خاں لکھنوی	۲۵۵
۴۶	مولوی حکمت اللہ خاں فتح پوری	۲۳۰	۶۳	مولوی رضی الدین بدایونی	۲۵۷
۴۷	مرزا برجیس قدر بہار	۲۳۰	۶۴	نواب ولی داد خاں بلنڈ شہری	۲۵۹
۴۸	واجد علی شاہ	۲۳۰	۶۵	شہزادہ محمد عظیم	۲۶۰
۴۹	جنرل بخت خاں روہیلہ	۲۳۲	۶۶	مولوی وزیر علی مراد آبادی	۲۶۰
۵۰	رسالدار سید حسن بڑیلوی	۲۳۵	۶۷	نواب موخاں	۲۶۱
			۶۸	نواب مجوفاں مراد آبادی	۲۶۲

صفحہ	نام	نمبر شمار	صفحہ	نام	نمبر شمار
۲۹۲	ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال	۸۸	۲۶۴	مرزا بیدار بخت دہلوی	۷۰
۲۹۳	مولانا شوکت علی	۸۹	۲۶۵	سعادت اللہ	۷۱
۲۹۴	مولوی انعام اللہ خان اکبر آبادی	۹۰	۲۶۵	خان بہادر مفتی انعام اللہ	۷۲
۲۹۷	قائد اعظم محمد علی جناح	۹۱	۲۶۶	نواب بہادر خواجہ سلیم اللہ بہادر	۷۳
۳۰۷	مولانا عبید اللہ سندھی	۹۲	۲۶۸	مولانا شبلی نعمانی	۷۴
۳۱۰	مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری	۹۳	۲۷۰	شیخ انس محمود الحسن دیوبندی	۷۵
۳۱۱	مولانا محمد سجاد بہاری	۹۴	۲۷۲	حکیم اجل خان مسیح الملک	۷۶
۳۱۲	سیدہ یعقوب حسن مدراسی	۹۵	۲۷۷	مولانا عبدالباری	۷۷
۳۱۳	مولانا فضل الحسن حسرت موہانی	۹۶	۲۷۷	منظر الحق بیر سٹریٹ لا	۷۸
۳۱۴	اشفاق اللہ	۹۷	۲۷۹	سر محمد علی محمد	۷۹
۳۱۹	مولانا انور شاہ کشمیری	۹۸	۲۸۰	شیخ غلام حسین ہدایت اللہ	۸۰
۳۲۰	مولانا احمد علی محدث سہارنپوری	۹۹	۲۸۲	سر محمد شفیع	۸۱
۳۲۱	مفتی محمد رمضان اکبر آبادی	۱۰۰	۲۸۳	مولانا محمد فاخر الہ آبادی	۸۲
۳۲۲	نواب زادہ یاقوت علی خان	۱۰۱	۲۸۴	مولانا عبدالماجد بدایونی	۸۳
۳۲۴	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۰۲	۲۸۵	مولانا محمد علی جوہر	۸۴
۳۲۶	آصف علی دہلوی	۱۰۳	۲۸۹	ڈاکٹر مختار احمد انصاری	۸۵
۳۲۸	ڈاکٹر عبدالمامون	۱۰۴	۲۹۱	سیدہ چھوٹا بی بی	۸۶
۳۲۹	مولانا ظفر علی خان	۱۰۵	۲۹۱	مولوی سید ظفر حسن واسطی	۸۷

صفحہ	نام	نمبر شمار	صفحہ	نام	نمبر شمار
۳۶۸	برندراکار گھوش	۱۲۸	۳۶۸	مولوی رضوان اللہ	۱۰۶
۳۶۹	جوتیش چکر برتی	۱۲۹	۳۳۱	ڈاکٹر محمد عالم	۱۰۷
۳۷۰	چیت انجن داس	۱۳۰	۳۳۱	خان عبدالغفار خان	۱۰۸
۳۷۲	مدن موہن مالویہ	۱۳۱	۳۳۶	سر آغا خان	۱۰۹
۳۷۳	راشش بہاری بوس	۱۳۲	۳۳۸	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۱۰
۳۷۴	سرتیج بہادر سپرو	۱۳۳	۳۴۱	ڈاکٹر سیف الدین کچلو	۱۱۱
۳۷۵	ڈاکٹر لکشمی دت	۱۳۴	۳۴۲	مولانا حسین احمد مدنی	۱۱۲
۳۷۶	سورام جہادیو	۱۳۵	۳۴۴	نواب محمد اسماعیل خان	۱۱۳
۳۷۷	سریندر ناتھ بنرجی	۱۳۶	۳۴۵	مولانا احمد سعید دہلوی	۱۱۴
۳۷۸	بھائی رام سنگھ	۱۳۷	۳۴۶	مولانا حفظ الرحمن	۱۱۵
۳۷۹	ڈاکٹر راش بہاری گھوش	۱۳۸	۳۴۸	مولانا مفتی عتیق الرحمن	۱۱۶
۳۸۰	سوباش چندر بوس	۱۳۹	۳۵۰	مولانا محمد میاں	۱۱۷
۳۸۴	سروجنی نیڈو	۱۴۰	۳۵۰	شیخ محمد عبداللہ	۱۱۸
۳۸۶	شیام جی کرشن ورما	۱۴۱	۳۵۲	فضل الرحمن	۱۱۹
۳۸۸	مدن لال دھنگرہ	۱۴۲	۳۵۳	جو دھری فلیق الزماں	۱۲۰
۳۸۹	ونانک سادا کر	۱۴۳	۳۵۴	مشر دادا بھائی نورو جی	۱۲۱
۳۹۰	مہاتما گاندھی	۱۴۴	۳۵۵	لوکانیہ تلک	۱۲۲
۳۹۱	دلچھ بھائی پٹیل	۱۴۵	۳۵۹	پنڈت موتی لال نہرو	۱۲۳
۳۹۳	پنڈت جواہر لال نہرو	۱۴۶	۳۶۳	چیت پاون دامور	۱۲۴
۳۹۴	اچاریہ کرپانی	۱۴۷	۳۶۴	بلکم چٹرجی	۱۲۵
۳۹۷	ڈاکٹر راہیند پرشاد	۱۴۸	۳۶۴	جے پرکاش	۱۲۶
			۳۶۷	خودی رام بوس	۱۲۷

۷۸۶

مقدمہ

فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو خود بادشاہ نے تجارتی مراعات عطا کیں۔ انگلستان کے دھوکے باز تاجروں نے کچھ عرصہ میں ہندوستان میں بڑا کمرو فریب کا جال پھیلا دیا۔ ملک کی دولت سمیٹنے لگے۔ سراج الدولہ ناظم ہنگامہ آٹے آیا۔ اس کے خسر میر جعفر کو اپنا کراچی کا خاتمہ کرایا جعفر کو قاسم علی خاں سے میل کر کے قید کیا۔ کچھ دنوں بعد قاسم سے بھی بگڑ گئی وہ بادشاہ دلی شاہ عالم کے پاس لہ آباد آیا شجاع الدولہ کی سفارش سے بادشاہ مع فوج کے بنارس کی طرف روانہ ہوئے ۱۷۶۴ء کو بکسر میں انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ راجہ بنارس نے غداری کی جیتی بازی ہار گئے ۱۷۶۹ء میں بہار، اڑیسہ، بنگال کی دیوانی کا فرمان انگریزوں نے شاہ عالم سے حاصل کیا۔ نظامت کا بھی جھگڑا ختم ہوا۔ الہ آباد میں ۷ برس سلطنت کر کے بادشاہ دہلی آئے مرز نجف خاں جب تک زندہ رہا حکومت کی کچھ آبرو باقی تھی۔ اس کے مرے ہی بادشاہ نے پیشوا کو وکیل مطلق اور مادھو سندھیا کو نائب مقرر کیا۔ اس نے آگرہ سے دلی تک قبضہ کر لیا اور ۶۵ ہزار ماہوار بادشاہ کے مقرر کر دیئے۔ اس کے ہاتھوں بادشاہ کو پتلی بنے ہوئے تھے۔ عاجزا کر انگریزوں سے تعلقات قائم کرنے اور وظیفہ پاتے رہے ۱۸۰۶ء میں حکومت مغلیہ کا بیڑا غرق کر کے دنیا سے سدھار گئے اکبر شاہ ثانی جانشین ہوئے جن کی حکمرانی قلعہ کی چار دیواری تک محدود تھی۔ پورے ملک کا انگریز حکمران تھا۔ حکمہ شہر عید دہلی کو

توڑ کر الہ آباد میں صدر نظامت قائم کی اور ہندو اور مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنا چاہا
انگریز کے اشارہ سے یورپ سے یادچیوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا جنہوں کے اسلام کے
خلاف زہرا گلنا شروع کر دیا۔ حکام اُن کے معاون و مددگار تھے اور انگریز نے یہ طے
کیا کہ دلی کی شاہجہانی مسجد کو گرجے میں تبدیل کر دیا جائے۔

مناظرہ

پادریوں سے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور میو لوی رحمت اللہ
کیروانی میدان عمل میں نکل آئے رئیس الاساقفہ فنڈر منہ کی کھا کر فرار ہو گیا۔ میو لوی صاحب
کے نام وارنٹ جاری ہو گیا۔ یہ زمانہ ابو ظفر بہادر شاہ کا تھا۔ اکبر شاہ ثانی کے جانشین
تھے۔ ان کے ولی عہد دارا بخت تھے جن کے مرنے پر مرزا فرخزاد ولی عہد مقرر ہوئے وہ
بھی ہیضہ میں چل بسے۔ مرزا قویش سے انگریزی حکام نے یہ طے کیا کہ ۱۵ ہزار کا
وظیفہ ملنے پر قلعہ سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ بادشاہ جواں بخت کو ولی عہد کر رہے تھے
علامہ فضل حق خیر آبادی رسالہ عدویہ میں اس وقت کی کیفیت یہ تحریر کرتے ہیں کہ :-
برطانوی نصاریٰ جب ممالک ہندو دیہات و بلاد پر قابض ہو گئے اور سرحدوں
کو مضبوط کر لیا تو تمام ذی عزت اعیان کو ذلیل و خوار اس حد تک کر دیا کہ وہ سرِ نافرمانی کو
جنبت نہ دے سکتے تھے۔ اس کے بعد یہ طے کیا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنالیا جائے
تاکہ پھر یہ حکومت سے سرتابی نہ کر سکیں اور انقیاد و اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار
نہ ہو۔ چنانچہ طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ بچوں اور ناظموں کی تعلیم
اور اپنی زبان و دین کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے
پہلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس نکات کے مثالے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلہ کی پیداوار کاشتکاروں سے لیکر نقد دام ادا کئے جائیں اور غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس لیجانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں تاکہ ہر تنفس مجبوری درجہ ان کے قدموں پر آپڑے۔

ان ترکیبوں کے علاوہ مسلمانوں کو فتنے کمرانے سے روکنا۔ شریف نواتین کا پردہ ختم کرنا نیز دوسرے احکام دین متین کو مٹانا وغیرہ ذالک علی پٹو سلطان کے مصائب نواب چینیٹن کے خلف ارشد دلا اور جنگ مولوی احمد علی شاہ مشہور احمد اللہ شاہ نے ٹیپو کی آخری وصیت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سر بکھن میں عمل میں آئے۔ گوالیار آکر محراب شاہ قلندر کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے بیدخل کرنے کا بیڑہ اٹھایا اگرہ آئے۔

مفتی مولوی انعام اللہ خان بہادر جو محکمہ شرعیہ کے مفتی رہ چکے تھے ان کے یہاں مقیم ہوئے ہیں مجلس علما کی تشکیل کی جس میں مولوی کریم اللہ خاں پچھراپوٹی صدر الصدور۔ مولانا محمد قاسم دانا پوری۔ مولانا غلام امام شہید ایٹھوی۔ مولوی امام بخش وکیل۔ مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر۔ محمد شفیع وکیل سرکار۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مولوی معین الدین مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا اسد علی بیگ۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی نور الحسن سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی۔ مفتی عبدالوہاب گوماموی۔ مفتی نور اللہ

کے حضرات اس مجلس کے رکن تھے۔ یہاں سے شاہ صاحب فیض آباد گئے حراست میں لے لئے گئے۔ بیرٹھ سے ہنگامہ اٹھ کر ۱۵ ہوا لکھنؤ گئے اور نصف لکھنؤ پر قبضہ کیا۔ انگریزوں سے جنگی معرکہ رہے۔ چنانچہ جی۔ ڈبلو فارسٹر اپنی کتاب ہسٹری دی انڈین میوشنی صفحہ ۱۲ پر مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ اودھ کے باغیوں کی تجویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصہ سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہرہ مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصہ تک وہ آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر مسلم باستاندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہیں پایا گیا۔ انگریز جہاد کی تحریک کو سازش سے اعتراف کرتا ہے۔

مگر اس کا اثر فوجوں میں جو مسلمان تھے ان پر اچھا پڑا ان میں انگریزوں سے نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسلام کے لئے جان دینے کو تیار ہو گئے۔ ڈلہوزی کی جو پالیسی ریاستوں کی ضبطی اور الحاق کی تھی اس نے بھی جنگاریوں میں ہوا دسے دی ہونا ستارہ۔ چیت پور ضبط ہوئے تھے۔ مگر جھانسی اور اودھ کی ضبطی نے آگ بھڑکادی۔ لکھنؤ کی پالیسی پلٹیں برخواست کی گئیں تو ان میں کاہر ایک فرد ہندو ہو یا مسلمان انگریزوں کے خون کا پیا سا بن گیا۔

جو پلٹیں رہ گئی تھیں ان میں سے دو کو بارک پور بھجوا دیا۔ محمد شفیع لکھنوی دھندلے کار توں پڑ جو چربی لگی ہوئی تھی اس کا استفادہ چھوڑ دیا جس کا ہندوؤں نے

زیادہ اثر لیا۔ پہلا فرد منگل پانڈے تھا جو انگریز افسر سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ اس واقعے نے دور دور تک فوجوں میں انگریزوں سے بغاوت کی آگ لگادی اس پر نانتیا ٹوپے کا دورہ فوجوں میں پورا کام کر گیا۔

ناناراؤ کی پیشین ۸ لاکھ تھی ڈاہوزی نے ضبط کر لی تھی۔ اس کا مدار عظیم الشان انگلستان گیا اور ناکام لوطا تو اس نے انقلاب کی اسکیم مرتب کی جس میں مرہٹہ سردار تانتیا ٹوپے بھی شریک مشیرہ تھا۔ سیگنل چپاتیوں اور کنول کے پھول کی تقسیم تھی۔ مگر یہ شریک تمام ملک میں پھیلنے نہ پائی تھی کہ ارمنی شاہ میرٹھ سے کارٹوس کا قضیہ انگریز افسران کی حماقت سے اٹھ کھڑا ہوا فوج حریت نواز زیر سرکردگی رسالدار حسن علی بریلوی دلی آئے۔ اصرار کے بعد بہادر شاہ نے اپنی شاہنشاہی کا اعلان کیا۔ امرائے ہند کو فرامین ارسال کئے۔ حکمرانی کی سندات عطا کیں۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آئے لکن کو لمانڈر کا عہدہ عطا کیا۔ نوے ہزار مجاہدین اور فوج زیر علم جمع ہو گئی۔ انگریز کا عمل و دخل دلی سے اٹھ گیا۔ مرزا الہی بخش اور حکیم حسن اللہ کی نمک حرامی اور مرزا مغل کی کوتاہ بینی سے انگریز کا اقتدار پھر لوٹ آیا۔ بادشاہ قید ہوئے رنگون بھیجے گئے۔ جنرل بخت خاں بادشاہ کو ہمراہ لیجانا چاہتے تھے وہ نواب زینت محل کے قبضہ میں پھنسے ہوئے تھے آخر کار جنرل صاحب اپنے ساتھیوں کو لیکر لکھنؤ آ گئے اور احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہو گئے۔

فیروز شاہ دہلوی گوالیار آگرہ، مراد آباد میں انگریز سے لڑے آخر میں شاہ صاحب کے پاس پناہ لی۔ مولوی لیاقت علی الہ آباد سے آ گئے۔ ڈاکٹر وزیر خاں۔ مولوی فیض احمد بدایونی بھی لکھنؤ پہنچ گئے نانا راؤ بھی انگریز سے شکست کھا کر لکھنؤ آ گئے۔

یہ سب حضرات شاہ صاحب کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان کے سوا اور بھی علمبردارِ حریت جہنوں نے اپنے اپنے مقام پر اس جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا وہ بھی آکر شاہ صاحب کے شریک ہو گئے۔ میپو سلطان کی وصیت کے الفاظ بھی اس جگہ پیش کئے جاتے ہیں۔

”میں خوش ہوں کہ ایک کافر کے مقابلہ میں پڑ کر قہار کے راستہ میں جان دے رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں افغانی فوج کو مارتے مارتے مر رہا ہوں۔ کاش کوئی میرے بعد ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال بھگائے اس وقت میری روح کو قبر میں چین آئے گا جب تک ہندوستان کی سرزمین فرنگیوں سے پاک ہو جائے“

شاہ صاحب نے اس وصیت کے پیش نظر انگریزوں سے دو دو ہاتھ کے اور چند روزہ محمدی پور میں حکومت قائم کی سکہ جاری کیا۔ راجہ پوائس کے دعوے میں گولی کا نشانہ بنے۔ عظیم اللہ کا نظریہ اس تحریک سے یہ تھا کہ ناناراؤ انگریزوں کے بعد ہندوستان کا سہرا بنے۔ مرہٹوں پر بھروسہ کر گیا مگر وہ بے جان ہو چکے تھے البتہ جنرل بخت غاں کی رائے پر بہادر شاہ کار بند ہونے تو ملک کا نقشہ دوسرا ہوتا شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ کوئی قوت نہ تھی۔ پھر اپنی شجاعانہ سرگرمی اپنی بادشاہت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ برجیس قدر کی ٹوٹیا مموخاں نے شیعہ سنی سوال اٹھا کر ڈبونی ورنہ حضرت محل کے جھنڈے تلے ایک لاکھ حریت نوازوں کا مجمع تھا۔ انگریزوں کے بیدار کرنے کے لئے ان قائدین میں ہر ایک پیش ہوا۔ مگر نظریہ جدا جدا تھے یہی سبب تھا کہ اس تحریک کو کامیابی نہ ہو سکی۔

اس کے علاوہ حسب ذیل اور بھی اسباب تھے۔

۱۔ ہندوستانی ریاستیں انقلابیوں کی شریک کار نہ تھیں بلکہ انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔

انگریزوں کے پاس ہندوستان تھا ذریعہ نقل و حرکت خیر رسائی کا انتظام اور پریس بھی اس کے ساتھ تھا۔ ترک۔ ایرانی۔ افغانی کوئی پرسان حال نہ ہوا۔ راجہ نیپال نے وطن اور قوم کے خلاف تلوار اٹھائی۔ انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انقلابیوں کی سعی سے اکیس فوجی چھاؤنیاں اس جنگ آزادی میں حصہ لے رہی تھیں۔ مگر باہمی شیرازہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ہر جگہ نقصان رہا۔

تازہ دم انگریز فوج اس وقت آگئی تھی کہ سربراہ آوردہ اور محرک قائدین جنگ کام آچکے تھے۔ انگریزوں نے غداران ملک کی ہمنوائی سے ملک پر دوبارہ غلبہ حاصل کر کے جو ظلم کئے ان کی مثال ملنا محال ہے۔

۲۔ جون ۱۸۵۷ء کو لارڈ کیلنگ کی گورنمنٹ نے بعض صوبوں میں بارشل لا جاری کرنے کا اعلان کر دیا۔ سر جارج کیپٹن کہتا ہے :-

”فوجیوں نے خوب دل کھول کر نہایت ہی وحشیانہ طریق

بے دریغ خون کی ندیاں بہائیں۔ - (Memories of

“Indian career I P 233

آگے سر جارج کہتا ہے :-

”غدار کے اعلان کے بعد سپاہیوں نے ہر اس انگریز کو

جوان کے ہتھے چڑھابے دریغ قتل کر دیا۔ یعنی مشکل سے کوئی ایسا خاص واقعہ نظر آئے جہاں کوئی خوش قسمت انگریز باغی سپاہیوں کے ہاتھ سے بچ نکلا ہو۔

اس کے مقابلہ میں سول رعایا نے عام طور پر ہمسائے آدمیوں کو پناہ دی اور اپنے آپ کو جو کمزوریوں میں ڈال کر انگریزوں کی جان بچانے میں امداد کی۔ شاید ہی کوئی ایک آدھ ایسا واقعہ ملے جہاں رعایا کے ہاتھوں کوئی انگریز قتل کیا گیا ہو (میسوریزان مائی انڈین کیریگراٹا)۔ اس ملک کی غدار جماعت جو انگریز کی وفادار تھی اس کو بھی انگریزوں نے نہیں بخشا چنانچہ Magiendi اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۵ میں لکھتا ہے۔

میرے خیال میں لڑائی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلہ میں معصوم اور بیگناہ انسانوں کو زیادہ ذمیتیں برداشت کرنی پڑیں..... اودھ کے غریب دیہاتیوں کے درمیان انتقام لینے وقت کوئی تمیز نہیں کی گئی..... حقیقت یہ ہے کہ وہ بغاوت کے حد تک نہیں ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے بغاوت سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی اب رہا یہ امر کہ ان کا یہ طرز عمل درست تھا یا غلط تو یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ انھوں نے تو اپنے تئیں حق بجانب سمجھ کر اپنے وطن آزاد کرنے کی کوشش کی اس لئے ہم اس جذبے کو تو برا نہیں

کہہ سکتے۔ چنانچہ ہمارے حق میں یہ زیادہ مفید اور تسلی بخش ہوتا۔ اگر ہم سپاہیوں کو چھوڑ کر اودھ کے باشندوں کی جان بخشی کر دیتے اور ایسی دردناک سزائیں نہ دیتے۔ (Majendii P.195)

مگر عمل انگریزوں کا یہ رہا کہ حریت نوازوں پر زیادہ سے زیادہ ظلم و ستم توڑے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان زیادہ انگریزوں کو قتل کرائے اور ان کے پائمال کرنے میں کتراٹھا نہ رکھی

۳ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تحریک کو انگریزوں نے اپنے زعم باطل میں کچل دیا تھا مگر علمائے حق درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت میں سرگرم سعی تھے۔ علیٰ جمہدین سرحد سے تعلقات قائم کیے ان کو مالی امداد پہنچا رہے تھے انگریزوں نے ۱۸۶۳ء میں ان علمائے کرام پر مقدمہ چلایا اور انڈمان بھیجا یا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں انگریزوں سے زیادہ نفرت بڑھی۔ موقعہ کے منتظر تھے مولانا محمد تاسم دیوبندی اور سر سید احمد خاں نے درسگاہیں قائم کیے اپنے نظریہ کی تعلیم میں منہمک ہو گئے بس نے آگے چل کر قوم میں زندگی پیدا کر دی ہندوؤں میں بھی سیاسی امنگ پیدا ہو گئی تھی۔ بنگالی پیش پیش تھے۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے انگریز باخبر تھا کہ مسٹر ہیوم نے تمام سیاسی پارٹیوں کو یکجا کر کے ۱۸۸۴ء میں نیشنل کانگریس کی تشکیل کی۔ ہندو کثرت سے مسلمان خال خال شریک ہوئے مسلمانوں میں بھی سیاسی اراکے قائم ہوئے آخر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ ہر دو جماعتیں ملک میں سیاسی کام کرتی رہیں خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء کے قیام نے ملکی سیاسی تحریک کو گرمادیا۔ ملک کی کامل آزادی کے

طالب ہوئے مسلم لیگ کی سرپرستی قائد اعظم نے جس دن سے کی کانگریس کے ہم پہلو
مسلم لیگ ہو گئی اور اس نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنوا کے چھوڑا۔ اب جھڑا سدا سدا
جمہوریہ پاکستان ارتقاء کی منزلوں کو طے کر رہا ہے۔

جنگ آزادی میں علماء و پیش پیش نظر آتے ہیں راقم سطور نے غدر کے چند
علماء اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء دو کتا ہیں لکھیں مولانا فضل حق کے سیاسی حالات
بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ کے رسالہ تاریخ و سیاست میں شائع
کرائے ڈاکٹر سعید معین الحق جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے
آرگن میں مولوی احمد اللہ شاہ مولانا فضل حق اور عظیم الشان کے حالات انگریزی
میں شائع ہوئے مولوی محمد سعید صاحب مایک مطبع سعیدی کے فرمانے سے
۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۵۶ء تک کے مشاہیر کا یہ تذکرہ مرتب کر کے پیش کیا
جاتا ہے جو ہمارے لئے شمع راہ ہی نہیں بلکہ باعث فخر و مباہات ہے۔

کرم فرمایا شمس الدین محمد سابق وزیر تعلیم بھاول پور مولوی عظیم الدین خاں ریم سے
ڈاکٹر سعید معین الحق خواجہ عبدالوحید دہلوی بی۔ اے۔ حافظ محمد رحیم دہلوی مترجم
تذکرہ بری۔ ہنسی ریاض الدین احمد بانی جناح کالج۔ سید عین الدین رضوی ایڈیٹر
قومی زبان۔ مرزا علی انہرا یڈو کیٹ شجاع احمد زیا ایم۔ اے۔ محمد ایوب قادر بی۔ اے
مصطفیٰ علی بریلوی کا شکر گزار ہوں کہ اس کتاب کے مرتب کرنے میں معاونت کی۔

ادارہ مصنفین

کراچی

انتظام اللہ شہابی

تیٹومیایاں

۲

غازی نثار علی معروف تیٹومیایاں چندر پور بنگال کے باشندہ تھے بچپن سے کشتی گیری کا شوق تھا پیشہ کا اشتکاری تھا کچھ عرصہ کلکتہ بھی رہے گھر کے کھاتے پیتے تھے مگر طبیعت میں تہور و شجاعت تھی ایک زمیندار سے ابچھ پڑے اس میں ان کو نقصان اٹھانا پڑا۔ واپسی پر حج کو گئے وہاں حضرت سید احمد بریلوی بھی حج کو گئے ہوئے تھے ملاقات ہوئی ان کے مرید ہو گئے وہاں سے واپس آ کر کلکتہ کے ضلع شمالی اور مشرقی میں اصلاحی دورہ کیا صدہا مرید ہو گئے اور جاں نثاری کیلئے تیار تھے۔ ۱۸۳۳ء میں زمینداروں کے خلاف کسانوں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ۲۴ پرگنہ ندیا اور فرید پور میں ہنگامہ ہوا۔ انگریزی فوج سے ٹد بھیر ہوئی۔ ان کے ساتھ ہزار کے قریب مجاہدین تھے۔ ایک موقع پر تیٹومیایاں کو گولی کا نشانہ بنا پڑا۔ ۳۵ آدمی گرفتار ہوئے۔ مقدمے چلے ۴۰ کو مختلف سزائیں ہوئیں۔ سرگروہ کو پھانسی ہوئی

مولانا سید احمد بریلوی

مولانا سید احمد رائے بریلی کے رہنے والے تھے دلی آئے اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے درس میں شریک ہوئے آپ کی صحبت نے سید صاحب پر مجاہدانہ سرگرمی کا رنگ چڑھا دیا۔ ان کے مرید مولانا شاہ محمد اسمعیل ہو گئے جو شاہ عبدالعزیز کے برادر زادہ اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے پوتے تھے۔ ان دونوں صاحبوں نے ہمارا واجیاء حکمت کی تحریک شروع کر دی۔ ہندوستان کے شمال سے لیکر جنوب تک اور مشرق سے لیکر مغرب تک مسلمانوں میں عام مذہبی جوش اور سرفروشی کا جذبہ اور سیاسی بیداری پیدا کر دی اس تحریک سے ہندوستان کے لاکھوں مسلمان وابستہ تھے اور سارے برطانوی علاقہ میں اس کے مرکز تھے۔ سید صاحب نے اپنا اصلی مرکز ہندوستان کے شمالی سرحد کو بنایا۔ جو آزاد اور جنگجو علاقہ تھا۔ اس وقت سلطوں کی سخت گیری کے خلاف محاذ تھا ان سے مقابلہ رہا پیشاور ہمارا برجیت سنگھ سے لیکر سلطان محمد کوہاں حکمران بنا یا۔ آپ کو اس طرف پوری کامیابی ہوئی ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو سرحدی قبائل امراء و خواتین ہندوستانی مجاہدین اور علماء و مشائخین نے بالاتفاق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ بیت المال قائم ہوا۔

ذکوٰۃ و عشر کا نظام اور شرعی حدود و تفریبات جاری ہو گئے۔ سکوں ملا تو آپ نے ہندوستان کے راجاؤں، نوابوں کو خطوط لکھے۔ چنانچہ ہمارا جہ گوالیار کے سالے ہمارا جہ ہندورہ کو اور ان کے دیوان سردار غلام حیدر خاں اپن سردار چندن خاں رام پوری کو ہندورہ کے سمجھانے کے لئے خط لکھا کہ آپ لوگ ہم فقرا کے ساتھ ہمنوا ہو کر بدیسی حکومت کو نکال باہر کریں اور چین سے عزت و آبرو سے رہیں اب توجہ انگریزوں کے خلاف سید صاحب کی ہوئی تھی مگر مشیت ایزدی مسلمانوں کی خیانت اور غداری اور ناسازگار حالات سے مسلمانوں کو شکست اٹھانا پڑی ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو سید صاحب و مولانا شاہ اسمعیل و دوسرے رفقا و مجاہدین کے ساتھ مقابلہ بالاکوٹ (بہارہ) ہو کر شہید کر دیا گیا۔ باقی ماندہ جماعت نے سرحد میں سہانہ اور ہندوستان میں پٹنہ کو مرکز بنا لیا۔

سید عمر شاہ

سید عمر شاہ بندہ زمان شاہ ساکن تختہ بند بونیر سید عمر کے دادا ایک درویش تھے جن کا سرحد پر زیادہ اثر تھا۔ سید عمر شاہ نے باقی مجاہدین بالاکوٹ کو اپنے پاس جگہ دی۔ سید اکبر شاہ کو بلا کر سوات میں حکومت قائم کر لی اور انگریزوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہے۔ آخر ۱۸۵۶ء میں انتقال ہو گیا ان کے خلف جانشین ہوئے علیہ

علیہ بیچارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۲

عبد الغفور

حضرت عبد الغفور یوسف زئی قبلہ پر کانی اثر رکھتے تھے سوات کے روحانی پیشوا تھے درہ ایلا پر انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا اور ان کو بری طرح شکست دی۔ شیخون ایسے مارے کہ یہ گھبرا گئے اور ناکام واپس آئے۔ اس کی داستان ہنسنے خوب لکھی ہے۔

لال خاں

نصیحت لال خاں باجوڑی یہ بھی غازی تھے۔ پر مولیٰ مقام ہدائتوں نے بھی کار نمایاں کئے۔ یہ مجاہدین کے ساتھ انگریزوں سے برسر مقابلہ شب قدر تک رہے اور تمام عمر انگریزی فوج پر شب خون مارتے رہے۔

زین العابدین

زین العابدین حیدرآباد کے رہنے والے عبادت گزار اور صاحب اثر تھے مولوی ولایت علی عظیم آبادی جنوب کے دورہ میں تشریف لے گئے وہیں یہ ان کے مرید ہوئے اور انھوں نے اصلاحی کام شروع کیا۔ کوششوں کا مرکز شمالی مشرقی بنگال کو بنایا۔ سلیٹ اور شمالی پتھریا کے کسان ان کے ہمنوا تھے۔ انھوں نے وہاں سے صد ہا محابہ سوات روانہ کئے جو انگریزوں کیلئے وبال جان بنے ہوئے تھے۔

عبدالرحمن

مولانا عبدالرحمن لکھنوی مولانا ولایت علی کے خلیفہ تھے جنوبی بنگال کے ضلع مالده میں تبلیغی دورہ کے سلسلہ سے آئے اور درس و تدریس مشغلہ رکھا۔ زمینداروں کے لڑکے درس میں شریک ہوتے۔ مولانا کا اثر و اقتدار بڑھ گیا تو انھوں نے انگریزوں کے خلاف تبلیغ شروع کر دی مولانا سرحدی کیمپ مجاہدین کے لئے مجاہد اور اورپٹنہ کے دارالاشاعت کو ہر سال روپیہ روانہ کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں عمر بناوی۔

133886



ملطنت مغلوبہ کے آخری تاجدار محمد سراج الدین ابو ظفر

بہادر شاہ تاریخ پیدائش ۱۷۷۳ء

تاریخ گرفتاری . ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء

امیر الدین غازی

مولوی امیر الدین ساکن مالده مولانا عبدالرحمن کے ساتھیوں میں سے تھے اور یہ بھی اصلاحی کام میں لگے ہوئے تھے۔ حکومت نے قید کر لیا پھر انکو چھوڑ دیا اسلئے

ابوظفر سراج الدین بہادر شامانی

ابوظفر عرف مرزا ابن اکبر شاہ ثانی ۲۸ شعبان ۱۱۹۰ھ کو ان قلعہ میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی علوم کی تعلیم پائی رمضان المبارک ۱۲۶۱ھ کو بمر ۳۲ سال ولیمہ ہوئے۔ مسٹر اسٹین رزیدٹ نے خلعت ولی عہدی پہنایا۔ اکبر شاہ ثانی ان سے بخارہتے اور اپنے فرزندوں میں مرزا بابر، مرزا سلیم، مرزا جہانگیر کو بہت چاہتے تھے۔ ان میں سے مرزا سلیم کو ولیمہ بنانا چاہا مگر مرزا ابوظفر بڑے تھے۔ سرکار کمپنی نے حسب قاعدہ خاندانی انھیں کو منتخب کیا اور اکبر شاہ کی نہ چلی۔ مرزا سلیم ہاپ کے سامنے یاصل بحق ہوئے۔ بادشاہ نے تمام خدمات قلعہ مرزا فیروز شاہ ابن مرزا سلیم کو سپرد کر دئے حتیٰ کہ انتقال کے وقت خزانہ کی کنجیاں بھی اپنے پوتے کے حوالہ کیں۔ ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ کو ابوظفر کی عمر ۶۴ سال تھی سر جان تامسن

علہ ہمارے ہندوستان مسلمان صفحہ ۱۲۰-۱۲۳

لڈیٹڈ دہلی نے تسبیح خانہ کے تخت پر جو سنگ مرمر کا تھا تخت نشین کیا۔ بادشاہ نے سراج الدین بہادر شاہ ثانی لقب اختیار کیا اور ایک تخت گنگا جمنی ہشت پہل اپنے اجلاس کے لئے تیار کرا کے اسکا نام تخت شاہی رکھا جس پر صرف ایک مرتبہ اجلاس کرنا نصیب ہوا لارڈ ایلن اگورنر جنرل جن کو دربار میں کرسی نہیں ملی تھی انھوں نے ان کے لئے بھی حکم کر دیا کہ آئندہ تخت پر اجلاس نہ کریں۔ مگر روز بروز ان کا اقتدار حکمرانی کم کیا جانے لگا۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی و شمالی میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۳۵ء میں سکھ بھی دلی اور نواح دلی سرکار کمپنی کا راج ہو گیا تھا عہد بہادر شاہ میں اگرہ کی عدالت عالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔

نذر عید | یہ دستور تھا کہ عید بقر عید نوروز اور سالگرہ کے موقع پر وائسرائے کشور ہند ایک سو ایک اشرافی حضور شاہ میں نذر گزارتے تھے۔

جب تک بہر جان تانسن رزیدنٹ بادشاہ کے وزیر اور اتالیق زندہ ہے اور ظفر بید کوئی آفت نہ آئی۔ ان کے انتقال کے بعد سائمن فریئر رزیدنٹ امیر الامرا وزیر اعظم اور بادشاہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ بادشاہ کی ان کے سامنے کچھ چلتی نہ تھی۔

ولیعہد | پہلے فرزند رشید مرزا محمد دارا بخت بہادر ولی عہد مقرر ہوتے انکے انتقال کے بعد منجھلے فرزند مرزا شاہ رخ ہوئے یہ پہلے مرچلے تھے منجھلے فرزند شہزادہ سلطان فتح الملک بہادر کی ولی عہدی کا زمانہ آیا اس موقع پر لوزاب زینت محل جو بادشاہ کی پھیتی بیوی تھی اس نے مقامی حکام کمپنی سے سازش کر کے اپنے فرزند مرزا جواں بخت کو ولی عہد بنوانا چاہا بادشاہ بھی رضامند ہو گئے مگر سرکار



نواب زینت محل بیگم ابو ظفر بہادر شاہ

کمپنی کی طرف سے ۱۸۴۲ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے کشمیر ہند ہو کر دلی آئے انھوں نے فتح الملک کو خلعت ولیعہدی دیا اور بادشاہ کا نائب بنایا۔

۱۸۵۶ء میں مرزا فرخ و ولی عہد کا انتقال ہوا۔ ولیعہدی کا قصہ پھر اٹھا بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولیعہدی کے لئے باضابطہ مطالبہ کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے آنکھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں۔ لیکن دوسرے دن سرکار کمپنی نے مرزا قویش جو بہادر شاہ کے بڑے لڑکے تھے یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کے بعد لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شاہزادہ باقی رہے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سو لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائے گا۔ مرزا قویش کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا گیا۔

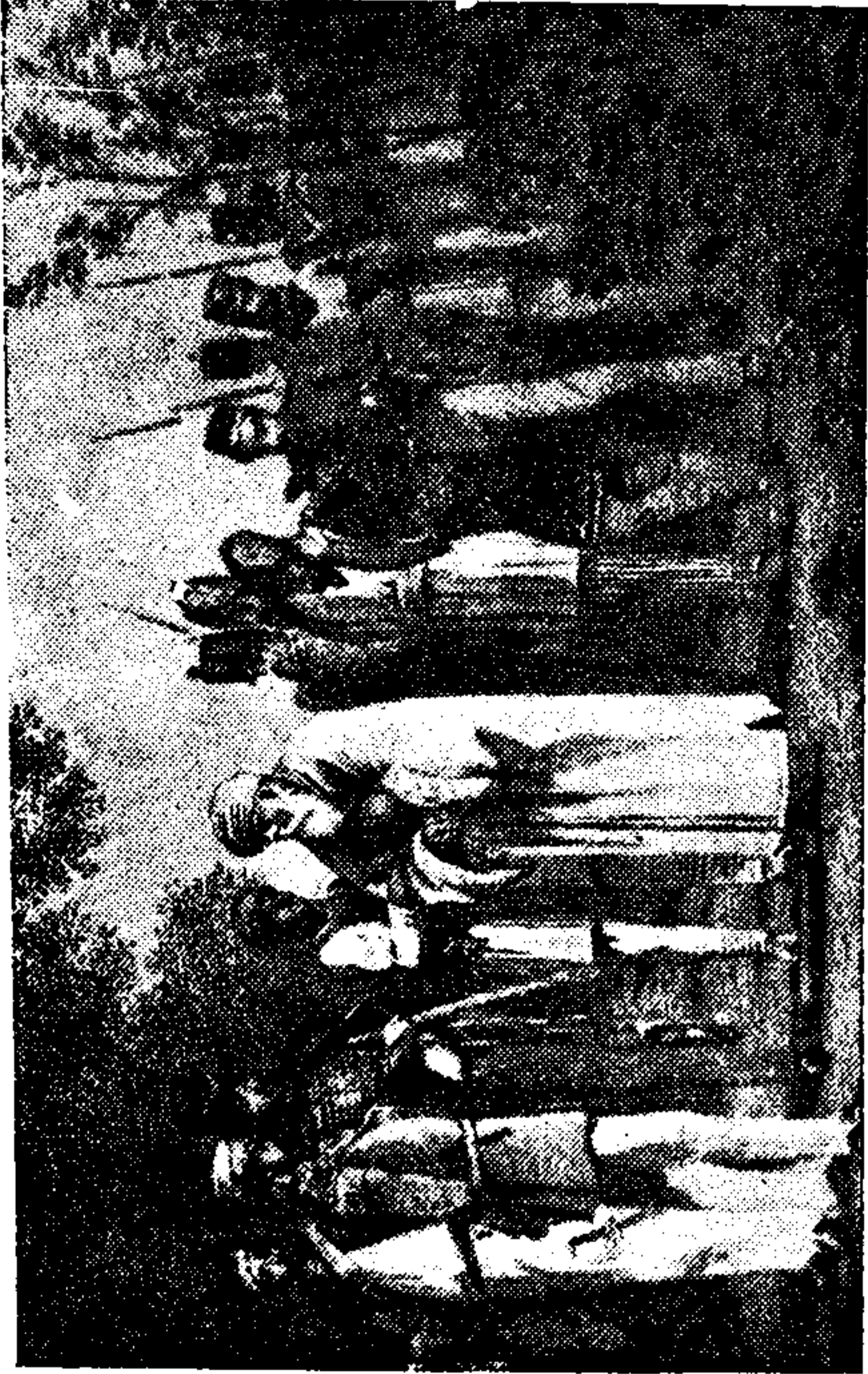
بادشاہ اور زینت محل کو سخت صدمہ ہوا کہ بیکام میرٹھ سے ۱۱ مئی کو وطن پرستوں کی فوج زیر سرکردگی رسالدار حسین علی بریلوی دلی میں آگئی اور انھوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنا لیا۔ بادشاہ نے بھی رنگ دیکھ کر حریت نوازدوں کی دل سے سرپرستی کی۔ لوہوں راجوں کو خط لکھے مگر ان کو سانپ سمجھو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جنرل بخت خاں بریلی سے آگئے ان کو کمانڈر کر دیا گیا۔ نئے ہزار فوج دلی میں جمع ہو گئی۔ انگریز دلی سے بھاگ کھڑا ہوا مگر مرزا الہی بخش اور حکیم حسن اللہ خاں نے انگریزوں سے ساز باز کرنا شروع کیا۔ مرزا مغل مرزا ست سنگھ کے جہاں انگریزوں کے مقابلہ پر گئے پسپا ہوئے جنرل بخت خاں نے یہ حال دیکھا

تو بادشاہ سے مل کر لکھنؤ چلا گیا۔ بادشاہ قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ میں آگے الٹی بخش نے ان کو گرفتار کر دیا۔ آخر تاجدار دودبان تیموریہ سرکاری بلزم کی حیثیت سے پالکی پر سوار کر کے گوروں کے پہرے میں دلی لاکر توپلی زینت محل میں رکھے گئے خوراک کے پانچ روپیہ یومیہ ملتے تھے۔

ان نمک خواروں کی مخبری پر مرزا مغل اور خضر سلطان ہندس ظالم کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنے اور ان کے سرخوان میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے بھیجے گئے اس کے بعد دہلی میں قتل عام شروع ہوا شارع عام پر پھانسی گھسے بنائے گئے۔ واپول لکھتا ہے کہ :-

”انگریزوں نے فتح دلی کے بعد جو لوٹ دلی میں جائز رکھی وہ وحشی نادر شاہ نے بھی نہ مچائی تھی“

ہزاروں بے قصور مسلمان اور شہزادگان نے پھانسی پائی غرض کہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو لال قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے مظلوم بادشاہ کا مقدمہ پیش ہوا وکیل سرکار نے جو فرد قرار داجرم سنائی اس میں باغیوں کو امداد دینا ۲۹ انگریزوں کو قتل کرانا ۱۰ اڑسی ۱۸۵۷ء سے یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء تک شہر پر قبضہ کرنا اور باوجود انگریزی رعایا ہونے کے خود کو بادشاہ مشہور کرنا یہ ان الزامات میں سے چند الزامات تھے جو فرست میں مذکور تھے۔ بادشاہ نے الزامات سے انکار کر دیا۔ مگر پہلے سے طے عدالت کر چکی تھی بادشاہ کو جلاوطنی کا حکم سنا دیا اور ۱۲۵۷ء میں رنگون پہنچا دیا وہاں ان کو صرف چھ سو روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ لیکن انھوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال



سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار محمد سراج الدین ابو ظفر بہا در شاہ کی گرفتاری کا
ہولناک منظر - شاہ کے دائیں بائیں جوان بخت اور مرزا مغل ہیں
سامنے جنرل ہڈسن مغرو رانہ انداز میں کھڑا ہوا ہے

نہایت عسرت میں بسر کر کے بعمر ۹۲ سال ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۸۶۲ء کو اس دارالحسن سے جنات النعم کی طرف کوچ کر گئے۔

کما ہفت غیب نے کان میں
سنو ہو چکی آج ترکی تمام

اولاد بہادر شاہ

فرزندان (۱) مرزا محمد دارا بخت (۲) محمد شاہ رخ (۳) کھومرث (۴)
فتح الملک (۵) مرزا محمد قویش مرزا منگل (مرزا ظہیر الدین نام تھا)
مرزا فرخندہ شاہ مرزا خضر سلطان مرزا بختاورد شاہ مرزا سہراب ہندی
مرزا ابوالنصر مرزا محمدی مرزا عبدالشہر مرزا کوچک سلطان مرزا شاہ
غیاث مرزا جواں بخت۔

دختران کاشفہ سلیمان۔ ننھی بیگم۔ آغا بیگم۔ مبارک النساء۔ براقی بیگم۔
شبیبہ بیگم۔ کھولی۔ دبیر الزماں۔ حسن زمانی۔ نواب بیگم۔ حاجی بیگم۔ کلثوم زمانی
جمیا۔ اورنگ زمانی۔ بہاری بیگم۔ غرضکہ اسٹریکیاں تھیں۔ علیہ

علیہ سلاطین ہند جلد دوم ذکر بہادر شاہ از انعام اشرف شاہ۔

مولوی حکیم سعید اللہ

مولوی حکیم سعید اللہ ولد مولوی حکیم حافظ عظیم اللہ ولد حکیم حبیب اللہ
 ولد حکیم حبیب اللہ قصبہ آنولہ ضلع بریلی روہیلکھنڈ وطن تقابلاً ۱۸۲۶ء میں
 پیدا ہوئے آپ کے مورثان روہیلہ میں خاص شہرت اور حیثیت
 کے مالک تھے نواب علی محمد خاں مرحوم والی روہیلکھنڈ نے حضرت شاہ نور
 غازی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے واسطے جو نوسو نواسی بیگمہ پختہ اراضی
 وقف کی تھی اس کی تولیت آپ کے جدِ اعلیٰ حکیم حبیب اللہ کے سپرد کی
 جو اس دور کے مشہور حکما میں سے تھے جنہوں نے اس خدمت کو نہایت
 حسن و خوبی سے انجام دیا۔ جوانی میں علومِ مروجہ حاصل کئے۔ قرآن مجید کے
 دس سپارے حفظ کر کے چھوڑ دے۔ علمِ طب میں خاص طور سے یدِ طولیٰ
 حاصل تھا۔ اپنے وطن کے فاضل طب اور عزیز حکیم سنا سے بھی استفادہ
 کیا تھا۔ حکیم منام مرحوم حکیم سعادت علی خاں رئیس اعظم آنولہ و مدار المہام
 ریاست رام پور کے طبیب خاص تھے۔ حکیم سعید اللہ کا ذریعہ معاش
 طب تھا۔ بڑے کامیاب طبیب تھے۔ خان بہادر خاں نے جب روہیلکھنڈ
 میں ۱۸۵۷ء میں آزاد حکومت قائم کی تو قصبہ آنولہ میں ان کی طرف سے
 حاکم نواب کلن خاں نمبرہ بخشی سردار خاں (روہیلہ سردار) مقرر ہوئے۔

مولوی اسماعیل صدر شریعت بنائے گئے۔ فوج کا انتظام شیخ پیر اللہ کے سپرد تھا جو بڑا جبری اور جیوٹ کا آدمی تھا۔ حکیم سعید اللہ ارکان شوریٰ میں تھے جس کے دوسرے اراکین حکیم حسن۔ نواب جان محمد تھے۔ حکیم سعید اللہ نے خاص طور سے سراغ رسائی کا کام انجام دیا۔ آنولہ میں کفایت علی کافی مراد آبادی فہونی جہاد مراد آباد سے لیکر آئے تو حکیم صاحب کے یہاں ٹھہرے تھے۔ حکیم سعید اللہ صاحب نے کنپلہ اور گکراہ میں انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا۔ گکراہ جو کئی سو آدمیوں کا دستہ برٹنی سے نواب خان بہادر خاں نے بھیجا تھا اس کی لمانڈی کر رہے تھے جب روہیلکھنڈ میں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو حکیم صاحب مدتوں روپوش رہے۔ سید گلزار علی امر و ہوی اور حکیم سعید اللہ جنگلوں میں رات کو رہتے تھے۔ آخر میں حکیم سعادت علی خاں مدارالمہام ریاست رام پور کی سفارش سے حکیم سعید اللہ کی جاں بخشی ہوئی ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا علیہ

بڑے پابند شرع مخلص اور نیک اخلاق کے مالک تھے۔ مارہر سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ آپ نے ایک فرزند میاں رحیم بخش یادگار چھوڑا جو عجیب دل و دماغ کے مالک تھے۔ نہایت زیرک اور عقلمند تھے۔
فروری ۱۹۲۲ء میں انتقال کیا۔ اولاد موجود ہے۔

مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی نبیرہ بحر العلوم مولانا محمد علی بدایونی ان کے والد مولانا حکیم غلام احمد تھے ۱۲۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ علمائے عصر علیہ سوانحات المتاخرین آنولہ از حکیم عبد الغفور۔ سلہ العلم اکتوبر ۵۵ء

سے تحصیل علوم کی صدر نظامت آگرہ میں پیشکار ہو گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے مصاحبین میں سے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں کے دوست تھے جنگ آزادی میں عملی حصہ لیا۔ مرزا مغل کے پیشکار رہے۔ آخر میں لکھنؤ آکر مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہوئے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ تعلیم الجاہل۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت صدر اشیرازی اور نصوص فارابی کے حاشیہ مشہور ہیں۔ ہدایت قادریہ عربی اشعار کا مجموعہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند اکل التواریخ)

مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی

میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کی خبر ابرہی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد پہنچی اس زمانہ میں سی بی سائڈرس مجسٹریٹ مراد آباد اور مسٹر بے۔ جے کمبل جو انٹ مجسٹریٹ۔ مسٹر کرافٹ ولسن جج تھے۔ آخر الذکر اس ضلع میں سترہ سال سے تعینات تھے۔ وہ ضلع اور باشندگان ضلع سے پوری طرح واقف تھے اس لئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہو گئی تو ضلع مراد آباد کا انتظام اسی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد کے حریت نوازوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور فوج باغی ہو گئی ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب قیدی جیل خانہ توڑ کر آزاد ہو گئے تو سید گلزار علی اور سید اکبر علی (ساکنان امر وہہ) جو مراد آباد میں پیشکاری کرتے تھے اور بڑے بہادر

اور نہایت حسین و جمیل تھے۔ قیدیوں کی جماعت کے ساتھ راتوں رات اودھ چلے گئے اور انقلاب کی تیاری کرنے لگے۔

مراد آباد میں مجاہدین کا سخت زور شروع ہو گیا۔ یہ علاقہ ہمیشہ سے آزادی کا متوالا رہا ہے بریلی میں خان بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے حکومت سنبھالی مراد آباد میں دوسرے خاندان کے علاوہ نواب دوندے خاں کی اولاد بھی تھی۔ لہذا مراد آباد میں مجاہدین کا خوب اجتماع ہوا۔ مجاہدین کے سربراہ کاروں میں مولوی سرتو، مجدد الدین احمد عرف مجو۔ عباس علی خاں نبیرہ دلاور الملک نواب دوندے خاں اور مولوی سرفراز علی اور مولانا کفایت علی کافی کے نام نمایاں طور سے ملتے ہیں۔ یہاں مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی کا جو خاں دستیاب ہو سکا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔

کفایت علی نام تخلص کافی ہے نسبتاً شیخ تھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ مراد آباد کے قدیم باشندے تھے خاندان میں علم و فضل تھا۔ علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ رام پور میں بھی تحصیل علم حاصل کیا۔ اپنے زمانہ کے سربراہ اور علماء میں سے تھے۔ علم طب میں مہارت کامل تھی۔ علم طب حکیم شیر علی ابن مولوی محی الدین سے حاصل کیا۔ حکیم شیر علی تذکرہ علمائے ہند (فارسی) کے مؤلف مولوی رحمن علی کے والد تھے۔ مولانا کافی نے حکیم شیر علی کی وفات پر جو تاریخ لکھی ہے اس کو مولوی رحمن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں درج کیا ہے۔

علامہ المسعودی مولانا احمد رضا ناں + دوشیر علی نے انتقال کیا + یہی سال تاریخ لکھ دیکھو
تو کافی رہا سبک بہر نواب + بسو کے لحد خادم بو تراب
۱۲۵۶ھ

مولانا کافی نے انقلاب ۱۹۴۷ء میں بڑے جوش سے حصہ لیا۔ آپ کو مراد آباد کا صدر شریعت بنایا گیا تھا۔ لہذا آپ نے احکام شرعیہ جاری کئے تھے۔ فتویٰ جہاد کی نقول آپ نے دوسرے مقامات پر بھیجوائیں بلکہ بعض مقامات پر تو خود تشریف لے گئے آنولہ (ضلع بریلی) میں خاص اسی مقصد کے لئے گئے تھے اور وہاں ہفتہ عشرہ اپنے ہمدرس اور دوست مولوی حکیم سعید اللہ ابن مولوی حکیم عظیم اللہ کے یہاں قیام کیا اور جہاد کی تبلیغ کی مولوی حکیم سعید اللہ نے غدر میں بڑا کام کیا اور آنولہ کی تحریک کے خاص رکن تھے انھوں نے بڑے جذبہ اور ہمت سے کام کیا تھا۔ آنولہ میں نواب گلن خاں حاکم خاں بہادر خاں کی طرف سے مقرر ہوئے تھے انکے ساتھیوں میں مولانا محمد اسمعیل، نواب خان محمد اور حکیم سعید اللہ وغیرہ تھے حکیم سعید اللہ صاحب نے فرخ آباد اور لکراہ (ضلع فرخ آباد) میں خان بہادر خاں کی طرف سے خبر رسانی کا بھی کام کیا تھا۔ لکراہ (ضلع بدایوں) اور کنپڑ (ضلع فرخ آباد) میں لڑائی لڑی ہنگامہ فرو ہونے پر بھاگے بھاگے پھرے بڑی مصیبت سے جان بخشی ہوئی۔ کچھ جائیداد ضبط ہوئی ۱۹۵۰ء میں حکیم سعید اللہ کا آنولہ میں انتقال ہوا۔

مولانا کفایت علی کافی آنولہ سے بریلی پہنچے اور پھر مراد آباد پہنچے۔ نواب رامپور کی فوجوں کے مقابلہ میں مجاہدین کی جو جماعتیں تیار کی گئیں اس کی نگرانی انکے ذمہ تھی۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی کا بیان ہے کہ عرصہ قریب تیس سال کا ہوا کہ مولانا کافی کی قبر شکرک میں آگئی تھی۔ قبر کھل گئی جسم ویسا ہی رکھا تھا۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی کے نانا شیخ برکت علی نے جسم مبارک کو عقب جبل دفن کر دیا تھا قبر تاہنوز محفوظ ہے۔ مولانا کافی کی ایک آخری غزل کا ایک مصرعہ بہت مشہور ہے

جو ان کے حال پر پورا پورا صادق آتا ہے۔

لمبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

مولانا کافی شاعری میں پورا درک رکھتے تھے نعت میں آپ کو خاص شہرت حاصل ہے ملک الشعراء شیخ مدنی علی خاں ذکی (المتوفی ۱۲۸۵ھ) سے ملتا تھا۔ صاحب دیوان ہونا مشہور ہے۔ دیوان کا پتہ نہیں۔ عبدالغفور نساج نے اپنے تذکرہ شعراء میں کافی مرحوم کا ذکر کیا ہے اور غالباً کفایت اللذنیام علامۃ الفاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان فرماتے تھے کافی سلطان نعت اور رضا وریر عظیم ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی ان کی نعت بڑے شوق سے سنتے تھے۔ بلکہ آخر میں یہ التزام کر لیا تھا کہ مولانا کافی یا اپنے بھائی حسن رضا خاں کے سوا اور کسی کا کلام سنتے ہی نہ تھے۔ جس کا اندازہ الملفوظ حصہ دوم سے ہوتا ہے۔

مولانا کافی کی تصنیفات کا صحیح علم نہیں۔ مولانا کافی کی کتاب بہار غلد منظوم ترمذی کا ایک فلمی نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی ادب میں محفوظ ہے جو کہ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ کو تحریر ہوا ہے جو کہ ان کے کسی مرید ورنہ شاگرد کا تحریر کردہ تو ضرور ہے۔ کتاب میں چند اوراد و وظائف اور کئی نسخے بھی درج ہیں یہ کتاب ۱۳۶۱ھ میں محمد یونس مراد آبادی نے اہل سنت برقی پریس مراد آباد سے دوبارہ طبع کرایا۔ یہ حالات محمد ایو صاحب قادری سکندہ آنولہ نے مرحمت کئے۔

محمد مستقیم خاں: محمد اسماعیل خاں دوہیلہ مراد آبادی شہزادہ نیروز شاہ کے معاون تھے ان کا قہام مراد آباد میں تھا

روہیلہ خاندان سے ہی نصیر اللہ خاں تھے جو اپنے بھائی سیف اللہ خاں کے ساتھ بریلی سے مراد آباد گئے تھے اور مستقیم خاں کی لڑکی عبداللہ خاں ابن امداد اللہ خاں ابن نصر اللہ خاں کو منصوب تھیں۔

مستقیم خاں کے بزرگ عہد اورنگ زیب میں فوجی مراتب پر ممتاز تھے جن کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔

شہزادہ فیروز شاہ چند ساتھیوں کے ساتھ مراد آباد آئے پھر مستقیم خاں مع اپنے قبیلہ کے ان کے معاون ہو گئے اور انگریزوں کے مقابلہ پر داد شجاعت دی ان کے ہمنوا نواب جو خاں بھی تھے۔

نواب رام پور کی فوج سے اور شہزادہ سے مقابلہ ہوا۔ شہزادہ ناکام رہا اور بریلی روانہ ہو گیا۔ انگریز کے تسلط پر مندرکہ ہردو بھائی روپوش ہو گئے۔ زمانہ دراز اور ظاہر ہوئے ان کی جائداد سرکاری قبضہ سے بچ رہی خاندان کے بہت سے لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ محمد مستقیم خاں کے نواسہ سے مکرم عبدالعلی خاں سکریٹری ڈاکٹر مختار احمد انصاری جو عبداللہ خاں کے خلف ارشد ہیں ان سے یہ حالات معلوم ہوئے۔

مولانا مرزا مہدی صاحب صلیح لکھنوی

مولانا مرزا مہدی صاحب صلیح نسلاً ترک برلاس تھے اور زمانہ شاہی میں خاندان صلیح کے مشہور فرد تھے۔ آپ کے والد ماجد مرزا علی صلیح سپاہی منش امیر تھے جن کی تمام عمر جنگ و جدل میں گزری۔ آخر عمر میں انہوں نے تلوار رکھ دی اور تسبیح و تحلیل میں اس قدر بسر کی کہ لکھنویں "صلیح کے لقب سے مشہور ہوئے اور ان کی اولاد آج تک "صلیح کے لقب سے شہر میں ممتاز و منفرد ہے۔

جب آصف الدولہ نے فیض آباد کو ترک کر کے لکھنؤ کو آباد کیا تو وہ خود دولت خانہ میں رہا کرتے تھے جو آٹھل شیش محل کہلاتا ہے۔ اور محلہ حسین آباد میں گھنڈہ گھر کے پاس واقع ہے حسین آباد سے متصل مغرب میں ایک پرانا محل مفتی گنج ہے۔ جو دولت خانہ آباد ہوتے ہی روساء و شرفاء کا بلجا و ماویٰ بن گیا اور اس سے ذرا ہٹ کر جنوب میں نواب آصف الدولہ کے ماموں کے نام پر مرزا علی خاں کے احاطہ کی بنا پڑی۔ جس میں خاندان شاہی کے افراد و دیگر روساء نے بود باش اختیار کی اور یہ احاطہ بھی منگوا لیا ایک جزو شمار ہونے لگا۔ غرض کہ دارالسلطنت بننے کے بعد سے لکھنؤ کے کسی محلے میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اس قدر یک جا نہ تھے۔ جتنے

اس محلے میں سکونت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے پرانے زمانے میں مفتی گنج کی سکونت باعث فخر سمجھی جاتی تھی اور علم و فضل اس کے ہر باشندے کا طرہ امتیاز تھا۔ محلے کی آبادی اس قدر گنجان تھی کہ بقول منفور (مولانا مرزا غلام رضا صاحب) نوائے صبح سے شام تک سودا بیچ کر سو سو سو روپیہ روزانہ کمایا لیتے تھے۔ انگریزی عملداری کے پہلے لکھنؤ میں "بانکوں" کا دور دورہ تھا۔ جن میں مفتی گنج کے ہانکے پیش پیش رہا کرتے تھے۔ جس طرح قرون وسطیٰ میں یورپ کے تاجر اپنے محیر العقول کارناموں کی وجہ سے آج تک مشہور ہیں اسی طرح ہمارے "بانکوں" کی بہادری و شجاعت بھی ہماری تعریف و تہنیت کی مستحق ہے۔ مثلاً مفتی گنج کے دو بانکوں میں تلوار چل گئی تو گولوں نے حلقہ باندھ لیا۔ داؤ پر داؤ ہونے لگے۔ ایک دوسرے کی تعریف کرتا جاتا ہے اور وار لگاتا جاتا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی عزیز یا دوست داخل دے۔ یہاں تک دونوں نیچاں ہو کر گور پڑتے ہیں۔ اس وقت دونوں کو پالکیوں میں لاد کر ان کے گھروں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ مفتی گنج کے ہانکے سے اور ایک منصور نگر کے ہانکے سے چوک میں ٹوک جھونک ہو گئی۔ تلواریں کھینچ گئیں منصور نگر والا غریب مارا گیا۔ قبل اس کے کہ کو تو الی سے اگرچہ وہ چوک ہی میں تھی، روند آسکے قاتل مفتی گنج پہنچ گیا۔ زمانہ مرزا علی رضا بیگ کو تو الی کا تھا، جو بہت ہی منتظم اور سخت گیر کو تو الی گزرے ہیں شہر بھر پر ان کا دبدبہ قائم تھا۔ خبر ہوتے ہی انھوں نے تیاری شروع کر دی ادھر مفتی گنج میں اطلاع ہو گئی کہ علی رضا بیگ قاتل کو گرفتار کرنے آ رہے ہیں یہ کیسے ممکن تھا کہ

مفتی گنج کا کوئی شخص گرفتار ہو جائے۔ ہر مکان سے ایک ایک جوان مسلح نکل آیا اور اس طرح سے چھ سو جوان لڑنے مرنے پر تیار ہو کر محلے کے چوراہے پر جمع ہو گئے۔ جب علی رضا بیگ کو توال نے اتنی بڑی جماعت کو مقابلے کے لئے تیار پایا تو انھوں نے حکم دیا کہ توپ خانہ لگا دو اور اس بڑے جنگ محلے کو اڑا دو۔ اس کی خبر بادشاہ کو ہو گئی انھوں نے فوراً ساڈنی سوار دوڑایا اور کو توال کو حکم دیا کہ ہم نہیں چاہتے کہ جس محلے کے باشندے اس قدر جبری ہوں وہ محلہ تباہ و برباد ہو جائے۔ خبر دار مفتی گنج والوں کا بال تک بیکانہ ہو۔ ہم نے انکا قصور معاف کر دیا۔ اسی مفتی گنج میں مرزا احمدی صاحب پیدا ہوئے اور علوم مقدار اولہ و فنون حرب و ضرب سیکھا۔ آپ کے درسی حالات تو معلوم نہ ہو سکے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ کن کن استادان علم و فن کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ خاندانی روایات سے فقط اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے انکمپل درس کے بعد فلسفہ مہیبت میں شہرت حاصل کی اور ساتھ ہی ساتھ فنون سپہ گری اور پیراکی میں بھی شہرہ آفاق ہوئے۔

لکھنؤ کا سب سے پرانا عربی مدرسہ سلطان مدارس (جو آجکل کوئن میری میڈیکل کالج کے قریب جلگت نرائن روڈ پر واقع ہے) اس زمانہ میں سعادت علی خاں کے مقبرے کی عمارت میں قائم تھا اور مشاہیر لکھنؤ اس میں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا مرزا احمدی صاحب بھی اس میں مدرس تھے۔ اور تاحیات درس دیا کئے۔

مولانا چھٹ نمٹ سے کچھ لائے قد کے گراں ڈیل اور کسرتی جوان تھے۔ آپ کی ہیئت و سطوت کے مختلف واقعات مشہور ہیں۔ جب آپ سلطان المدا سے لوٹے تھے اور آپ کی فینس قاسم علی خاں کے پل پر پہنچتی تھی (یہ پل اس وقت بھی قائم ہے اور حسین آباد کے مغربی گوشے کو مفتی گنج سے ملاتا ہے) تو پورے محلے میں سناٹا مچھا جاتا تھا کہ ”بڑے مولوی صاحب آگئے“ اور جب پاکی گذرتی تھی تو دوکاندار اپنی اپنی دوکان پر کھڑے ہو کر سلام کرتے تھے۔ آپ کے مکان کے سامنے آپ کے باغ سے متصل ایک مسجد ہے جس پر آپ نماز کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھا کرتے محلے کے بعض منچلے نوجوانوں نے ایک یہ حرکت کی کہ حلوائی کے پاس گئے اور کہا کہ بڑے مولوی صاحب مسجد میں بیٹھے ہیں دس سیر مٹھائی مانگی ہے دیدو۔ اس نے دیدی۔ دس پندرہ روز تک ان لوگوں نے یہی حرکت کی اور مفت مٹھائی کھاتے رہے غریب حلوائی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ قیمت کا تقاضہ کرتا۔ ایک روز جب آپ کی فینس حسب دستور اس کی دوکان کے سامنے سے گزرنے لگی تو اس نے خلاف معمول دوکان سے اتر کر تین سلام کئے آپ سمجھ گئے کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

آپ نے فوراً فینس روکی اور دریافت حال کیا۔ معلوم ہوا کہ محلے کے نوجوان غریب کو چکادے کر مٹھائی چکھ گئے ہیں۔ آپ مسکرائے اور قیمت ہلوا دی مگر کسی سے کچھ نہیں کہا۔

شاہی زمانے میں فن پیرا کی کے جو مانے ہوئے استاد تھے ان کا ایک ایک گھاٹ مخصوص تھا جس پر وہ منہ پایا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو فن شناوری کے اصول سکھاتے تھے گنو گھاٹ جو مفتی گنج کے اتر جانب تقریباً دو فرلانگ پر واقع ہے مولانا کا مخصوص گھاٹ تھا۔ اور آپ وہیں اپنے صدہا شاگردوں کو پیرا کی کی مشق کراتے اور جل بانگ سکھاتے تھے۔

واجد علی شاہ آخری تاجدار اور دھ بھی آپ کے شاگرد تھے علی نوری خاں کی صاحبزادی بادشاہ کو منسوب تھیں اور گنو گھاٹ کے متصل ایک کوٹھی میں رہا کرتی تھیں اسی کوٹھی میں ایک حوض بنا تھا جس میں دریا سے پانی آتا تھا اور بادشاہ اسی حوض میں اپنے شفیق استاد سے مشق کرتے تھے (راقم الحروف نے وہ حوض دیکھا تھا۔ مگر اب کچھ عرصہ ہی ہوا کہ وہ کوٹھی مع حوض کے کھد گئی) ایک صاحب نے سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب مرحوم سے (جو غفر انما اب سید دلاور علی صاحب کے بیٹے تھے اور بادشاہ کی طرف سے نظارت مشرعینہ ان کے سپرد تھی) علم ہیئت پڑھنے کی درخواست کی انھوں نے مولانا مرزا ممدی صاحب سے رجوع کرنے کی ہدایت کی اور ایک خط بھی سفارش کا لکھ دیا۔ مولانا کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو انھوں نے عدیم الفرستی کی معذرت کی مگر جب طالب علم صاحب بہت ہی بضد ہوئے تو مولانا نے بعد نظر گنو گھاٹ پر بلا یاریہ وقت آپ کا گنو گھاٹ پر شاگردوں کے بھر مٹ میں

گزرتا تھا، وہ صاحب پہلے تو بہت متعجب ہوئے کہ علم ہنیت اور دریا کے گھاٹ سے کیا واسطہ مگر مولانا کے داب سے استفسار کی ہمت نہ ہوئی دوسرے روز کتاب بغل میں دبائے ہوئے پیچے دیکھتے کیا ہیں مولانا کمر مکھ پانی میں کھڑے نہا رہے ہیں اور سیکڑوں شاہراہ سے، امیر زادے اور شرفاء دریا کو گھنگھوٹے ڈالتے ہیں کہیں بھٹی بھٹی ہو رہی ہے کوئی ملاحی کے ہاتھ لگلاتا ہوا نکلا جا رہا ہے کوئی کھڑی لگا رہا ہے اور کوئی جلیباک کی مشق کر رہا ہے۔ مولوی صاحب جبران و ششدر کتاب لئے ہوئے مولانا کے سامنے آئے اور سلام کیا، مولانا کی نظر جو پڑی فرمایا "اچھا آگے" اور دریا کے کنارے ریت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور علم ہنیت کا درس شروع ہو گیا۔ شاگرد پڑھتے جاتے تھے اور مولانا دریا ہی میں کھڑے کھڑے سمجھاتے جاتے تھے۔ جوں توں وہ وقت تو کٹ گیا۔ مگر نووارد شاگرد کو بہت ہی شاق گزرا۔ وہ تو مولانا کے علم کا شہرہ سن کر آتے تھے۔ جناب قبلہ و کعبہ نے خاص طور سے مدح و ثنا کی تھی اور ان کی سفارش نے ان کے اشتیاق کو دو بالا کر دیا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسند درس و تدریس بھی ہوگی، کتابیں کھلی ہوں گی اور نحیف ابکتہ، زرد رو، کمر خمیدہ، ہلکے پھلکے مولوی بیٹھے علمی مسائل پر کھانس کھانس کر بحث کر رہے ہوں گے۔ یہاں کیا دیکھتے ہیں کہ اچھا خاصا پسلاوان (مولانا کا معمول تھا کہ روزانہ نماز صبح کے بعد نالی کے ڈنڈ لگایا کرتے تھے) دریا میں اترا ہوا کھڑی کی مشق کر رہا ہے مطالب حکمہ کو بھی بتاتا جاتا ہے۔ کسی کو اضطراب سمجھا رہے ہیں کسی اظرفغان المدخل الی علم ہنیت الافلاک کا

سبق پڑھا رہے ہیں یا البرونی کی "القانون المسعوری فی السیاسة والنجوم" کے مشکل مقامات کو سمجھا رہے ہیں۔ طالب بیچارے نے شاید اس وقت تک ڈنڈ پھل عالم کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اس کے لئے علم صحت کا بیجا ہونا بالکل انوکھی بات تھی۔ اس لئے اس وقت تو انھوں نے طوعاً و کرہاً مولانا سے سبق پڑھا۔ مگر دوسرے روز سلطان العلماء سے اس ہنگامہ پر ریاست حکمت و معرفت کی شکایت کی اور عرض کیا قبل و کعبہ! وہ تو مولوی نہیں پہلوان ہیں" جب دوسرے روز ملاقات ہوئی، تو سلطان العلماء نے دریافت حال کیا۔ اس نے مولانا سونے کہا۔ وہ صاحب سچ کہتے ہیں آپ تو طالب علم کو عالم بناتے ہیں مگر میں اپنے شاگرد کو عالم بھر جاتا ہوں۔

بادشاہ کے علاوہ نواب علی نقی خاں وزیر سلطنت بھی آپ کے شاگرد تھے اور امتزاع سلطنت کے قبل انھوں نے ایک دفعہ حق شاگردی ادا کرتے ہوئے مولانا سے عرض کیا کہ اگر حضور چاہیں تو کچھ موانعات کا بندوبست آپ کے نام کر دیا جائے۔ مولانا بہم ہو گئے اور فرمائے لگے کہ "اچھا حق شاگردی ادا کرتے ہو تم چاہتے ہو کہ جو ذمے تعلقدار کو اٹھانا پڑتی ہیں مجھے بھی اٹھانا پڑیں" جب کسی تعلقدار کے ذمہ مالگداری باقی رہ جاتی تھی تو اس کی اکثر پیشی گنوگھاٹ کی کوٹھی پہ ہوتی تھی اور دوپہر میں جلتی ہوئی ریت پوسنگے سر کان پکڑا کر دوڑایا جاتا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا، یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو خیال آیا کہ اپنے استاد کا گھر سچتہ بنوادیں۔ آپ کو معلوم ہوا تو یہ کہہ کر ہال گئے، کہ دالان اور صحنہاں تو پختہ ہیں رہ گئی مغرب کی دیوار تو اسکا کچا

رہنا بہتر ہے۔ تیمم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے !

واجد علی شاہ اور علی نقی خاں کا زمانہ تھا۔ دونوں شاگرد تھے لکھنؤ میں گنگا بہہ رہی تھی۔ ہر وضع و شریف ادنیٰ سے اشارے میں لکھبتی بن جاتا تھا۔ اگر یہ چاہتے تو لاکھوں کما لیتے اور گھر بھر لیتے یہاں یہ حال تھا کہ روپیہ کمانا کیا مکان تک بنوانا گوارا نہ تھا۔ موقع آیا بھی تو ٹال دیا۔ کبھی طمع دنیا نہیں گی۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ نماز صبح پڑھ کر اور کسرت سے فارغ ہو کر اپنے باغ میں اجوگلی اس پار مکان کے بالکل سامنے تھا، تشریف لیجاتے اور کبوتروں کو، جن کا بہت شوق تھا اپنے سامنے دائرہ ڈلواسنے اس سے فارغ ہو کر ان سوائس کی طرف متوجہ ہوتے جن کو سلطان العلماء ان کے پاس تعقیب و نفیس کے لئے روانہ کرتے۔ پھر مدرسہ تشریف لیجاتے۔ اور واپسی پر آرام کیے بعد ظہر گنوگھاٹ جاتے۔ جہاں شاگردوں کا جمع پہلے ہی سے آپ کا منتظر رہتا ہے۔

اس زمانے میں پیراکی کے دو مشہور استاد لکھنؤ میں تھے۔ ایک میر مچھلی جو نرم پیرا کوں میں یگانہ روزگار تھے۔ مثلاً دریا میں پالتھی مار کر بیٹھنا یا پانی پر کروٹیں لینا وغیرہ اور مولانا مرزا ہمدانی صاحب جو سخت پیرا کوں میں مثلاً ملاحی لگانا گھڑی لگانا اور جلبانگ وغیرہ (جو ایک طرح کی دریائی کشتی ہے) میں عدیم النظر تھے۔ چونکہ آپ بہت ہی قوی ہیکل اور کسرتی جوان تھے۔ اس لئے سخت پیرا کوں میں آپ کا مثیل لکھنؤ میں نہ تھا

ملاحی اس قدر سخت اور تیز ہوتی تھی کہ کنارے پر دوڑتے ہوئے آدمی سے آپ ملاحی لگاتے ہوئے آگے نکل جاتے تھے (اس کا تذکرہ ہنزندان لکھنؤ میں بھی کیا ہے) کھڑی کی اتنی مشق تھی کہ کار آباد سے جو لکھنؤ سے چار میل مغرب میں ہے، کھڑی لگاتے ہوئے پکے پل تک آتے تھے اور کمر تک ابھرے رہتے تھے جو بہت ہی مشکل ہے اور اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی کھڑی کی مشق کی ہو۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا نے لکھنؤ نہیں چھوڑا بلکہ

قائدانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محلے کا جو شخص بھی شہر چھوڑنے پر مجبور ہوا وہ اپنی عورتوں کو مولانا کے سپرد کرتا گیا۔ اس طرح سے تین سو سے زائد عورتیں گھر میں جمع ہو گئی تھیں۔ شہر میں چونکہ چاروں طرف انگریزوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ اس لئے کھانے کی کوئی چیز بازاروں میں ملتی نہ تھی صرف مٹھی مٹھی بھرا بلے ہوئے جنوں پر جو گھر میں پلے سے بھرے ہوئے تھے، سب کی گذراوقات تھی۔ اس پر آشوب زمانہ میں بعض وضعدار حضرات اپنی وضعداری کو نباہ گئے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرزا صاحب ہم لوگوں کے مکان کے سامنے رہا کرتے تھے اور ان کے ایک دوست منصور نگر کی چڑھائی پر رہتے تھے عرصہ سے یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ ان سے ملنے مفتی گنج آتے تھے۔ جب حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور انگریزوں نے تین طرف سے جنوب و مشرق و شمال سے رفتہ رفتہ شہر پر تسلط کرنا شروع کیا تو شہر بھر میں

بھگدڑ مچ گئی اور لوگ گھنٹو پھوڑ پھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے دیہات و
 قصبات میں نکل گئے۔ مفتی گنج بھی تقریباً خالی ہو گیا اور جیسا اوپر ذکر کیا گیا
 ہے کہ مولانا مرزا مہدی صاحب کے گھر میں تین سو سے زائد عورتیں جمع ہو
 گئی تھیں اور ان کے مرد محلہ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ الا ماشاء اللہ متذکرہ صدر
 مرزا صاحب نے بھی شہر چھوڑنے کا تمیہ کیا۔ اسباب بندھ گیا۔ عورتیں تیار
 ہو گئیں۔ مگر مرزا صاحب سڑک تک آتے ہیں اور کچھ انتظار کے بعد پھر لوٹ
 جاتے ہیں۔ باعزاز و اقارب اور دوست و احباب سب کہہ رہے ہیں کہ اب
 دیر کرنا مناسب نہیں۔ گورے گول دروازے اور حسین آباد تک پہنچ چکے
 ہیں جان کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے، مگر یہ سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور جب تک
 زیادہ تقاضا ہوتا ہے تو باہر آکر ٹھلنے لگتے ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں نے
 جب حد درجہ اصرار کیا۔ تو کہا "بھئی میں فلاں آدمی کا انتظار کر رہا ہوں وہ
 آتے ہوں گے ان سے مل لوں تو چلوں" سب نے کہا۔ "آپ کی بھی کیسی
 باتیں ہیں۔ منصور نگر پر گوروں کا قبضہ ہو گیا۔ محلے کا محلہ صاف ہو گیا۔ شاید
 ہی کوئی بچا ہو اور اگر وہ زندہ بھی ہیں تو ان کو اپنی جان کے لالے پڑے
 ہوں گے۔ یا وہ اس قیامت کے وقت منصور نگر سے مفتی گنج رجو تقریباً
 تین میل تھا) آئیں گے" مرزا صاحب چہیں بچیں ہو کر بولے۔ "اگر قضا آتی
 ہے تو خیر ورنہ یہ مجال ہے کہ وہ زندہ ہوں اور مجھ سے ملنے نہ آئیں۔ تم
 لوگ میرے دوست کو نہیں جانتے وہ بزدل نہیں ہیں۔" یہ باتیں ہو ہی رہی
 تھیں کہ وہ صاحب دور سے دکھائی دئے! معلوم ہوا کہ منصور نگر پر جب

انگریزوں نے دھاوا کیا تو یہ بال بچوں کو لے کر نکل گئے۔ مگر راستہ میں ایک محفوظ مقام پر ان کو چھوڑ کر دوپست سے ملنے مفتی گنج چلے آئے تھے دونوں نے کھڑے کھڑے علیک سلیک کی اور نزاکت وقت کو دیکھتے ہوئے وہ بھی فوراً لوٹ گئے اور مرزا صاحب بھی مع اہل و عیال کے مفتی گنج کو خیرباد کہہ کر دیہات کو نکل گئے۔ اپنی بزدلی کو دیکھتے ہوئے آجکل کے مسلمان ان باتوں کو خلاف عقل اور قابل استہزاء سمجھیں گے۔ مگر یورپ اور امریکہ کی زندہ قوموں نے بھی نازک ترین موقعوں پر ایسے ایسے خلاف عقل کارنامے پیش کیے ہیں جن کو کمزور قومیں عقل و سمجھ کے منافی سمجھتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں اور ہماری شکست خوردگی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ ان کی ہر ایک بات کو چاہے وہ کتنی ہی خلاف عقل و بری کیوں نہ ہو آتنا و صدقنا کہہ کر قبول کر لیتے ہیں، اور اپنی ابھی باتوں کا بھی صرف اس لئے کہ یورپ والوں کے نزدیک وہ مستحسن نہیں، مذاق اڑاتے ہیں۔

۲

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جب مخالفت شروع ہوئی تو جو کوئی انگریز مفتی گنج کی طرف نکل آتا وہ بچ کر نہ جاتا۔ چونکہ مولانا کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اس لئے ان کے شاگرد بھی کھل کھیل اور انگریزوں کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ سیکرٹری انگریز ان لوگوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں سر کون کبیل نے لکھنؤ کو جب دوبارہ فتح کیا اور انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو بٹھے امام باٹھے (آصف الدولہ کے امام باٹھے)

سے نکال دیا تو انھوں نے گٹو گھاٹ کی اسی کوٹھی میں موربہ جمایا جہاں بادشاہ
 پیرا کی مشق کرتے تھے۔ یہاں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بہت انگریز
 مارے گئے جن کی قبریں بھی وہیں بنی ہیں مگر انگریزوں کی کثرت فوج اور
 سامان جنگ کے سامنے ایک نہ چلی آخر میں پیرا کھڑ گئے اور وہ کوٹھی چھوڑنے
 پر مجبور ہو گئے اور لکھنؤ میں آخری مورچہ موسیٰ باغ میں ابو مفتی گنج سے بھی
 تقریباً ایک میل مغرب میں ہے۔ جس کے بعد انگریزوں کا لکھنؤ پر پورا تسلط ہو گیا
 جس روز گٹو گھاٹ پر لڑائی ہوئی اسی روز یا اس کے دوسرے روز مولانا نے
 ممدوح بعد نماز صبح مکان سے حسب معمول نکلے اور چاہتے تھے کہ باغ میں
 داخل ہوں کہ گٹو گھاٹ کی طرف سے گورے (یعنی انگریزی سپاہی) آگئے
 اور تلوار چلنے لگی۔ چونکہ مولانا بہت ہی اچھے تلوارے اور شہ زور تھے۔
 اس لئے جس پر ہاتھ مارا وہ دھیر ہو گیا۔ اس طرح دس یا بیس جب گورے
 قتل ہو گئے تو باقی ماندہ میں سے ایک نے گولی مار دی اور مولانا شہید
 ہو گئے۔ گھر میں جب معلوم ہوا تو گلی سے لاش اٹھا کر گھر میں لے آئے اور چونکہ
 شہر صبر میں مارشل راجی قانون یعنی شہر میں کوئی نکل نہیں سکتا تھا اور جو
 کوئی نکلتا تھا اس کو گولی مار دی جاتی تھی، جاری تھا اور ہر طرف گولیاں چل
 رہی تھیں اس لئے مولانا کو گھر ہی میں دفن کر دیا۔ اس طرح سے یہ جانباز
 سپاہی ننش مولوی آخری دم تک انگریزوں کا مقابلہ کرتا ہوا ملک و ملت پر
 بچھاؤ ہو گیا اور اپنے ہی گھر میں ابدالاباد تک کے لئے آنکھیں بند کر کے سو گیا۔
 دہلی اور لکھنؤ دونوں کو انگریزوں نے سیاسی چالوں سے فتح کیا۔

جس میں سب سے زیادہ ہندو اور مسلمانوں کی قداری سے انگریزوں کو مدد ملی۔ دہلی میں مرزا الہی بخش حکیم احسن اللہ خاں وغیرہ اور لکھنؤ میں علی نقی خاں ان ہزاروں لوگوں میں تھے جنھوں نے ملک و قوم کو ذاتی مفاد پر قربان کر دیا اور انگریزوں سے مل کر اس وقت انھیں مدد پہنچائی۔ جب ان کے پیر بالکل اکھڑ چکے تھے۔ اگر یہ لوگ ان کی اعانت نہ کرتے تو ہندوستان میں انگریز ملک نہ سکتے تھے۔ بخلاف ان غداران قوم کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ذاتی مفاد کا بالکل خیال نہیں کیا اور مردانہ وار انگریزوں سے مقابلہ کیا پھر جان دیدی۔ اگرچہ جاہ و منصب ان کے نصیب میں نہیں ہوا۔ مگر ان شہیدان ملت کے کارنامے قوم نے بھلائے نہیں بلکہ انھیں زندہ جاوید بنا دیا۔ چنانچہ اب تک منقہ گنج میں بڑے مولوی صاحب کی شہادت سے بچہ بچہ واقف ہے۔ انگریزوں سے تنہا مقابلہ کرنا اور ان کو قتل کرنا ہر ایک کی نوک زبان پر ہے اور ان کی قبر پر آج تک لوگ سنتیں رات میں اور پارے چرمھاتے ہیں اور خداوند عالم ان کی مرادوں کو بر لاتا ہے۔

لکھنؤ پر قبضہ پانے کے بعد انگریزوں نے اہالیان شہر سے بہت سخت انتقام لیا۔ کمپنی باغ میں درختوں میں سولیاں لٹکادی گئی تھیں اور جس پر انگریزوں کی مخالفت کا ذرا بھی شبہ ہوتا اس کو پھانسی دیدی جاتی۔ چونکہ مولانا کی وجہ سے انگریزوں کو سخت نقصان پہنچا تھا اور انھوں نے بہت سے انگریز قتل کئے تھے اس لئے ان کے صاحبزادے حسن مرزا صاحب مرحوم لکھنؤ چھوٹے پر مجبور ہو گئے۔ اور وہ عرصہ تک اپنے صاحبزادے ابوالحسنات مولانا مرزا صاحب

مرحوم مرزا علی اظہر صاحب کے والد کے حسین آباد ضلع موگیئر (صوبہ بہار ملک بھارت) میں مقیم رہے بعد کو لکھنؤ تشریف لائے اور انتقال کے بعد غفران باب (لکھنؤ) میں دفن ہوئے۔ آج تک اس خاندان کا طرہ امتیاز یہ رہا ہے نہ انگریزوں کی کبھی نوکری کی اور نہ نکا کھایا۔

خاندانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرزا مہدی صاحب نے علم ہدایت پر کچھ کتابیں لکھیں تھیں۔ مگر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہو گئیں۔ افسوس ہے کہ ان کی کوئی تالیف یا تصنیف اس وقت موجود نہیں ہے مگر ان کے چھوٹے بھائی مولانا مرزا ہادی صاحب قبلہ نے ایک کہہ سب اب خلاصۃ المصائب، واقعات کو بلا پر لکھی تھی اور اس کا ایک نسخہ ۱۹۲۷ء میں چھپا تھا اور اس کے حاشیہ پر مؤلف کے صاحبزادے مولانا مرزا غلام رضا صاحب مرحوم کے نوٹ تھے، میرے پاس تھا۔ اتفاقاً خلاصۃ المصائب کا اصلی مسودہ خود مولانا مرزا ہادی صاحب قبلہ کے ہاتھ کا راقم مرزا علی اظہر کو نکاس لکھنؤ میں کورپوں کے مولیٰ مل گیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں نسخے یعنی ۳۰ علی مطبوعہ راقم الحروف کی دیگر نایاب و مستحکم کتابوں کے ساتھ ۱۹۲۷ء کے ہنگامہ میں تلف ہو گئے۔

خلاصۃ المصائب کے لائق مؤلف نے ابتدائے کتاب میں اپنے کچھ خاندانی حالات درج کر دئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان تورانی الاصل ہے اور اس کا تعلق وزارت سے تھا مگر افسوس کہ مؤلف نے (جو مولانا مرزا مہدی صاحب قبلہ کے سگے

پھوٹے بھائی تھے، اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ کہ ان کے مورث کب اور کس حیثیت سے وارد ہندوستان ہوئے۔

یہ حالات میرے خصوصی دوست کرمی مرزا علی اظہر برلاس لکھنوی ایڈوکیٹ نے ارقام کر کے مرحمت کئے۔



مولانا امام بخش صہبائی شہید دہلوی

مولانا صہبائی ہندوستان میں فارسی زبان کے مسلم الثبوت استاد تھے، فارسی زبان کا چراغ ہندوستان میں مدت سے ٹمٹا رہا تھا اور فارسی شاعری کی طبعی عمر اختتام کے قریب تھی۔ مگر حسن اتفاق دیکھئے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے زمانہ میں کچھ اس نے سنبھالا لیا۔ چند صاحبانِ فضل و کمال خاص دار الخلافہ دلی میں آجے ہوئے۔ کچھ خاک پاک دلی سے پیدا ہوئے کچھ مہرات باہر سے آجے۔ ہر ایک یگانہ روزگار تھا۔ یہ لوگ علم و فضل کے ساتھ شعر و سخن میں بھی صاحب کمال تھے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی۔ مولانا عبداللہ خاں علوی قائم گنجی
حکیم مومن خاں مومن۔ نواب مسطفی خاں شہبختہ۔ نواب ضیاء الدین
احمد خاں نیر۔ سپہ غلام علی خاں وحشت نواب مرزا عبداللہ خاں غالب

اکبر آبادی۔ مولوی امام بخش صہبائی سے حضرات فارسی کے دلدادہ وہاں ولادت
تھے صہبائی تو اس کے عاشق و شفیق تھے ہی۔ بلکہ اس پر مٹے ہوئے تھے
تمام عمر فارسی زبان کی خدمت میں ہی گزار دی۔

نام و نسب مولانا امام بخش صہبائی۔ مولانا محمد بخش تھانیسری کے
خلف ارشد تھے۔ صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے۔ مزارقادر بخش
صاحب گورگانی "گلستان سخن" میں لکھتے ہیں کہ :-

سلسلہ ان کے نسب کا ان کے والد ماجد مرحوم مغفور کی طرف سے
تو فاروق حق و باطل فاروق ہیں خطاب علیہ رضوان اللہ لوہاب تک
اور زبدہ مستورات سراپردہ عصمت و عفت حضرت والدہ شریعہ
غفر اللہ لہا کی جانب سے قدوہ و اصلان درگاہ رہنائے ساکان عرفان
دستگاہ محبوب بھائی سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا ہے۔

صہبائی کے والد ماجد تھانیسری سے دلی آئے اور رہ پڑے کوچہ
چیلان میں مکان بنا لیا تھا۔

تعلیم و تربیت صہبائی غریب گھرانہ کے فرد تھے۔ علوم فارسی و عربی علمائے
عبداللہ خاں علوی سے حاصل کئے علوی خاں اپنے
زمانہ کا استاد وقت تھا، عربی فارسی کا مسلہ استاد تھا۔ اس کے ساتھ ہی عربی
فارسی، اردو میں فکر سخن بھی کرتا تھا۔ رنجیتہ میں کہتے ہیں کہ
دامن سے ڈھاک جیسے کوئی لے چلے چراغ
جاتے ہیں سوز عشق لئے یوں کفن میں ہم

شاعری حضرت علوی کی شعر و شاعری کا اثر صہبائی پر پڑے بغیر نہ رہا یہ کم عمری سے فارسی میں فکر سخن کرنے لگے۔ اردو میں گفتنی کے شعر کے۔ فارسی سے دلی لگاؤ تھا۔ اس میں ہی شعر گوئی کرتے تھے۔ ذاتی کاوش اور استاد کی توجہ سے فارسی زبان پر تبحر کا درجہ حاصل کیا۔ عربی میں بھی معقول استعداد بہم پہنچائی۔ حقیقت یہ ہے کہ باکمال استاد نے وہ گر سکھائے تھے کہ نوعمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھے جانے لگے۔ اور ہم چشموں میں عزت و قدر سے دیکھے جاتے تھے سرسید احمد خاں

”آثار الصنادید میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”کمالا یحیٰ ظاہری اور جلال باطنی اور حسن خلق اور حمائد اطوار میں پسندیدہ

خالق و مقبول خلاق ہیں۔ خلق نوازش آپ کا آئینہ بہار اور ادنیٰ جامعہ حمیدہ آپ کے محمود روزگار اس فِردِ زمان میں ایسی جامعیت کے ساتھ کم کوئی نظر سے گزرا ہے۔ اور طرز یہ ہے کہ فنون متعارفہ و سخنوری مشق تحقیق لغت و اصطلاحات زبان وری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عرض قافیہ و استکمال فن معما وغیرہ میں ایسا کمال بہم پہنچایا ہے کہ ہر فن میں ایک فنی کنا چاہت سے

پذیرفتہ از ہر فنے روشنی جدا گانہ در ہر فنے یک فنی ہے

مولانا محمد حسین آزاد ”آب حیات“ میں لکھتے ہیں کہ:-

۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ماسن

ملازمت

۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ماسن

سکرٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو افلاخ شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے اور جہاں کہ جس طرح تنویر پیمہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے مرحوم دہلی کالج کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :-

”مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور نے لفٹنٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے ضمیر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں ایک مرزا نوشہ دوسرے حکیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی لفٹنٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے انہوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ ستر روپیہ ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا انہوں نے یہ خدمت چالیس روپیہ ماہانہ کی قبول کر لی۔ بعد کو پچاس ہو گئے۔“

کچھ عرصہ بعد مسٹر بوٹرس پرنسپل مدارس دہلی کے عہد میں صہبائی مدرس اول کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔

فضیلت ”مرحوم دہلی کالج“ میں ہے۔

مولوی امام بخش صہبائی صدر مدرس فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب تھے۔ مصنف اور شاعر بھی تھے انکی کتابیں

سے مرحوم دہلی کالج سنہ ۱۵۰۰ طبعات الشعراء مولوی کریم الدین دہلوی دارالخبرہ نثر اردو صفحہ ۹۹

نصاب تعلیم میں داس تئیں ان کی بعض کتابیں اب تک پڑھی جاتی ہیں
شہر میں ان کی بڑی عزت تھی؟ (صفحہ ۱۲۹)
گارساں و تاسی فرانسسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں
"مولانا صہبائی ملٹھی کریم الدین کے ہم عصر ہیں۔ اور ملٹھی صاحب اپنے
"مذکرہ شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل معترف دہلی میں فارسی کے
صوب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے
دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔" ۱۲۹

مولانا صہبائی کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف
تصانیف | تصانیف میں گذرتا تھا۔ فارسی میں کثرت سے کتابیں
لکھیں۔ اردو کی کتابوں کی ملک میں مانگ دن بدن بڑھ رہی تھی اور
قدر بھی ہونے لگی تو اس طرف بھی توجہ کی۔ جس سال کالج میں منسلک
ہوتے۔ منشی شمس الدین فقیر کی تصنیف "حداائق البلاغت" (مصنفہ ۱۱۶۸)
کا اردو ترجمہ مرتب کیا۔ مولانا حامد حسن قادری پروفیسر سنٹ جانس
کالج آگرہ اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" میں لکھتے ہیں :-
"صرف کئے کو ترجمہ ہے۔ ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں
منقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب ہے ۱۲۹
"مرحوم دہلی کالج میں ہے۔"

"اردو صرف دیکھو پر بھی ایک اچھی کتاب لکھی جس کے اثر میں بہ ترتیب

۱۲۹ خطبات گارساں و تاسی صفحہ ۱۲۹ ۱۲۹ داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۰۳

حروف تہجی اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔ شعرائے اردو کا انتخاب بھی تیار کیا تھا جو اسی زمانہ میں طبع ہو کر

شائع ہوا (صفحہ ۱۲۹)

گارساں و تاسی لکھتا ہے :-

”سب سے آخر میں قابل ذکر کتابیں صہبائی کی تصانیف ہیں جن کے

نام یہ ہیں۔ حدائق البلاغت۔ انتحبات نظم اور دو قواعد اردو ان کی

قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں

ضرب الامثال اور محاورات کی فہرست درج ہے۔

مولانا نے صحیح معنی میں اردو کی ہر عنوان سے خدمت

اردو کی خدمت کی ہے۔ سر سید احمد خاں نے ”تہذیب الصنادید“ کی ترتیب

میں صہبائی سے کافی مدد لی۔ جس کا اعتراف بھی کیا ہے ”گلستانِ سخن“ کی

تصنیف میں پوری پوری صہبائی کی کارفرمائی کو مدلل ہے۔ مقدمہ بالخصوص آپکا لکھا ہوا ہے

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ نے ”مخزن جاوید“ کی تقریب میں ایک جگہ

لکھا ہے۔ گلستانِ سخن حضرت صہبائی کی تصنیف سے ہے۔

فارسی میں کلیات صہبائی ”میں نظم و نثر کے رسائل شائع ہو گئے

ہیں۔ مولانا حاکمی لکھتے ہیں۔

صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شروع تین جلدوں

میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

۱۶۴ صفحہ ۱۲۹ مخزن جاوید بعد اول تقریب ۱۲۹۰ء یا ۱۲۹۱ء

شرح | شرح ”سہ نثر ظہوری“ ۱۲۶۰ھ میں لکھی ایک رسالہ ”معما“ کے حل میں لکھا۔ اس میں ایک شعر سے سات سو نام نکلتے ہیں۔ اردو زبان کے شعراء کا مجموعہ تیار کر کے اس غزلیات اور گیت گانے بجانے کی معہ تعریف قصیدہ اور بیان بجز عروض کے چھپوایا۔

علامہ عبداللہ خاں علوی قائم گنجی کا ایک شاگرد نرائن داس تمبولی تھا۔ فارسی کی استعداد اس کو بڑی معقول تھی۔ علمی لیاقت حاصل کرنے کے بعد آبائی پیشہ قائم رکھا۔ ایک پیر میں لیج تھا۔ دوکان پر پیر پیر رکھے بیٹھا رہتا اور پان کی گلوریاں لگاتا رہتا۔ اس کے ساتھ طلباء فارسی کو کلمی درس دیتا۔ طلباء دوکان کے نیچے کتابیں لئے کھڑے رہتے۔ کوئی ”سہ نثر ظہوری“ پڑھتا۔ کوئی ”بہار دانش“ کا سبق لیتا۔ کوئی ”سکندر نامہ“ سناتا۔ ہر ایک کو بتاتا اور شرح اور نکات بیان کرتا۔

برادیت مولوی عبدالحمید خاں صاحب پرنسپل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، انھوں نے اپنے والد مولوی عبدالغنی مصنف ”ارغوانِ صفی“ جو علامہ عبداللہ کے شاگرد کے شاگرد تھے۔ بیان کیا کہ علامہ کے یہاں ایک امامی نامی خاکروب تھا۔ اس کا حافظ اس غضب کا تھا کہ جو سنتا وہ یاد ہو جاتا۔ علامہ طلباء کو درس دے رہے ہیں۔ یہ خاکروب بی گتے ہوئے آئے کھڑے سن رہے ہیں۔ کسی نے کہا میاں امامی کیا سنا۔ فر فر پورا سبق سنا دیا۔ عام اساتذہ دلی کے منتخب اشعار نوک زبان

سہ طبقات اشعار مولوی کریم الدین۔

تھے۔ سخن فہمی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ مشاعرہ میں یا کہیں مجلس ہوتی آپ کیلئے پائیتیں ایک چو کی بچھائی جاتی اس پر شیخ امامی بیٹھتے اور شعراء اپنا کلام ان کو مخاطب کر کے پڑھتے۔ اگر کسی شعر پر ان کا سر ہل گیا بس مقبولیت اس کو حاصل ہو گئی۔ ذوق۔ غالب۔ مومن ہر ایک ان کی قدر کرتا تھا۔ یہ تھے دلی کے روڑے۔

طب { فن طب میں بھی صہبائی نے کمال حاصل کیا تھا مگر مطب نہیں کیا۔ آپ کے بھائی مشہور طبیب حکیم پیر بخش تھے۔

مولانا صہبائی جس سجا کے رکن رہیں تھے
احباب میں قدر منزلت صاحب گل رعنا کے نظموں میں سنئے۔

دلی میں اس وقت آج کی ایسی دلی نہ تھی۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبداللہ خاں سلوی۔ مفتی صدر الدین خان آزرہ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ نواب فیاض الدین خاں نیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق حکیم آغا جان عیش۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان۔ میر حسن تسکین اور خدا جانے کتنے سخنورانِ باکمال کا جگمگا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔ یہ سب حضرات صہبائی کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

مرزا غالب اور صہبائی میں گہرے تعلقات تھے،
غالب و صہبائی ایک دوسرے کی قدر دانی کرتا تھا چنانچہ مرزا نے

اپنے کلام میں جہاں معاصرین کا ذکر کیا ہے، صہبائی کو بھولے نہیں ہیں۔
کتے ہیں سے

مومن ونیر و صہبائی و علوی و انگاہ
حسرتی، اشرف و آزدہ بودا عظم شان

جہاں مرزا صاحب نے اپنی ہمہ دانی کو ٹھیس لگنے ہوتے دیکھا،
دوستی و ملاقات کو بالائے طاق رکھتے تھے۔ چنانچہ "قاطع برہان" کی
مخالفت میں مرزا رحیم بیگ شاگرد مولانا امام بخش صہبائی ساکن میرٹھ نے
"ساطع بھہران" شائع کی۔ مرزا صاحب چراغ پا ہو گئے۔ رحیم الدین کی
لے دے شروع کر دی مولوی عبدالرزاق شاگرد کو لکھ ڈالا۔

نامہ غالب کا مکتوب ایہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے
دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ وہ فوت علمی بھی نہیں رکھتا اور
سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے
اس کو تلمذ بھی ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا
ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واگے اس ہیچ پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ
موجب عز و وقار ہو! سلہ

خوشکہ مرزا غالب رحیم بیگ سے بگڑے ہوئے تھے۔ بیچارے صہبائی
پر بھی لگے ہاتھوں لے دے کر گئے۔

دلی کے دیوان خانے | مولانا فضل حق کے یہاں ان کے والد

سلہ "غالب" سنو ۳۳

مولانا فضل امام صدر الصدور کے زمانہ سے بعد نماز عصر روزانہ اہل علم کی صحبت رہا کرتی۔ علماء و آجنتے علمی مذاکرے رہتے۔ معمولی لکھے پڑھے کی تو گذر ہی نہ تھی۔ شب میں مفتی صدر الدین خاں کے یہاں محفل جمعیت۔ مولانا صہبائی ہردو جگہ کے بیٹھنے والے تھے مفتی صدر الدین کا مکان چلی قبر کے قریب جوہلی عزیز آبادی کے سامنے تھا۔ اس کے نزدیک مٹیا محل میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رہتے تھے۔ مکان کو ٹھی کے نمونہ کا تھا۔ انگریزی اور ہندوستانی دونوں وصفوں کو ساتھ ملا کر بتایا گیا تھا۔ صحن گو بہت بڑھا نہیں۔ مگر اس میں مختصر سی نہر، سامنے دالان در دالان۔ پچھلو میں انگریزی وضع کے کمرے۔ باہر کے دالان میں کواڑ لگا کر اس کو بھی کمرے کی شکل کا کر دیا تھا۔ دالانوں کے سامنے دو نچا پو ترہ جس پر تخت کا چوکا لگا ہوا تھا اس پر درمی اور درمی پر چوٹی چاندنی کافرش، اور دو طرف گاؤتکے لگے ہونے ہوتے۔ آنے والے حسب مراتب بیٹھتے۔ اس محفل کی کیفیت وزیر تعلیم بھارت مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی سے سنیے۔ فرماتے ہیں۔

والد مرحوم دہلی کے دیوان خانوں کی مجلس کے جو افسانے سنایا کرتے تھے۔ بچھنے والے چراغ کا یہ آخری اجالا تھے۔ مرحوم دہلی کی ہفت صد سالہ زندگی کی انجمن طرازیوں کی یہ آخری بزم تھی۔

مفتی صاحب کا دیوان خانہ دہلی کے منتخب افراد کا مجمع و مرکز تھا جاڑا، گرمی، برسات کوئی موسم ہو لیکن شب کی مجلس کوئی قصا نہیں کرتا

تھا۔ ہرن کے اکابر کو وہاں ان کے بہترین وقتوں میں دیکھا جاسکتا
 اگر کوئی نووارد دہلی آتا اور چاہتا کہ دہلی کے سارے فضل و کمال کو
 ہیک مجلس میں دیکھ لے وہ سید صاحب کے دیوان خانہ کا رخ
 کرتا۔ ان معینوں کے رکن ایک حضرت صہبائی بھی تھے کالج سے لوٹتے
 گھرتے۔ پھر شام کو ہوا خوری کے بجائے مولانا فضل حق خیر آبادی کے
 یہاں جاتے۔ وہاں سپہری فواکھات کھاتے۔ شب میں بعد نماز عشاء
 مفتی صاحب کے یہاں جاتے۔ یہاں کی محفل برخواست ہوتی تو گھر جا کر سو رہتے۔

فارسی ہندوستان میں صرف دہلی کو یہ فخر حاصل تھا کہ فارسی زبان
 کے بھر مثل اہل زبان کے دہلی ہی میں کثرت سے تھے۔ یہاں
 کی فارسی زبان میں ہی چٹخارہ تھا جو اہل زبان میں ہوا کرتا ہے۔ جامع مسجد
 دہلی کی سیرھیوں پر قصہ خواں فارسی میں قصہ خوانی کرتے تھے۔ "بوستان
 خیال" زبان سنائی جانی عوام تو عوام خواص شریک ہوا کرتے زبان دہلی
 کے لئے اہل علم اس صحبت میں شریک ہوتے بیفکرے جمع ہوتے تھے
 کم عمری میں صہبائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں مرزا محمد حسین
 قلیں فرید آبادی نے جامع مسجد کی سیرھیوں پر زبان حاصل کی ہے۔
 شاہ عالم کے زمانہ میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی کی وجہ
 سے کثرت سے ایرانی دہلی میں آئے تھے۔ ان کا جماد عموماً بعد نماز عشاء
 جامع مسجد کی سیرھیوں پر ہوا کرتا انھیں ایرانیوں میں سے ملا محمد باقر تھا

جس نے فرید آباد میں رہنا اختیار کیا تھا۔ اس سے ہی ققیل نے فارسی پڑھی، ایسے گرویدہ ہوتے ہندو ذہیب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے اور نجف خاں کی صحبت اختیار کی۔ پھر ایران گئے لوٹے تو لکھنؤ گئے۔ اور آصف الدولہ کے پاس میرانشاہ اللہ خاں کے توسل سے پہنچے۔

دلی میں علم و فضل کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ کا گھرانہ **لطیف** فارسی میں بھی یگانہ جہتیت رکھتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالغزیز کی

فارسی دانی اور زبان کی شہرت عام تھی۔ شاہ صاحب کا "تحفہ اثنا عشری" لکھنؤ پہنچا۔ آصف الدولہ نے مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ تحفہ کا

جواب لکھا جائے۔ مجتہدین میں سے مولوی ولد دار علی خاں نے جواب

لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن "تحفہ" کی زبان چونکہ بے زہیر تھی اس لئے مرزا

ققیل سے کہا گیا کہ مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ ان کو اپنی عبارت

میں ادا کریں۔ تاکہ مضامین کا جواب مضامین میں آئے اور عبارت کا جواب عبارت

سے ہو جائے۔ مگر ققیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی

عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کی تائید میں انھوں نے بیان

کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میرے تعلقات ہیں۔ میں نے نہایت

دماغ سوزی سے اپنی پوری قابلیت صرف کر کے اسے ایک خط لکھا تھا

وہ رنڈی خط کو دلی کے تمام لائق و فائق لوگوں کے پاس لے گئی اور

درخواست کی کہ اس کا جواب لکھ دیا جائے۔ مگر اس کے جواب لکھنے کا

کسی نے اقرار نہیں کیا۔ مجبور ہو کر مذہب اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت

میں لے گئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں۔ مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری۔ اب میں مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی، ہوں حضور اس کا جواب لکھ دیں۔ شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فوراً قلم برداشتہ اس کا جواب لکھواریا وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہوا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کا جواب لکھوں۔ مگر اب تک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ اب آپ غور فرمائیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کسی طرح دے سکتا ہوں۔ جب قتیل نے غزہ کیا تو ناچار قبلہ و کعبہ نے خود ہی جو سرب لکھا۔ اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا سر پوچھا کہ بتائیے کیسا جواب ہے۔

مرزا قتیل نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا سچ تو یہ ہے کہ قبلہ و کعبہ سے تو اپنی کتاب بیکر کا نام بھی رکھنا نہ آیا۔ شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ و کعبہ تحفہ کے جواب میں ذوالفقار (نامی کتاب)..... اس کے بعد نواب صاحب نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ کہئے۔ قتیل نے کہا کہ حضور کہاں جائس کا حوالہ افساؤ کعبہ جائس کے رہنے والے تھے، اور کہاں دلی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدا۔ غرض کہ یہ واقعہ ہے صہبائی نے آنکھ دلی کے اہل علم حضرات کی صحبت میں کھولی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ فارسی دانی میں

سید امیر الروایات صفحہ ۴۰

جواب نہ رکھتے تھے۔

ادنیٰ میں مشاعرہ کی بنا قاضی سراج الدین علی خاں
بزم شعرون | آزد نے ڈالی، ان کے عہد سے لے کے میر اور
 غالب تک یہ سلسلہ شاندار طور سے رہا۔ میر نظام الدین ممنون کے
 مدرسہ اور مفتی صدر الدین خاں اور نواب شیفتہ کے دیوان خانوں
 میں بڑے پیمانہ پر مشاعرے ہوتے۔ قلعہ میں جب سے حضرت ذوق کی
 گرم باراری ہوئی۔ بادشاہ اور شہزادوں کی طرف سے آئے دن
 مشاعرے ہوا کرتے۔ دلی کے اساتذہ سب ہی ان مشاعروں میں
 شرکت کرتے تھے۔ ممنون۔ آزدہ۔ غالب۔ ذوق چہ بنائی۔ عارف
 محمود احسان وغیرہ۔ ارباب شعر و ادب کی شمولیت ضرور ہوتی۔ ان
 بزرگوں کی صحبت سے شہزادگان تیموریہ میں شعرو شاعری کا
 ذوق کافی ہو گیا تھا۔

قلعہ میں شہزادوں اور بادشاہ کی طرف
قلعہ کے مشاعرے | سے جو مشاعرے ہوتا وہ شاہانہ انداز سے
 ہوتا۔ بادشاہ سلامت خود بنفس نفیس شرکت فرما کر عذات بخشے
 تھے۔ شہزادے عموماً مشاعرہ کرتے تھے۔ قلعہ میں عجیب چہل چل رہتی
 مرزا محمد اختر گورگانی بنیرہ مرزا دارا بخت ولی عہد بہادر ابو ظفر راقم السطور
 کے ملنے والے تھے ہرے مکان کے قریب ایک عرصہ تک "کیرانہ"
 سے آکر رہے تھے۔ حیدرآباد سے یک صدی روپیہ کا منصب تھا۔

وہ قلعہ کے مشاعروں کا اپنے والد کی زبانی ذکر کیا کرتے تھے۔ مشاعرے ”در بار عام“ اور کبھی ”باغ حیات بخش“ میں منعقد ہوا کرتے ”باغ حیات بخش“ میں ایک محل سنگ مرخ کا بنا ہوا ہے۔ اس کو سنگ پٹھانی سے سفید کر کے رنگ آمیزی و طلا کاری کے گل بوٹے سے مزین کیا تھا۔ محل میں ایک درجہ پندرہ گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا تھا جہاں شعر و سخن کی صحبت رہتی اس میں ایک حوض بھی تھا جس کا نوارہ ہر وقت چھوٹا کرتا تھا۔ اس باغ میں ساون بھا دوں کی عمارتیں تھیں۔ مشاعرے کے دن ساون بھا دوں کا سماں بھی رہتا تھا۔

۲۵ فروری ۱۸۵۷ء کو محل ”حیات بخش“ میں بادشاہ کی طرف سے مشاعرہ کا انتظام ہوا۔ شاہانہ اہتمام و انتظام کیا گیا۔ محل، فرش و فرش اچھا ٹافوس۔ کرسیاں لگائی۔ بادشاہ کی طرف سے اذن عام ہوا۔ اساتذہ دلی کو دعوت دہلی لکھی۔ چنانچہ سب شعرا قلعہ میں جمع ہوئے خاندان بابر کے شہزادے ایک ایک نے شرکت کی۔ مرزا اعظم شاہ نبیرہ سلیمان شکوہ مخلص آزاد۔ مرزا وحید الدین مخلص اختر۔ مرزا سپہر شکوہ اسرار۔ مرزا غلام محی الدین اسرار۔ مرزا بلالی بدر۔ مرزا لطاف تائب مرزا معز الدین ثابت۔ مرزا عزیز الدین سرور، داماد ابو ظفر بہادر شاہ سلطان شاہ۔ سلطان مرزا محرز الدین سیارہ۔ مرزا نور الدین ساہی حاجی مرزا قادر بخش شمشدر۔ مرزا بلند بخت فدا۔ مرزا سکندر بخت فدا۔ مرزا مصلح الدین صالح۔ مرزا عزیز الدین عزیز۔ مرزا نصیر الدین قناعت

مرزا خدا بخش قیصر۔ شہزادہ بہرام شاہ محب۔ مرزا منکو محزون۔ مرزا محمود محمود۔ مرزا حسین مخلصی۔ مرزا حضرتیما ذوق۔ حضرت غالب۔ صہبائی۔ عارف۔ تیر وغیرہ مشاہیر شعرائے دہلی شریک ہوئے۔

ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس قدر تعداد میں آئے کہ شہزادہ میں بیٹھنے کو جگہ تک نہ تھی۔ شعراء و سامعین سب جمع ہو گئے تو سلطان شعراء شیخ محمد ابراہیم ذوق نے اولاً بادشاہ ابو ظفر کی غزل پڑھی۔ جس کے چند شعر یہ ہیں

گردش چشم بتان سے دل کو ہو کب مخلصی
 حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا
 فارسا کھٹکے ہے جی میں اسکی مڑگان کا خپ
 ہے رگ جاں میں نیشتر کیا غضب با ہوا
 پھر شہزادہ خضر سلطان نے اپنی غزل سنائی اس کے شعر یہ ہیں
 تارِ نفس کے ساتھ ہے کجا ہوا یہ تار
 نکلے گا دم بھی ساتھ بہنا لہ رسا ہو
 گالی سے کون خوش ہو مگر حسن اتفاق
 جو تیری خوشی وہ ہی مراد عسا ہوا

ان کے بعد مرزا حمید شکوہ مرزا نور الدین نے غزل سنائی۔ مرزا روشن الدولہ ابن مرزا آغا جان شہزادہ کہتے ہیں
 کام تو کچھ بھی نہیں ہے عشر میں اپنا مگر
 آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا

قطب علی عالی دہلوی فرماتے ہیں سے

کل تو عالی کا حال بہت ہی تباہ تھا

کیا گزری آج اس پہ خدا جانے کیا ہوا

مرزا علاء الدین ابن مرزا منور بخت بناری تھیں آرزو کہتے ہیں سے

یاں بخودی سے مایع نظارہ ہم نفس

اس نے جمال دینا دکھایا تو کب ہوا

حافظ محمد حسین بسمل کہ باری آئی وہ فرماتے ہیں سے

شکوہ مت کر حال جو بسوں ترے دل کا ہوا

شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا

مرزا غیاث الدین بتا کہتے ہیں سے

اے چھٹا دل یہ کیوں رکھے ہوئے ہوا تھم

پھر کہتا کیا دل اگا عشق بناں پیدا ہوا

مرزا حاجی شہرت شریف مرزا قیام الدین نے کم و بیش ستر شعر زین طبع میں سنائے سے

ہے پستی میں ہر شیار کی آبا سکا نفا ب

رج سے مسکائی تو یہ ایک یوں سی سامرا کا ہوا

اہل عالم کی نظر میں شان ظالم سے بانہ

ہے فلک ان سب کی نینروں میں جو ٹہرا لولا

مرزا قادر بخش قبا بر صاحب گلستان سخن نے غزل سنائی سے

ہے بگاہ آشنا کو ہر جگہ جلوہ سے بیا ۔ دیر بجی کعبہ تھا جب میں نامیب فرسا ہوا

وصل سے عاشق نے پایا مرتبہ معشوق کا

قطرہ خود دریا ہوا جب وصل دریا ہوا

صاحب کے بعد نواب زین العابدین خاں عارف نے بر در لہجہ میں اپنی غزل سنائی۔ ایک شعر تحریر ہے سے

رسوا ہوا تو اہل وفا میں ہوا عزیز

اچھا ہوا وہ حق میں مرے جو بُرا ہوا

مولوی امیر علی عاکی نے فارسی میں طرہی اشعار سناتے۔ کہتے ہیں سے

شکا پتے چہ نکم از بتاں کہ خود دل من

ہمیشہ دشمن جانم بود کست از مرا

نواب ضیاء الدین خاں پیر نے فارسی طرح پر غزل کہی۔ کہتے ہیں سے

بس ست طول خدا یا شبانہ مار مرا

بیاض صبح بد چشم انتظار مرا

اس کے بعد مولانا امام بخش صہبائی نے یہ رباعی بڑھی سے

شاہا بدرت کہ اصل زوجاہ ست

از عرش ہزار سالہ ان سوراہ ست

از جبرخ نم سوال کردم گفتند

لیکن ذرہ عتبہ بہادر شاہ ست

غزل طرہی سے
چہ گل کہ در کعب پانہ شگفت ز خار مرا جنوں بفصل خزاں میکند بہار مرا

چنانکہ بادہ درانگور نیست بادہ بنام بہر کجا کہ توئی نیست اعتمباہ مرا
 یزنگ لالہ در آغوش نو بہار نہ ہست دوست داغ دل آسودہ روزگار مرا

فلک بہ ماتم یا رات رفتہ صہبائی

سر و دماغ و دل و چشم اشکبار مرا

عالی کے پاس مرزا غالب بیٹھے ہوئے تھے اپنی غزل دس شعر کی غیر طرعی سنائی سے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے رہت نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کیلئے

بلا سے گر مژہ یار شہدے نول ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ غوغاشاں کیلئے

گدا سہ کے وہ چپ تھامی جو شامت آئے

اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

نواب مصطفیٰ خان فرماتے ہیں ذوق نے شعر سوم کی مشاعرہ میں بیے سے

تعریف کی اور بار بار دہرایا۔ عموماً مرزا غالب مشاعروں میں فارسی کی

طرح پر غزل کہا کرتے تھے۔ یہ پہلی مرتبہ اردو میں غزل سنائی مولانا

عالی نے بھی قلعہ کے مشاعرہ کا ذکر کیا ہے کہ ذوق غالب نے ہم طرح

غزل پڑھی تھی۔

مشاعرہ ساری رات بزمی رہا۔ سب کے آخر میں سلطان الشعراء

ذوق نے غزل طرح پر سنائی اور مرزا صاحب نے جو غزل پڑھی اس

پر بھی فی البدیہہ شعر سنائے پہلے بادشاہ کی شان میں

رباعی کہی۔ کہتے ہیں سے

سلطہ غالب از مولانا دہر صفحہ ۲۸۶

چلے نہ اشرفی آفتاب عالم میں
خط شعاع سے اس پر اگر نہ ہو تحریر
ابوظفر شہر والا گھر بجاورد شاہ
سراج دین نبی سایہ خدا کے قدیر

غزل طرح سے

پانی طبیب دے ہے ہمیں کیا بکھا ہوا
کتے تھے آفتاب قیامت جسے سو وہ
چشم غضب سے ہم نگہ مہر یاسے
پہلے نشانہ کرتا وہ بندوق کا بچھے
ہے دل بھی زندگی سے ہمارا بکھا ہوا
نکلا چراغ داغ دل اپنا بکھا ہوا
اک نیچہ سے زہر ہیں گویا بکھا ہوا
پیر تھامرے نصیب سے توڑا بکھا ہوا
جل کر اگر بکھا بھی دل سو ننتہ مرا
سوں جل اٹھے گا جیسے کہ کولا بکھا ہوا

ہم آپ جل بھیجے مگر اس دل کی آگ کو

سینے میں ہم نے ذوق نہ پایا بکھا ہوا

مرزا غالب جاچکے تھے ان کی غزلوں پر غزل اسی بہت کئی فرماتے ہیں سے

مڑے یہ دل کے لئے تھے نہ لکھے زباں کیلئے

سو ہم نے دل میں مزہ لے سوزش نہاں کیلئے

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف

اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کیلئے

اس کے بعد مشاعرہ ختم ہوا۔ اس مشاعرہ کا ذکر مرزا غالب نے میر جہری
مجدوح کو یہ لکھا :-

شاہ فرمان داد و حاجت پارگاہ سخن گستران را ایوان نظارت
 نشان داد کہ روز آدینہ بست و پنجم فروری مسکنہ بدان نجستہ نشین
 بیامید و جام سخن بر یک و گویا پید و گویا سے از شاہزادگان با برہ
 و نئے چند از آزادگان شہر فراہم آئند جا بر مردم تنگی کرد گویا پیکر
 اندر پیکر ہی خودی نخست۔ سلطان الشعراء شیخ محمد ابراہیم زخمہ بر تارو
 غزل سلطان را بدان نداید خواند کہ زہرہ از سپہر فرود آمد پیش شاہزادہ
 یوسف دیدار ہایوں آثار۔ مرزا خضر سلطان بہادر غزل طرح بدان
 سخن بود کہ پنداری پدوین بر بساط بزم افشاند۔ مرزا وحید شکوہ
 و مرزا نور اللہ مین و مرزا عالی بخت عالی را ساز سخن بلند آہنگ شد
 غالب آشفہ نوان بر پہلوی عالی جا داشت وہ بیت از خویشین
 خواند محوی نام مرزا علی از می آشتامان غمگدہ صہبائی نشیدستانہ رو
 مرزا عالی شہرت کم و کوش ہفتاد بیت در زمین طرح بر سنا معہ
 انجمن نشیدان عرضہ داد کہ بہ بہانہ آب تا فتن از بزم بیرون
 آندم و رازہ غمگدہ گرفتہ زد و کھنہا کشودہ بود و چہا غبار و روشن
 ہمانا نیمہ از شب بود کہ بر پوریا کے سے نوانی دور جام بادہ روانی
 داد و بادہ آشتامیدم و ختم با باد بہ ارک ہالیوں روز کے آدر دم ہر
 چہا سلطان زادہ کر نام نامی آناں بوزبان قلم رفت از مزہ مشبانہ
 تازہ کردند من نیز غزل در بارہ خواندم از ہمدان شنیدہ شد کہ
 شب در ہنگامہ سر آمد و نزدیک بد میدن بیدہ سو بزم شہاست

گویند سلطان الشعراء پان انجن دو غزل سرودا مانہ در طرح

از امر وزیست "سہ

قلعہ کے ایک مشاعرہ میں غالب اور عہبائی کی ہم طرح غزلیں تھیں۔
مگر بیان نم نمی آید۔ دامانم نمی آید: طرح ہوئی۔ عہبائی نے یہ غزل پڑھی سے
زکس یارب علاج درد ہجرانم نمی آید شدم خاک ہنوز اس برق جولانم نمی آید
بنازم پاس ناموس تمنا را کہ در رویش سخن تالیب نگہ تا نوک حتر گانم نمی آید

چو دیدم غالب و آزرده را از ہند صہبائی

بخط بھیج یاد از خاک ایرانم نمی آید

آزرده بیمار تھے شریک مشاعرہ نہ ہو سکے۔ مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"چوں نوبت بہ من رسید نخست ملک نخواست، فلک نخواست

سرودم آنگاہ غزل طرح خواندم سے

چہ عیش از وعدہ چوں بادہ نہ توانم نمی آید

بہ نوسے گفت می آیم کہ ہوا دامانم نمی آید

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی

وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی

روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی

کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

ابوظہر قلعہ میں بیٹھے کمپنی بہادر کے وظیفہ پر گزاران کر رہے تھے۔

شہادت

سہ کلیات نثر غالب صفحہ ۲۳۸

ان کی ضعیفی سے فائدہ اٹھا کر نواب زبیرت محل جواں بخت کی جاں نشینی کے ڈور سے ڈال رہی تھی کمپنی بہادر کو یہ کانٹا بھی چبھ رہا تھا۔ یکایک ہنگامہ رونما ہوا۔ وطن پرستوں کی بن آئی، آزادی وطن کے لئے۔ کمر باندھی میرٹھ کے ظلم کے مائے ہوئے فوجی تلنگے ان کی ہمنوائی کرنے لگے۔ اُدھر بادشاہ کو آگہیرا۔ پہلے تو وہ نیچے مگر غور و خور سے، اور کچھ حریت نواز شہزادوں کو دیکھنے سننے سے بہتر مستقبل کا خواب دیکھنے لگے۔

جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے آگیا۔ اس کے ساتھ تو سچا نہ تھا۔ بادشاہ کی بخت پناہی کرنے لگا بادشاہ نے جنرل فوج کا بنا دیا آگے چل کر لارڈ کیمڈن بن گئے۔ جنرل تھا بڑا بہادر۔ اس کے طریقہ کار کے مرزا منہی وغیرہ آڑے آئے۔ نتیجہ تھا ہی تھا جنرل لکھنؤ گئے۔ مولوی احمد شاہ مد راسی کے ہمراہ رہ کر لکھنؤ میں پھر نئی اسلامی حکومت قائم کرنا تھا ہی۔ ناکامیابی پر نیپال کے جنگلوں میں روپوش ہو گئے۔

ابو ظفر زنگون بھیج دیئے گئے جو جو قلعہ سے تعلق رکھتا تھا لپیٹ میں آئے بغیر نہ رہا۔ آڑ رہ جیل گئے۔ شہینہ کو بھی قید ہوئی مولانا فضل حق کو انڈمان جانا پڑا۔ وہیں سپرد خاک ہوئے۔ غالب روپوش رہے تو خطرہ سے بچے رہے۔ صہبائی گولی کا نشانہ بن چنانچہ ظہیر دہلوی کہتے ہیں کہ وہاں کی تشنہ خوں تیغ آب دار ہوئی سنان نیزہ ہراک سینہ سے دوچار ہوئی دس ہراک بشر کے گلے کا ہار ہوئی ہراک سمیت سے فریاد گیر و دار ہوئی

ہر ایک دشتِ قضا میں کشاں کشاں پہنچا

جہاں کی خاک تھی جبراً جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا ہر اک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا

ہر ایک اہل زبان خوش بیان قتل ہوا غرض تدارک یہ ہے اک جہاں قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں

نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غزنی جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان میں کئی اشخاص بالکل

نامی اور فرد روز گار مارے گئے جو دہلی کی ناک اور یگانہ آگنی تھے۔

جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ میاں احمد امیر پنج کش

خوشنویس، جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولانا امام بخش صہبائی اور ان کے دو بچے اور میر نیا ز علی

قتلہ خواں اور چیلوں کے کوہے کے اور بہت شریف خاندانی لوگ،

سنا گیا ہے کہ اسی محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راج گھاٹ

کے دروازہ سے دریا پار لے جا کر بڑوں کی باڑیوں میں مار دی گئیں۔

لاشیں دریا میں پھکوا دی گئیں۔

کیوں کہ آزرہ نکل جائے نہ سوداگی ہو

قتل اس طرح سے ہے جرم جو صہبائی ہو

حضرت اکبر لکھتے ہیں سے

۱۲۸ غزنی سنو





دہلی - کشمیری دروازہ پر آنکریزوں کا سفاکانہ حملہ اور دہلی لٹ گئی

دلاور جنگ مولانا احمد شاہ مدرا سی

مولانا سید احمد شاہ دلاور جنگ نواب چیتا پن کے صاحبزادے
 ابوالحسن تانا شاہ بادشاہ گول کنڈا کی اولاد سے تھے عالم فاضل
 فنون حرب کے ماہر ممالک مشرق و مغرب کی سیاحت کی بہت سی
 قربان علی بے پوری اور حضرت محراب شاہ قلندر گوبندھاری کے
 مرید و خلیفہ تھے۔ قلندر صاحب نے اسلام کیلئے جاں بازی اور بھاری سے جہاد
 کی بیعت لی اور انگریزوں کے اقتدار کے خلاف جنگی مساعی
 کیلئے ان کو مقرر کیا۔ دلاور جنگ دلی آئے گا اگرہ آکر قیام پذیر
 ہو گئے۔ بیعت کا سلسلہ جاری کیا۔ خان بہادر مفتی انعام اللہ
 شہابی کے یہاں مجلس علما کی تشکیل کی۔ جب ہزار ہا مرید ہو چکے
 ان کو فنون حرب سے آگاہ کیا۔ اب علی شاہ کی شہادت پر لکھنؤ
 آئے فیض آباد گئے حکومت نے نظر بند کر دیا۔ ہنگامہ سے
 رونما ہوا۔ جیل ٹوٹی۔ یہ بھی رہا ہو کر معہ جہان کے لکھنؤ آئے۔
 اور نصف لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا۔
 مٹو خاں نے برہیس قدر کو تخت اودھ پر بٹھایا اور نگراں ملک اودھ
 حضرت محل تجویز ہوئیں۔ افواج کہنی سے دلاور جنگ اور حضرت محل

کے خوب خوب مقابلے رہے مٹو خاں کی سفلہ پروری اور
 سنی شیعہ کی پھوٹ نے بنا بنا یا گھیلے بگاڑ دیا۔ مجبوراً حضرت محل
 شاہجہاں پور روانہ ہو گئیں۔ شاہ صاحب پھر بھی انگریز حکومت سے
 لینے رہے۔ مگر مسلمان اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں تباہی کی
 راہ لگ رہے تھے۔ شاہ صاحب نے بھی شاہجہاں پور کا رخ
 اٹھایا۔ نواب خاں بہادر خاں بریلی بلا رہا تھا۔ پچاس ہزار
 روپیہ ان کے زیر علم رکھنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ لکھنؤ سے
 شاہجہاں پور آئے۔ محمدی پور میں حکومت اسلامی قائم کی شاہزادہ
 فیروز شاہ اور نانا وزیر ہوئے جنرل بخت خاں کمانڈر ہوئے۔ خلافت
 راشدہ کی اتباع میں حکومت شرعیہ کا نقشہ قائم کیا سکہ شاہ صاحب
 کے نام کا جاری ہوا۔

سکہ زبردہنت کشور خادم محراب شاہ

حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

مگر فیروز شاہ اپنی حکومت کو خراب دیکھ رہے تھے۔ آخرش
 یہاں پر بھی زیادہ قیام نہ کر سکے۔ راجہ پوانین بلدیو سنگھ کی
 دعوت پر گڑھی کی طرف تشریف لے گئے۔ ہاتھی پر سوار تھے دھوکہ
 سے گولیوں کی بارش سے توافع کی۔ آخرش آپ نے مجاہد شہادت
 نوش کیا۔ سرکاٹ کو کوٹوالی پر لٹایا گیا۔ لعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے

سلسلہ تاریخ احمدی مشہور مولوی فتح محمد نائب لکھنوی و مسلمانوں کا روس مستقبل از مولانا فیصل احمد مرحوم

جلاوی گئی۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کا تھا۔

سر مبارک کچھ دن بعد احمد پور محلہ جہان آباد میں دفن کیا گیا۔ راجہ پوائین کو پچاس ہزار روپیہ انعام دیا گیا۔ تفصیلی حالات "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمائے اور حیات و لا اور جنگ" میں دیکھئے۔

جنرل ٹامس جو ایک بہادر انگریز تھا وہ ہنگامہ ۱۷۵۷ء میں شریک رہا۔ اس نے شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے۔

مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا وہ اپنے شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا یہ عزم کا پیکار ارادہ کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر سپاہی نہ تھا یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے سرکان کھل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا۔ وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطا گشاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے برباد ہو گئی ہو، زخموں کی جاتیں اور ٹرائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخنی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی ہیں اور جن کا مولوی مستحق تھا۔

۱۷۵۷ء پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی جرنل ۱۹۵۷ء ۱۵۷-۱۵۸ء قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۷۷ء

صحیفہ ذریعہ مطبوعہ لاہور۔

اس کو یاد کریں گی۔

ایک آزد نگہراں اور بہادر قوم کے ایک شریف جرنیل کے

یقینی الفاظ ہیں۔

حضرت مولانا فضل حق فوقی خیر آبادی

مولانا فضل حق متخلص فوقی خیر آبادی کے والد مولانا فضل امام
بن شیخ ارشد ہرکرمی نسبتاً فاروقی تھے۔ فضل و کمال کے ساتھ منطق
و فلسفہ میں تبحر خاص رکھتے تھے۔ وہی میں صدر الصدور کے فریض انجام
دیتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ باپ و داد کا طریقہ بھی جاری تھا۔ مفتی
طلباء کو بالخصوص علوم منکران کا درس دیتے مرقعات حاشیہ
”افق المبین“ یادگار سے ہے۔ ان کا انتقال کیا۔

۱۳۱۲ھ میں غلامِ فاضل پیدا ہوئے۔ باپ سے جملہ علوم
و فنون کی تحصیل کی۔ سندس پیشہ مولانا عبدالقادر دہلوی سے لی۔
۱۴ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور باپ کے تلامذہ کو
درس دینے لگے۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء شاہجہاں پور صوفیہ ۱۳۹۰ھ سیرا مولانا فضل حق و عبد حق
خیر آبادی مطبوعہ مجلس مصنفین علی گڑھ۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل۔

ایک طالب علم مولانا فضل امام سے پڑھنے آیا، آپ نے فرمایا کہ میاں جاؤ فضل حق سے سبق لے لیا کرو۔ وہ ان کے پاس آیا۔ غریب آدمی بد صورت عمر زیادہ۔ علم کم۔ ذہن کند۔ یہ نازک طبع، نازیدہ جمال صورت و معنی سے آراستہ، چودہ برس کا سن و سال، نئی فضیلت ذہن میں جو دت، بھلا میل سے تو کیسے ملے۔ محبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا بگڑ گئے۔ جھٹ اس کی کتاب پھینک دی۔ بُرا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا کے پاس پہنچا اور سارا حال کہہ سنایا۔ فرمایا بلا تو اس خبیث کو۔ مولوی فضل حق آئے۔ وہت بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے ایک تھپڑ دیا اور ایسے زور سے کہ انکی دستاہ فضیلت دور جا پڑی۔ پھر فرمانے لگے کہ تیرا نام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی۔ جس کے سلسلے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت کو تو کیا جانے۔ اگر بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے بوجھ سے

درازی شب از شرکان من پرس کہ یک دم خواب در چشم نگشت سستہ
اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دلی میں ریڈیٹنٹ رہا کرتا تھا۔
ملازمت اس کے محلے کے سررشتہ دار ہو گئے۔ ابو ظفر ولی عہد بہادر
سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آتے جاتے۔ دلی وہ دلی تھی کہ ایک

مولانا غوث علی شاہ قلندر (تذکرہ غوثیہ)

طرف حدیث و فقہ کا دور دورہ دوسری طرف منطق و فلسفہ کی گرم بازاری۔ شعر و سخن کے گلی کوچہ میں چمچے بڑے بڑے کہنہ مشوق شاعر موجود۔ ان کے ہم سبق مفتی صدر الدین خاں آزرودہ دوستوں میں مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبد اللہ خاں علوی۔ حکیم مومن خاں مومن۔ نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ نواب ضیا الدین خاں تیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ حکیم آفا جان عیش۔ حافظ عبد الرحمن احسان۔ میر حسین تسکین سے بالکمال لوگ تھے شام کو مولانا کے یہاں نشست رہا کرتی سیلہ

علامہ فضل حق..... بزرگوں کے وطن کے لحاظ سے ان کو خیر آبادی کہہ توں گے حقیقت میں ان کا بچپن، جوانی، بڑھاپا سب دلی میں گزرا۔ مرزا غالب آگرہ سے دلی آن رہے تو ان سے مراسم پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ مرزا ان کو اپنا خالص بے ریا سمجھنے لگے۔

مولانا اسماعیل شہید ابن موقوی عبد الغنی بن حضرت ولی اللہ مناظرہ دہلوی علامہ سے تھے سال بڑے تھے۔ علوم منقول ہی میں نہیں بلکہ معقول میں بھی انھیں اجتہادی درجہ حاصل تھا۔ بدعات و محدثات کے خلاف آواز اٹھائی۔ علمائے دین بھڑک اٹھے۔ علامہ بھی ان کے آگے آگے تھے۔ کبھی اکبر شاہ ثانی کو ابھارا

۱۔ ملہ گل و خاضقہ ۳۱۲ سے امیر الروایات ازیر شاہ خاں

مگر شہید کی حق گوئی نے بادشاہ کی زبان بھی بند کر دی۔ آخر مناظرہ کی
 ٹھنی۔ ایسا بازار گرم ہوا جس کا سلسلہ ہندوستان میں برسوں جاری رہا۔
 امتناع نظیر، امکان نظیر کا مسئلہ رفع یدین آہیں باپھر کی بحثیں
 چھڑ گئیں۔ ہردو اٹھتے ہی رہے۔ دونوں ہیں تحریری مناظرہ ہو ا کرتا۔
 ایک مرتبہ علامہ اور حکیم مومن خاں شطرنج کھیل رہے تھے کوئی اعتراض
 دماغ میں آیا۔ اسی وقت آدمی کو لکھ کر دیا جاؤ۔ مولانا سے جواب
 لاؤ وہ گیا حضرت شہید کسی کام میں تھے۔ خادم واپس آ گیا۔ شطرنج
 کھلے اٹھا کر پوچھا جواب لاتے۔ وہ بولا ابھی جواب نہیں آتا ہے۔
 تحریر دے آیا ہوں۔ مسکرا کے بولے ”بس ہو لیا جواب“ یہ بات حکیم
 مومن خاں کو بری لگی۔ حکیم صاحب اور شہید پیر بھائی اور ہم عقیدہ تھے
 کہنے لگے وہ بات ہی ایسی کیا ہے جس کا جواب مولانا اسماعیل نہ دے سکیں
 اس پر ہردو میں بحث بہت خوب رہی۔ اردو کے مزاج برہم سے
 ہونے لگے۔ حکیم صاحب نے یہ رنگ بچھ کر بساط شطرنج تہ کی اور
 چلتے ہوئے یہ شعر پڑھا ہے

لے نام آرزو کا پودہ دل کو نکال دے

مومن نہ ہوں جو بڑھکھیں بدعتی سے ہم

علامہ فرقی اور آرزو ہردو تخلص رکھتے تھے۔ دو ایک دن بعد

یاد اٹھی حکیم صاحب کے گھر گئے اور دوست کو منالائے انھوں نے

فی البدیہہ کہا ہے

ٹھاتی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
 پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

علامہ نے ایک دن مرزا غائب سے کہا حضرت نہ روزہ
 کے ہو نہ نماز کے کچھ تو آخرت کے لئے نیکی کا کام کر لو۔ موقعہ
 اچھا ہے۔ لگے ہاتھوں ثواب لے لو، وہ مسکرائے اور کہا فرمائیے
 پر کیا کام ایسا ہے۔ آپ نے کہا فارسی میں وہابیوں کے خلاف
 ایک فتویٰ لکھ دو۔ جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور
 عقیدوں پر تردید اور خالصکر مولوی شاہ محمد اسماعیل کو مخاطب
 کر کے امتناع ختم النبیین کے مسئلہ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ
 بیان کرو۔ اس مسئلہ میں شاہ صاحب کی یہ رائے تھی کہ ختم النبیین
 کا مثل ممتنع بالذات ائمہ ممتنع بالغیر ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم کا مثل
 اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی طاعت سے
 منافی ہے۔ نہ اس لئے کہ پھر اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو
 سکتا۔ اس کے علاوہ اس کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل
 ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا
 اس طرح خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ مرزا صاحب
 نے فتویٰ لکھ ڈالی جو کلمات میں کثویات کے سلسلہ میں
 پھٹی فتویٰ ہے۔

علامہ فتویٰ دیکھ کے خوش نہیں ہوئے بلکہ جوارغ پا ہو گئے

مرزا کوہ شاہ صاحب سے خصومت کتنی اور نہ ان کے مخالفوں سے تعلق بلکہ صرف دوست کی رضا جوئی مقصود تھی۔ چنانچہ علامہ کے کہنے سے کچھ اور اشعار کا اضافہ کر کے دوست کو رفا مند کر لیا۔

عرصہ کے بعد ریڈیٹنسی کمشنری میں اپنے آپ کو
بھرنی روانگی | تبدیل کرالیا مگر پیاں بھی رنگ بے رنگ تھا

یہ نازک مزاج واقع ہوئے تھے۔ حکام تھے تنگ مزاج۔ خط
میرا بگڑا۔ ارباب علم اور بے علم سب ایک آنکھ دیکھتے جاتے
علامہ نے استعفیٰ دیا۔ نواب فیض محمد خاں رئیس بھرنے پانصد
روپے ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدردانی کے ساتھ اپنے
پاس لایا۔ روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا
ابو ظفر بہادر نے اپنا پلبوس دو شاندار ملبوسہ کو اور ہادیا اور بوقت
رخصت آبدیدہ ہونے کے کہا چونکہ آپ جاننے کے لئے تیار ہیں
میرے لئے بھراس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اسکو منظور
کردوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ بداع زبان پر لانا دشوار ہے۔
ایک عرصہ تک بھرنے پر ہمارا راجہ اور بے ہوا لیا کچھ دنوں بعد
سہارنپور قیام رہا۔ نواب نوبت کے پاس بھی رہے۔ نواب یوسف
علی خاں نے رام پور بلا لیا۔ خود تلمذ اختیار کیا اور محکمہ نظامت

سے یادگار غالب صفحہ ۱۷

در واقعہ عدالت میں منسک کر دیئے گئے۔ نواب کلب علی خاں نے بھی کچھ آپ سے بندھا۔ آٹھ دس برس رہنے کے بعد گھنوا چلے گئے وہاں صدر القندور ہو گئے۔

مولوی رحمن علی خاں تذکرہ خیر کے ہند میں اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حقہ نوشی کی لکھنؤ میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو تالیف میں اس خوبی سے دیکھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوئے تھے جاتے تھے۔

دیب فضل و کمال شہر علی ہیئت سے علامہ جس قدر و منزلت کے شخص تھے اسی کی زفیہ ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ علوم معقول کے تو تمام تھے ہی۔ نظم ادب جو عربیت کا راجہ ہے اس میں وہ کمال لہا یا کہ عرب کے معاصر شعرا سے بڑے بہت لے گئے۔ علامہ کو شہری نظم بڑی قدرت حاصل تھی۔ چار ہزار سے زائد اشعار کہے۔ مولانا غوث علی شاہ قلندر واقعہ بیان کرتے تھے کہ علامہ نے ایک قصیدہ امرہ و یقین کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ علم العزیز دہلوی کو سنانے کے لئے گئے شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا اس کے جواب میں انھوں نے یہ شعر تقدیر میں کے پڑھ دئے۔ مولانا فضل عالم

لے انتخاب ادوار فشی امیر احمد لیر مانی سنواہر سے تذکرہ سیر العلماء مرتبہ کبیر شاہ الدین صدیقی گویا مولوی

بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرمانے لگے کہ بس عداوب علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ
بر خود اتم سچ کہتے ہو مجھ کو سو ہوا۔

علامہ عربی کے سوا فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے۔ رفتی تخلص تھا یہ شعر نقل ہے۔

فرقتی در کعب رفتی بارہا نامسلمان نامسلمانی ہنر مند

مولانا بائیں علم و فضل خشک طبیعت پر رفتے تھے۔
زندہ دلی رفیق طبیعت تھی۔ سرکاری ملازم ہونے

ظرافت طبع

کی وجہ سے جب ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی تو خضاب لگانے لگے۔ ان کے ایک مولوی دوست کو اس پر سخت اعتراض تھا اور وہ ہمیشہ مولانا سے کہا کرتے تھے کہ آپ خضاب کیوں لگاتے ہیں۔ مولانا ہمیشہ اپنے مولوی دوست کا یہ اعتراض سن کر خاموش ہو جاتے۔ لیکن ایک دن ضبط نہ کیا سکا تو کہنے لگے کہ مولوی کوئی دنیا کمانے کے لئے مسجد میں مولوں بن کر بیٹھتا ہے۔ کوئی پیری مریدی کرتا ہے۔ کوئی لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتا ہے میں بھی آخر دنیا دار ہوں۔ دنیا کمانے کے لئے خریدوں اور خریدوں کی جیب نہیں کاٹتا۔ صرف اپنا منہ سیاہ کر لیتا ہوں۔ مولوی صاحب جو فی الحقیقت

ملاہ تذکرہ غوثیہ از مولانا گل حسن شاہ پانی پتی سلاہ گلزار بہار صفحہ ۱۱۴

پیر جی بھی تھے فال و تعویذ والے بھی۔ اس جو آپ کے بہت متفعل ہوئے۔
 مولانا پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری راقم السطور سے
 یہ واقعہ بیان فرماتے تھے کہ علامہ لکھنؤ میں صدر الصدور جس زمانہ
 میں تھے فتنی نو لکشور نے مولانا سے عرض کیا کہ فرصت کے اوقات
 میں عربی کتب کی کاپی کو ملاحظہ فرمایا کریں تو عین بندہ نو آزی ہو۔
 مولانا نے ازراہ اخلاق منظور کر لیا۔ اس وقت مجتہد العصر کی ایک
 مناظرہ کتب مطبع میں طبع ہونے آئی۔ اس کی کاپیاں تصبیح کے
 لئے آپ کی بیعت میں آئیں۔ تصبیح بھی عبارت کی کرتے جاتے ماشیہ
 پر اعتراض کا جواب بھی لکھتے جاتے۔ جب کتاب چھپ کر مجتہد العصر
 کے پاس گئی تو کتاب دیکھ کے سرپیٹ لیا۔ کہ تمام عمر کی کمائی برباد
 گئی اور فتنی نو لکشور سے دریافت کیا تو اصلی واقعہ انہوں نے
 کہہ دیا۔ آخرش کتابوں کے انبار میں آگ لگوا دی گئی۔

مولوی فیض الحسن کتنے تھے کہ میرے استاد مولوی
بیعت فضل حق رام پوری کا بیان ہے کہ علامہ فرماتے رہتے
 تھے کہ میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا۔
 لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا اس سلسلہ کا
 بہت معتقد ہو گیا۔

سلسلہ ریاست اخبار دہلی ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰ ہند مرتبہ انتظام شہسبانی
 و داستان تاریخ اردو مرتبہ پروفیسر امین قادری۔

کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے تھے چنانچہ آپ حضرت شاہ دعو من دہلوی کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد سے ہی ریافت و حجابہ اختیار کیا۔

مولانا جس زمانہ میں سررشتہ دار تھے اس وقت مرزا خانی کو تو اس وقت

موجودہ انتخاب دیوان غالب

تھے۔ یہ تھے مرزاقین کے شاگرد نثر و نظم میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ان ہر دو باکوں سے اور مرزا غالب سے دل بستہ تھے ہمیشہ باہم دوستانہ جملہ اور شعر و سخن کے چرچہ رہتے تھے مولانا آزاد آپ حیات میں لکھتے ہیں۔

انہوں نے اکثر غزلیوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے مرزا نے کہا اتنا کچھ کہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا خیر ہوا سو ہوا انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان ہوا لے کیا۔ دونوں صلابوں نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ بھی دیوان ہے جسے آج عینک کی طرح آنکھوں سے لگائے پھرتے ہیں مگر اس واقعہ کو مولانا عالی یادگار میں چبا سا گئے۔ لکھا ہے مگر ان الفاظ میں نہیں۔

سیاست | علامہ ایک حکیمانہ دماغ لے کے آئے تھے۔ قوم

سے اہم روایات صفحہ ۳۸۸ پر مذکورہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۲ سے اب حیات صفحہ ۵۲۱

میں اضمحلال آنکھوں دیکھتے آیا اکبر شاہ ثانی کا عہد دیکھا۔ بہادر شاہ
 کا زمانہ پایا، انگریزی حکومت کے معزز عہدوں پر سرفراز رہے
 شاہ امیر علی ایٹھوی ہنومان گڑھی کے مہنتوں کی سرکوبی بآباد
 ہوئے اور ان کے خلاف، علم جہاد بلند کیا۔ یہ لکھنؤ میں صدر انصاف
 تھے تو نواب اودھ کا ساتھ دے کر شاہ عہد کو سمجھاتے بھاتے
 رہے آخر شاہ صاحب نے نواب اودھ کی فوج کے ہاتھوں
 جاؤں شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ تازیانہ عبرت تھا۔ اودھ
 دلاور جنرل مولوی احمد اللہ شاہ بدراسی آگرہ سے لکھنؤ
 آئے تو آپس میں ملے جلے۔ رنگ۔ کچھ اور ہی ہو گیا دلاور جنگ
 فیض آباد گئے۔ یہ اور چلے گئے ایک ساں بعد بنگامہ سے
 رونما ہوا مولانا دلی آئے فتویٰ کیا۔ جو نل سخت تھاں سے
 مگر سب تدبیریں الٹی پڑیں۔ وہاں سے وطن چلے آئے بادشاہ
 دلی سے زکوان روانہ کئے گئے۔

۱۸۵۹ء میں سلطنت ہندوستان کی وفاداری یا فتویٰ جہاد

کی بادشاہ یا حرم بغاوت، میں لکھنا ناخوڑ ہو کر سیتا پور سے
 لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا مولانا موصوف کے فیصلہ کے
 پوری جیٹی۔ ایک ایسے نے واقعات سن کر بانس پھونکے کا
 فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے

۱۸۵۹ء تاریخ اودھ از حکیم محمد امین رام پوری آبکاری۔

بلکہ سب سے پہلے یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کئے۔ اور پھر خود ہی مثل تاریخ کی عینیت عقلی و قانونی ادلہ سے توڑ دئے۔ بیچ یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ کرے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لا جواب تھے۔ چنانچہ پیر و کار مقدمہ فتنی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیر آبادی کے نام خیر آبادی یہ خط لکھا۔

مدت ایک ماہ و چند روز است کہ جناب مخدوم الاخوان صاحب تقدیر تہللا سے جس عشاءہ از بیت پور بہ لکھنؤ برائے بیجاوی صفائی روانہ کردہ شدہ اند زبانی آئیندگان بہ از تحریرات انجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شدی رنگوں روانہ شہادت صفائی مولوی صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب (خیر آبادی راقم السطور کے پھوپھا) مشفق مولوی قادر بخش صاحب و بر خوردار مولوی سید رضا من حسین بموجب درخواست (شمس العلماء) مولوی عبدالحق بمعیت ایشان لکھنؤ شدہ اند و ہنگامہ را امید از فدائے کریم است دیگر روز بالضرور نخلصی یافتہ دارد دولت فانیہ خواہند شد و تعالیٰ ہمچنین کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکر و انہا ششم راہ انتظار کشارہ می باشند در رنج و قلق غلیم دارند ایزد جل جلالہ بر جمع کساں رحم خود فرماید

دوسرے دن آخری دن تھا۔ آپ نے اپنے اوپر جس قدر الزام کئے تھے ان کو ایک ایک کر کے رد کیا اور جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی توثیق و تصدیق کی۔ اور فرمایا پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری صورت دیکھ کے مرعوب سا ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی کاپی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی بے حد رنج کے ساتھ عدالت نے جسٹس دوام کا حکم سنایا۔ آپ نے مسرت سے منظور کیا۔ آپ سے کاپی سیکھ چکا تھا۔ مذکورہ خط میں اس کا ذکر اس طرح ہے۔

”برادر من تا دو عشره بسبب عدم بھرسی عامل این نفاذ افتادہ ماند عالیہ آدمی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شنائی یا بدو حال بر ملاں جناب مولوی (فضل حق) صاحب از لکھنؤ دیدہ عرصہ نوشتہ آرد لائق گریستن و داویلا کردن است یعنی جس دوام از پیشگاہ حکم صدور یافت نو او پلاہ و احسرتا او نعالی رحم فرمایید“

محکم دستم زوری مطابق، ار جب ۱۲۵۵ھ

انڈمان بھیج دیئے گئے۔ استاد مولانا محمد عمر اللہ ہری بخاری اکبر آبادی اپنے استاد کی زبانی کہتے تھے کہ مولانا کو خدمت ذلیل درجہ کی دی گئی تھی۔

۲۳ سیرا علیا، صفحہ ۲۳

جین کا سپرٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم سے واقف اور فن ہنریت کا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی سعید الزبانی تھے اور اپنی تصنیف کتاب ہنریت کی جو فارسی میں تھی۔ وہ ان کو دی کہ عبارت صحیح و درست کر دیں۔ مولوی صاحب سے نو کام چلا نہیں۔ علامہ نئے نئے گئے تھے۔ ایک سال ہی گزرا تھا ان کو وہ کتاب دی اور کہا مولانا آپ اس کو درست کر دیں۔ چنانچہ علامہ نے اس کی عبارت درست کی۔ اور معلومات بہت کچھ انعام کر دیا۔ اور عاشرہ میں کثیر التعداد کتب کے حوالے لکھے۔ جب یہ کتاب مولوی صاحب سپرٹنڈنٹ صاحب کے پاس لے گئے وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور اس نے کہا مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے۔ مگر جن کتابوں کے حوالہ ہیں دوران کی عبارتیں جو نقل ہیں یہاں کہاں ہیں۔ مولوی صاحب مسکرائے اور اصل وقتہ علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اس وقت مولوی صاحب کو لے کر بارگ میں آیا۔ علامہ تھے نہیں کچھ انتظام کے بعد دیکھا تو کراہیل میں دباہے چلے آ رہے ہیں۔ وہ یہ ہنریت دیکھ کے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور معزرت کی اور کلر کی میں لے لیا اور گورنمنٹ میں ان کی سفارش کی۔ ادھر علامہ کے صاحبزادہ مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بسا در مفتی انعام اللہ گوپا موی کے داماد مفتی خواجہ غلام غوث بیخبر

خان بہادر ذوالقدر میرفتی نفست مغربی شمالی صوبہ اور دہلی سرگرم
سعی تھے پروانہ آزادی حاصل کیا اور مولوی غمیس الحق اڈمان
روانہ ہو گئے۔ وہاں جہاز سے اترے شہر میں گئے تو ایک جنازہ
نظر پڑا اس کے ساتھ بڑا اثر دہام تھا۔ انہوں نے پوچھا تو معلوم
ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۸۷ھ کو علامہ کا انتقال ہو گیا۔ اب
سپر دفاک کرنے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ہمراہ ہو گئے اور بعد دفن
فاتحہ وطن بصد حسرت و پاس ہو گئے۔

چند عربی شعر قصیدہ نعتیہ سے نقل ہیں

دراؤن انبیاء آخر ہمدیہ ختم نبوة و ایتہ الامداد
وہ پسندانی ہے اور آخر انبیاء ہے اس پر تمام ہوئی نبوت اور اس شروع ہوئی
قد حصہ الباری باوصاف علیہ لم یعطہما الا الحسن اذ و اللہ ما
خاص کیا اللہ تعالیٰ نے ساتھ بڑے وصفوں کے کہیں لئے وہ اوصاف پھیلوں اور انہوں کو

انجمن نسائی شرح جواہر العالی

شرح تمذیب الکلام تحقیق حقیقۃ الاجسام۔ حاشیہ
تصانیف | قاعنی مبارک ہاشیہ افق المسبہن۔ حاشیہ تمخیص الشفاء
ہدیہ سعیدیہ فی حکمت الطبیعیہ روض الموجود فی تحقیق الوجود۔ رسالہ
مبحث قاطیغوریاس۔ رسالہ تحقیق علم و معلوم۔ رسالہ تمذیب اور ان
تصنیفات کے علاوہ کتب اور تصانیف عربی شمار میں سو سے زائد ہیں یہ

سہ تذکرہ مصنفین از مولوی اکرام اللہ شاہی کوہاٹوی

حضرت آرزو دہلوی

حضرت آرزو دہلوی کے جد اعلیٰ خواجہ بہاؤ الدین خوارزمی فاروقی اکبر شاہ
 کے عہد میں تھے۔ عہد اورنگ زیب میں مولوی خیر الدین ابوالخیر
 تھے جو مولفین فتاوا عالمگیری سے تھے ان کے صاحبزادے مولانا
 سطر الدین امان اللہ شاہ محمد شاہ کی جنگ میں شہید ہوئے
 یہ شیخ الاسلام کہے جاتے تھے ان کے بھائی مولوی لطف اللہ تھے سلسلہ
 مفتی صدر الدین خاں آرزو دہلوی مولوی لطف اللہ کشمیری
 نجابت و شرافت کے اعتبار سے اقبیازی درجہ تھا۔ ان کے اجداد
 دہلی میں آکر مقیم ہوئے۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا ۱۲۰۲ھ میں آرزو
 پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت لفظ "چراغ" سے نکلتی ہے۔ دلی اہل
 علم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ مولوی صاحب نے خود ابتدائی کتابیں
 پڑھیں۔ علوم عقلیہ کی تحصیل مولانا فضل امام خیر آبادی صدر الصدوق
 دلی سے کی۔ حدیث حضرت شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔
 مولانا فضل حق اور آرزو دہلوی سبقت تھے۔ مولانا فضل امام
 سے منطق و فلسفہ کا درس لے رہے تھے۔ ایک بنگالی طالب علم
 ۱۵ معارف نمبر ۶ جلد ۵۹ صفحہ ۲۵۸

بھی وہاں آگیا۔ اور مولانا سے بولا آپ کا نام سن کر دور سے آ رہا ہوں۔ آپ نے اشارہ سے ایک جانب بیٹھنے کو کہا۔ جب پڑھا چکے مخاطب ہوئے۔ طالب علم بولا آپ سے مجلسی بطلیموس پڑھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا میاں میری رائے میں مولوی شاہ عبدالقادر کے درس میں جا بیٹھو۔ وہاں تمہاری مراد پوری ہو جائیگی۔ طالب علم یہ سن کے ہکا بکا رہ گیا۔ سر جھکا کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ پھر کھانا مجلسرا سے آیا۔ شام ہوئی مولانا صدر الصدوری کا کام انجام دے کر گھر آئے فواکھات کا مشغل کیا۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر مجلسرا سے باہر آئے۔ مفتی صدر الدین خاں اور مولانا فضل حق آن بیٹھے سبق ہونے لگا حسن اتفاق سے درس میں مجلسی ہی کا سبق تھا۔ ادھر طے جلنے والے آگئے۔ بنگالی اپنی جگہ سے اٹھا درس میں آ بیٹھا اور یہ رنگ دیکھتا رہا۔ احباب بات چیت کر کے سدھارے۔ مولانا سے آنکھوں میں آنسو لاکے بولا۔ حضور مجھ سے ایسی کیا خطا ہوتی کہ مجھ کو ٹالا جا رہا تھا۔ حضور مجلسی پڑھا رہے تھے۔ مجھے حکم ہے شاہ صاحب کے پاس جاؤں۔ مولانا مسکرا دئے کہنے لگے میاں مجلسی ہر کوئی مدرس پڑھا سکتا ہے۔ مگر شاہ صاحب اس طرح پڑھاتے جیسے حکیم بطلیموس صاحب مجلسی پڑھاتا۔ تمہاری خوشی ہے مجھ سے ہی پڑھ لیا کرو۔ کل سے آجانا۔

آزردہ فارغ التحصیل ہو کے کلکتہ جانے لگے تو حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی نے کلاہ کے ایک مدرسہ کے مہتمم مولانا
امین اللہ کے نام ایک خط دیا جس میں تعارف اس طرح کرایا۔

دریں ولا کہ مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامہ

ایں بلکہ بالولہ اندو در اکثر فنون عقلی و نقل از عربیت و ادب

و اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تام دارند و اکثر

مراجعت تحقیقات فیسہ علوم در فقیر زمانہ نمودہ اند و معہذا نسبت

ارادت و اتحاد با فقیر سودی دارند و جدا مجہد ایشان از فضلائے

معتبرین اصحاب و تلامذہ در جناب حضرت والد ماجد فقیر بوند

القوم اخون صدق بنہم سبب

من المودۃ الہی بجمال بہ النسب

عازم دارالامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند انشاء اللہ تعالیٰ

ملاقات سامی خواہند نمود۔ مراعات جہات مذکورہ در حسن تلقی

و اعزاز و اکرام ایشان مہما لکن مد نظر سامی باشد۔

ملازمت ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے صدر الصدوری عطا ہوئی۔

شاہجہانی عہد سے زائد جامع مسجد مدرسہ دارالبقا
مدرسہ کا قیام چلا آ رہا تھا وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد

ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے روپیہ سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت

درست کرائی۔ درس و تدریس کا اہتمام کیا۔ اساتذہ اور طلباء کو اپنے

سک دتاریخ ادب

پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ فتنی طلباء کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور لذیذ کھانے کھلاتے تھے۔ جناب آندردہ نے نواب مصطفیٰ خاں کو اپنے مشافہوں کے متعلق ایک خط لکھا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

شکر ہے اس پروردگار عالم کا جس نے مجھ کو ایسی زلفوں

سے کہ ہمہ تن اس میں غرق آں تھا نکلا۔ کیسے عدالت میں جگر بند

تھا نہ کھانا اس سے سوائے ایسی صورت کے جو پیش آئی ممکن

نہ تھا۔ مقدمات اصلی کا فیصلہ کرنا مسلمانوں اور صدر اہل ہوں کے

مقدمات کا مراجعہ سننا۔ رجسٹری کے دستاویز پر دستخط کرنا مقدمات

کے دوران میں فتویٰ دینا کیٹیوں میں حاضر ہونا۔ تلمیذ مدرسہ

سرکاری کا امتحان ماہوار ہی لینا۔ احکام آخر کو اپنے ہاتھ سے

لکھنا۔ پیرانہ کا عدالت پر دستخط کرنا۔ پیکر گھر میں اکثر طالب علموں

کو پڑھانا۔ اور اطراف و جوانب کے سوالات شرعی کا جواب

لکھنا۔ وہابیوں اور بدعتیوں کے پھاڑے شاہ حکم پوزر مجلس مشائخ

وہنی اور اعزاز میں جانا۔ شعروہ شہزادوں کی صحبت گرم رکھنا باغات

کی سیر اور خواجہ صاحب کی زیارت کو اکثر جانا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے کام میں آتے

۱۰۰ معارف نمبر ۲

مشغول ہونے کہ درس کے لئے کوئی وقت نہ نکال سکے۔ کئی دن تک درس بند رہا۔ طلباء سخت پریشان ہوئے آخر ایک مچلے شاگرد نے جرأت کر کے ایک نظم لکھی جس کے اس شعر سے اس واقعہ کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

ہاتھ بدست چپ سر پہنی فشرده گفت
بیماری نزول بہ صدر الصدور شد

اس نظم کا اثر یہ ہوا کہ ہفتی صاحب نے درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔
مرزا غالب نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔
جس کا مطلع یہ ہے۔

زاں نمی ترسم کہ گرد و قعر دوزخ جائے من
وائے گر باشد ہمیرا امروز من فردائے من
صدر دین و دولت و صدر الصدور روزگار
میر و مخدوم و مطایع والی و مولائے من

ادبی ذوق | دلی میں ان دونوں شعر و شاعری کی گرم بازاری تھی
دلی اس وقت آج جیسی دلی نہ تھی بڑے بڑے کہنے
مشق شاعر و اہل علم حکیم مومن دعاں مومن مولوی امام بخش
صہبائی۔ علامہ عبداللہ خاں علوی۔ نواب ضیاء الدین خاں نبیرہ
شاہ نصیر الدین نصیر۔ سلطان الشعراء شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ حکیم
آغا جان عیش۔ حافظ عبدالرحمن احسان۔ میر حسین تسکین عارف

محبوب صاحب۔ عالی و غیرہ کثیر التعداد شعراء تھے عموماً ان کے یہاں شب کی صحبت رہتی۔

مفتی صاحب اور شیفتہ کے یہاں ہر ہفتہ باری باری مشاعرہ ہوتا۔ اہل کمال اس میں شریک ہو کے لطف سخن اٹھاتے۔
مولانا فضل حق تعلیم کے بعد دلی میں رہ گئے۔ مرزا نجات
آگرہ سے دلی گئے۔ وہ بھی اس جماعت میں گھل
مل گئے۔

مرزا صاحب نوابی دماغ رکھتے تھے۔ فضول خرچیاں
بڑھی ہوئی تھیں۔ قرض اُدھار کا دائرہ وسیع تھا ایک ترخوہ
نے مرزا پر دعویٰ کر دیا اور یہ مقدمہ مفتی صدر الدین خاں کے
اجلاس میں پیش ہوا۔ مرزا جب جواب دعوے کے لئے
پیش ہوئے تو فرماتے ہیں۔

قرض کی پینے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں

زنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب مسکرا دئے اور اپنے پاس سے دوست کی

فاطر روپیہ بھرا۔ اور مقدمہ سے غالب کو نجات ملی۔

عالم و فضل حکیم عبدالحی "گل رکھا" ہیں کہتے ہیں۔

جناب آزرده مروم ان چند اشخاص میں سے تھے

جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود

ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا۔ آپ اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ

علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین۔ مشاعرہ ہو تو میر مجلس حکام کے جلسوں میں موقر و ممتاز بیکسوں کے ٹچا و ماوی۔ منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان سے بیچتے ہوئے خود سیدھی سادگی و فصیح سے بسر کرتے تھے۔

مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ اختر لونی کی سیاسی مساک

اتفاقاً دلاور جنگ مولوی احمد اشراف راسی دلی آئے۔ وہ شیخ طریقت تھے۔ مفتی صاحب ایک ولی سمجھ کر ان سے ملے۔ وہ مجاہد آدمی۔ مفتی صاحب بھی ان کے کچھ ہم خیال ہو گئے۔ معارفین علماء و فرائض آئے۔ سیاسی گفتگو پر کوئی توجہ نہ کیے۔ دلاور جنگ آکر چلے گئے۔ ہنگامہ شاہد رونا ہوا۔ مولانا فضل حق الوری سے دلی آئے۔ جرنل بخت خاں نے نقشہ اقتدار کا جمار کھا تھا۔ استفنا مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔ مگر یہ سب تدبیریں بے سود تھیں۔ عصبیت تومی مردہ تھی بہادر شاہ رنگون روانہ کئے گئے۔ ان علماء پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا۔ مولانا فضل حق کو اقرارِ جرم

کرنے پر انڈمان جانا پڑا۔ مفتی صاحب جیل میں بند کئے گئے۔
مولانا نذیر حسین محدث و مولوی عبدالقادر وغیرہ بھی قید ہوئے
مگر مشرفنس کی سفارش سے یہ لوگ چھٹ گئے۔ مفتی صاحب
قید میں گھبرا سے گئے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا۔ جس کا
ایک شعر یہ ہے۔

آپھنسے بیڑ صاحب الہی دیکھے کیسی بنے
مر رہے ہیں سب الہی دیکھے کیسی بنے

پیر و زور مقدمہ میں جو اب دعویٰ یہ کیا۔ میں نے فتوے پر دستخط
کئے۔ مگر کچھ عبارت بھی لکھ دی ہے۔ بالآخر لوگ پڑھتے ہیں۔ وہ بالآخر
میں نے لکھا ہے۔ مفسدوں نے زبردستی مجھ سے لکھوایا تھا۔ کاغذات
برآمد ہوئے تو پڑھا گیا۔ مفتی صاحب کے بیان کی تصدیق ہوئی۔
اس بنا پر چھوڑ دئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آزادہ کے قید
ہونے کی تفصیل لکھی ہے۔

حضرت مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں
رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہویم۔ رو بکاریاں ہوئیں آخر
صاحبان کورٹ کے جان بچائی کا حکم آیا۔ نوکری موقوف جائداد ضبط
ناچار حسرت و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کیشنر اور لفٹ گورنر نے
ازراہ تو اجم نصف جائداد و گذاشت کی۔ اب نصف جائداد پر قابض

ہیں اپنی عملی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد (واگذاشت شدہ جائیداد کا کرایہ) ان کے گزارے کو کافی ہے۔ اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی۔ تیس چالیس روپے عینے کی آمدنی۔ لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عزت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ فراغِ بائی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ نیا منہ کے اواخر میں ہیں یعنی انٹی برس کے قریب عمر ہے انہیں۔ سلامت رکھے بہت عنایت ہیں۔

جامع مسجد شاہی | جامع مسجد شاہی انگریزی قبضہ میں آگئی تھی۔ یہ مقدس عمارت فوجی استعمال کے کام میں

آتی۔ قریباً دو سالی تک یہی صورت قائم رہی۔ مسلمانانِ وہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دلی میں آئی جی ہو گئی تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگذاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے مرزا انہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے والہ کی اور مسلمان اکابر شہر کی ایک مختصر جماعت کی انتظامیہ کمیٹی بنا کر مسجد اس کو نفویض کی اس مختصر جماعت میں مفتی صاحب و مولوی اکرام اللہ خواں وغیرہ تھے۔

حلیہ | گداز جسم۔ سوانولا۔ بھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بھری ہوئی ڈاڑھی تھی۔

نیا منہ | سادی و قلع کے آدمی تھے۔ ظاہری ناکش سے کوئی

سر و کار نہیں رکھتے۔ لباس سفید ایک برکا پانچا مہ۔ سفید کرتہ۔ سفید ہی صاف ہوتا تھا۔

رسالہ منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشددوا المرجال
تصانیف اور المنصور فی حکم امراة المنقودہ۔ مجموعہ فتاویٰ۔ تذکرہ شعرا
رعینتہ یادگار ہے۔ مگر نایاب ہے۔

شکستہ
نواب صدیق حسن خاں۔ نواب یوسف علی خاں رامپوری۔
مولانا سید احمد خاں۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی
فیض الحسن۔ مولانا حکیم محمد حسن امر دہوی۔ مولوی احمد حسن مراد آبادی۔
مولانا سید نواب مسیحی

وفات اکیسویں برس کی عمر پانچواں دسمبر ۱۸۷۸ء کو فوج گویا کچھ عرصہ عیسائیت پر ۲۲ سبب الاول
۱۲۸۵ھ کو راجہ ملک بھاہوئے درگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔

مولوی ظہور علی النورانی صاحب شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی ہے۔
چو ملانائے صدر الدین کہ درخضر
از صدر الصدور نیک محقر
بروز پنجشنبہ کرد رحلت
ظہور افسوس آں استاد ذی قدر
چراغش ہست تاریخ ولادت
امام اعظمؑ ہنر زیاں بود
بعدل و داد بچوں نوشیرواں بود
کہ این عالم نہ جائے جاوداں بود
مردارم ہیشہ مہرباں بود
اگر گفتہ چراغ دو جہاں بود

۱۔ داستان تاریخ اردو صفحہ ۷۷، ۷۸ نقش سنیانی۔ تذکرہ الکرام صفحہ ۳۸۹

۲۔ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۵۳

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ریلوی

نواب شیفتہ با کمال لوگوں میں سے تھے جو آج بھی علمی دنیا میں عزت کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ فارسی میں تو صاحب کمال تھے ہی اردو میں بھی استادانہ کلام چھوڑ گئے۔ اس کے علاوہ نواب شیفتہ کا تذکرہ ذرا تفصیل سے پیش ہے۔

گواپ کے سوانح زندگی کلیات حسرتی کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ مگر ان کے سیاسی واقعات پر ابھی بدوہ پڑا ہوا ہے۔ اس جگہ ان پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ شیفتہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ اپنے عہد کے محبان ملت و وطن سے بھی تھے۔

ولادت و خاندانی حالات | **عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ** ۱۸۰۶ء میں ولد

میں پیدا ہوئے ان کے والد نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ جہانگیر آباد ضلع دہلی کے رئیس تھے اور والدہ مرزا اسمعیل بیگ بہدانی مشہور سپہ سالار کی بیٹی اور احتشام الدولہ محمد بیگ بہدانی کی نواسی تھیں۔

اجداد بگشتات سے عہد قرخ سپر میں وارد ہوئے۔ نواب مرتضیٰ خاں

اور نواب محمد خاں بنگلش رئیس فرخ آباد کی جدی تھے نواب مرتضیٰ خاں کا قیام بھی فرخ آباد میں تھا۔ چلی وہ وقت تھا کہ سلطنت دہلی کی بنا متزلزل ہو چکی تھی۔

مرتضیٰ خاں نے ہمارا جہ جسونت راؤ ہلکری کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مردم شناس راجہ نے انھیں سپاہ زندور کا افسر علی مقرر کیا۔ مگر زندور بھی اس وقت غیر مطمئن حالت میں تھا نواب کے ملازم ہوتے ہی لارڈ لیک گورنر جنرل کی مدافعت کے لئے مامور کئے گئے جو حکومت کمپنی کی طرف سے ہمارا جہ کے استیصال پر متعین ہوئے تھے۔ عرصہ تک مقابلہ رہا۔ بہت سے آدمی طرفین کے نذر جنگ ہوئے۔ آخر نواب مرتضیٰ خاں کی اصابت رائے اور موقع شناسی کی بدولت باہم صلح ہو گئی۔

لارڈ لیک کو اس موقع پر نواب مرتضیٰ خاں کے جو ہر قابل ہونے کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ مضامقات دہلی میں پرگنہ پٹول علاقہ گڑگانو۔ تین لاکھ روپیہ سالانہ محصول کا ان کو عنایت کیا مگر نواب صاحب نے اس جاگیر پر قناعت نہ کرتے ہوئے جاگیر آباد کا علاقہ اپنے خلیفہ الرشید نواب مصطفیٰ خاں شہتہ کے نام خریدوا۔ نواب مرتضیٰ خاں کے انتقال کے بعد علاقہ پٹول گورنمنٹ نے واپس لے لیا۔ اور اراکین خاندان کی پینشن مقرر کر دی۔ جو انقلاب کشمیر میں بند ہو گئی۔

تعلیم و استعداد | نواب شیفتہ نے ماں باپ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی، عربی اور علوم مروجہ کی تعلیم میاں جی نالہ مال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرأت میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی، شیخ عبداللہ سراج حنفی لکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ علاوہ ان کے مولوی کرام اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی اور فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔

تصنیف و تالیف | ترجمہ نایب السالک الی احسن المسالک اور تذکرہ گلشن بیجاڑ اور دیوان ریختہ و فارسی رقعات شیفتہ ان کی علمی یادگاریں ہیں۔ سفر حج کے حالات فارسی میں لکھے جو ۱۲۵۲ھ میں ”برہ آورد“ کے نام سے طبع ہوئے۔

شاعری | فارسی ادب میں شیفتہ کو پوری دستگاہ حاصل تھی۔ فارسی زبان میں ان کی نظم و نثر کا درجہ کسی مشہور فارسی ادیب سے کم نہیں ہے۔ دہلی کی علمی محبتوں اور شیفتہ کی فطری مناسبت شیع کا اقتضا تھا کہ سن شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ فکر شعر کرنے لگے تھے۔

اب شیفتہ اس کا ہوں میں پیر طریقت

گو عمر ابھی ہے مری اکیس برس کی

فارسی، اردو دونوں میں فکر سخن کرتے۔ تذکرہ ہمیشہ بہار میں

مولوی نصر اللہ خاں خوجوی اور مولوی اکرام اللہ شہسائی
تصویر اشعرا و حصہ دوم میں لکھتے ہیں۔

”نکتہ سنج زبان داں در نظم و نثر یکتائے زماں فصاحت و بلاغت
از طرز کلامش پیدا است۔ و وسعت خاطر و جودت طبع از ریختہ
قلمش ہوید اعدیم المثال کریم الخصال دانائے رموز معانی
بینائے غوامض نکتہ دانی۔ آں بزرگ فارسی خوش گفتمہ گویا کہ در سفتہ
چہ دریں جزو زماں شخصی از امرائے ہندوستان چنین بینظیر بر خاستہ
خدائے تعالیٰ گرامی اور پایندہ دارد۔“

سر سید احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

”مسند آرائے جاہ و جلال زیب و دکنت و اقبال عہد را کین

دولت اسوۂ اساطین حشمت صاحب مرتبہ عالی جمہط انوار سودت

اذنی، مورد انظار مراد حم کم ہزلی نبض شناس شخص سخن نمئی سخن دانی

قانون داں پردہ نکتہ سنجی و نکتہ رمانی۔ ما تم کرم عطا و رستم

رستم تو اں نواب محمد مصطفیٰ خاں بادشاہ

ریختہ میں شبیختہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔

فارسی ادب میں کامل دستگاہ رکھنے کے باوجود اردو ادب

سے نہایت دلچسپی رکھتے تھے۔ مگر شد کچھ عموماً کم کہتے تھے اس کم سخن

کی وجہ سے لوگوں کو ان پر تکبر و غرور کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن

ان کی بے تکلفی کے جیسے عہدب انہماک سے خالی نہ ہوتے تھے۔

اعلاج سخن میں بھی بلکہ خاص تھا۔ مرزا غالب سے حضورہ سخن کیا
مگر ان کو بھی ٹوک دیا کرتے۔ مرزا غالب نے ایک قصیدہ لکھا جسکے
حسن مطلع کا پہلا مصرعہ یہ ہے

عیدِ اضحیٰ بصد آغازِ مستان آمد

مرزا صاحب نے اول عیدِ قربان لکھا تھا نواب شیفہ کے
ٹوکنے سے عیدِ اضحیٰ بتایا مولانا حالی ایک جگہ یادگار غالب ہیں
کہتے ہیں۔

”اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین
میں سے کسی کی فارسی غزل ان کی غزل سے لگا نہیں کھاتی تھی
اور شعر کا جیسا بیج مذاق ان کی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا
ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگ ان کے مذاق کو
شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے۔ ان کے سکوت سے شاعر
کا شعر خود ان کی نظر سے گر جاتا تھا اور ان کی تحسین سے اہلی
قدر بڑھ جاتی تھی۔ مرزا غالب فرماتے ہیں

غالب بہ فن گفتگو ناز و بدیں اورش کہ او
نوشت درو بواں غزل تا مصطفیٰ خان خوش نکرده

نواب ممدوح کی شان ہیں مرزا صاحب کا ایک قصیدہ بھی
ہے۔ اس کا ایک شعر ہے۔

سے یادگار غالب صفحہ ۷۹

اں ہمائے تینر پیر و ازم کہ بال
در ہوائے مصطلعے خاں می زخم
ایک جگہ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
بچوں او تلاش معنی و مضمون نکرده کس
ایک رقعہ میں نواب صاحب کی غزل کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نہے غزل و خوشا غزل پایہ این زمیں را بہ آسمان برود اند
و سخن را بنوازش زمیناں از آسمان فرود آوردہ۔

سخن سردوں حق شماست اگر آبروئے ستودن داشته باضم

بر خود نازی تو انم کرد زیادہ زیادہ۔

حکیم مومن خاں مومن اپنے قابل ثنا گرد کی استادی پر فخر اور انکی
قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے شیفتہ کے گلشن بیخار کی تقریظ
لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اں شیفتہ کز خورد گرامی باشد سرخیل سخوراں نامی باشد

اکنوں جسد بدانرا لالہ بدم محمود سنائی و نظامی باشد

مومن ایک شعر میں شیفتہ کی سخن نبی کی ہاد اس طرح دیتے ہیں۔

ز تحسین او حسن اپنی نیاز

ہزار آفریں بر خیل مستیاز

کلام نواب شیفتہ کے کلام میں گرمی اور لذت کے علاوہ ٹسکوہ الفاظ

اور جیتی ترکیب نمایاں نظر آتی ہے۔ تلاش الفاظ اور ترکیب کی روش میں غالب اور مومن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں میر تقی میر کی پیروی اور سادہ بیانی پر فخر کرتے ہیں۔

شبیۃ سادہ بیانی نے بہت چکایا

ور نہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

تذکرہ شعراء | تذکرہ نگلشن پنجاب ۱۲۴۳ھ میں لکھا گیا۔ اس زمانہ کی رسم کے مطابق شعرا کے کلام کے ساتھ ساتھ ان کا مختصر حال لکھنے کے لئے فارسی زبان اختیار کی گئی۔ لیکن اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ شعراء کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اردو شعراء کا یہ سب سے پہلا تذکرہ ہے جس میں تنقید کی طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جو تذکرے اردو شعراء کے لکھے ہیں ان میں تعریف کے سوا تنقیدی پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

مگر اس وقت کے طبائع عادی اس امر کے تھے کہ تعریف و توصیف کے سوا شعر کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کرنا اخلاقی جرم سمجھا جاتا تھا۔ صاحب "ہمیشہ بہار" اس تذکرہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

”تذکرہ نگلشن پنجاب عبارت شعراء و رفته والا از یادگار است۔ اما خالی از خالیست

چونکہ نگلشن از خالی لازم حال لزوم تعصب است، الحق کہ جزوات حق از عیب خالی نیست“

۱۰۸ نواب شبیۃ مرخوم زمانہ ”دسمبر ۱۹۰۳ء“ از حضرت نظامی بدایونی۔

ان سے زیادہ حکیم غلام قطب الدین خاں باطن اکبر آبادی نے زہراً کلا ہے۔ نغمہ عند لیب "گمشدہ پتلا" کے مقابلہ میں لکھا ہے۔
 نواب شیفۃ نے نظیر اور ان کے شاگردوں کی کچھ زیادہ قدر نہ کی۔ یہ بگڑ بیٹھے۔ شیفۃ، آزرده، تومن۔ غالب کی دل کھول کر خدمت کی۔ عبارت نغمہ عند لیب (گمشدہ پتلا) کی
 نورتن مجور کی وضع بد ہے۔ وہی التزام ضلع۔ مثلاً کہیں جو لاہوں کا ضلع کہیں صرف کا کہیں نحو کا کہیں فتویٰ فراغ کا رعایت نقلی سے بھرا ہوا ہے۔ حکیم تومن خاں ذکر جو لاہوں کے لوازمات بافندگی کے ضلع میں ہے۔ جو نہایت مضحک ہے۔

غرض ایک طرف تذکرہ کی یہ قدر دانی تھی۔ دوسری طرف اس کی بیحد قدر ہوئی۔ اور تذکرہ نویسوں نے نواب شیفۃ کو سراہا۔ بلکہ جتنی تعریف کی ہے وہ میرے خیال سے کم ہے۔ نواب صدیق حسن خاں فوجی اپنے تذکرہ شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔

"اکثر عمر در مشق فن سخن بسر مدد و در مراتب نظم و نثر

ادائے خاص داشت و با پارسی و ریختہ طبع او چنان مناسب اتاد

کہ بہر شیوہ سخن خوش و حرف دلگتھے میگزارد اگر مجموعہ منظوم و منثور

اور ابینی این معنی را مسلم داری"

نواب نور الحسن خاں حکیم "طور حکیم" میں لکھتے ہیں۔

"حضرت شیفۃ الدان صاحبہ مشق سخن مسرود بود و عمرے

دریں شغل بسر بردہ و مراتب نظم و تشرادائے خاص وارد و برد
ریختہ و پارسی سحرے می طراز و اذمن پسر میں کہ مدتے بہ روش اور
گزار دام فیضے کہ صفت او معنوی یافتہ ام

نذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے
شیفتہ کی سیاسی زندگی زیادہ شیفتہ کو دیکھا اور ان کے دسترس

سے بھی یہ سوانح باہر تھے۔ آپ کے کلیات میں سوانح لکھے گئے۔
اس میں بھی نواب شیفتہ کی سیاسی زندگی پر تبصرہ نہیں کیا گیا نواب
اپنے عہد کے ملک و ملت کے ہی خواہ تھے اور ان شخصیتوں میں سے
تھے جنہوں نے اپنی کرنے میں کسر نہ رکھی۔ مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی
تھی۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی عمال کپہنی بہادر نے جو روش اختیار کی
تھی ملک گیری کے اعتبار سے اپنی جگہ صحیح مگر آزادی کے اعتبار
سے بیچینی کا سبب بنی۔ جاگیروں کی قبضگی نے ارباب سروت و جاگیر
میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا
تمام جاگیر دار بادشاہ دلی کے ہمنوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے
ہمراہیہ رئیسوں نے نواب کو اپنا گوا کیا۔ روسا میں سب سے
بڑی شخصیت ولی داد خاں رئیس مالاکڑھ کی تھی ان کے پرچم کے
تیلے غلام حیدر خاں زمیندار یونڈری۔ ممدی بخش سہارنپوری۔ قاضی
وزیر علی بلند شہری۔ عبدالمطہر خاں رئیس خان پور۔ اسمعیل خاں

اعظم خاں۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد وغیرہ جمع تھے۔
 ولی داد خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دہلی کے ایک شہزادہ سے
 بھی منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط و کتابت کرنا تفویض
 تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر ولی داد خاں نے اپنے علاقہ میں بڑی
 سرگرمی دکھائی۔ مگر پانسہ اٹا پڑا۔ بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا
 گیا۔ کسی کو جیس دوام ہوا۔ کوئی ۷ برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو
 بھی ۷ برس کی قید فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں بہادر شوہر
 نواب شہا ہجھاں بیگم صاحبہ دائی بھوپال نے بڑی کوششوں کے
 بعد ان کو رہا کرایا۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے بعد نواب
 مصطفیٰ خاں نے جو خط نواب صدیق حسن خاں کے نام لکھا ہے
 یہاں بہ لفظ نقل کیا جاتا ہے۔

خط سامی کہ در زمان بتلا بودن مخلص بہ بند ہلا بنام
 صدر الصدور صاحب در رسیدہ بود بر طبق آن صاحب مدوح آپناں
 سامی ہمیدہ و کوشش ہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت
 نجات مخلص بطور رسیدہ آری مقتضای محبت ہائے سامی
 ہمیں بودا ہیں احسان فراموش شدنی نیست۔ اکنون نجات
 صوری رواداد۔ لیکن نجات معنوی اتنی ست یعنی جائداد وغیرہ
 وجوہ معاش ہنوز مطلقہ و اگذاشت نہ شدہ۔ این مقدمہ ہم باجلاس
 صدر الصدور صاحب موصوف رسیدہ پس ضرورت انتہا دک

یہ آنجناب اطلاع کرم۔ ماہنامہ شاہ خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند
تعمیم فرمایند و تحریریں معنی کہ بظہور این امر خلیفہ نزار سامی خواہم شد فصول است
کہ میان ما و شما گنجائش بچو امور نیست کہ باد از بیگانگیها میدہد و ظاہر است
کہ باز این منت بس عظیم خواهد بود۔

در مورخہ یکم شعبان ۱۲۸۳ھ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے میر
مومن علی خاں صدر الصدور ساکن سندھ کو ایک سفارش نامہ لکھا اور
بڑی جدوجہد کے بعد نصف جاگیر و اگذاشت ہوئی۔

اخلاق و عادات | نواب صاحب پابند و صنع خوش اخلاق اور مہذب
والقا کے دلدادہ نہایت صابر و مستقل مزاج
بزرگ تھے۔ تسلیم و رضا کی دولت خصوصیت سے عطا ہوئی تھی۔
ہر حال میں خوش رہنا ان کی زندگی کا نمایاں ترین وصف تھا۔ طبیعت
میں استغنا بہت تھا۔ همان نوازی اور فیاضی میں مشہور تھے۔ مجددی نقشبندی
خاندان سے بیعت تھی۔ شریعت کے پڑھے پابند تھے بھول کر بھی
کسی ناجائز اور غیر مشروع امر کا ارتکاب نہ کرتے تھے۔
دریہ کہ ہونہ شوق مزا میر شریف
ورنہ کبھی سماع مجدد سنا کروں

مرض الموت اور وفات | ۶۳ سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں بمقام دہلی
وفات پائی حضرت شاہ نظام الدین محبوب الہی
کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

نواب شریف از مولانا ذکر یا مائل (تسلیم آگرہ)

منشی محمد ابراہیم حسین منیر شکوہ آبادی

علمائے کرام کے علاوہ ہندوستان کے شعراء کا بھی سیاست
 مکی میں بڑا حصہ ہے۔ مگر تذکرہ نویس اپنی عدم واقفیت کی
 بنا پر نظر انداز کرتے رہے۔ سعادت یار خاں رنگین جس نے وزیر علی
 خاں نواب اودھ کا ساتھ دیا اور نواب مرشد آباد کو وزیر علی خاں کی
 ہمنوائی کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ اس وقت کی حضرت رنگین کی کافرمانی
 قابلِ توقیر ہے۔ بند پھنڈ میں منشی محمد اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی کا
 انقلاب ۱۹۰۷ء میں کافی دخل ہے۔

حضرت منیر کو ایک خوشگو شاعر سے زیادہ اس ملک میں
 کسی نے روشناس نہیں کرایا۔ چنانچہ اس جگہ ان کے سیاسی کارنامے
 مختصرًا پیش کرنا ہیں کہ علماء ہی نے نہیں بلکہ شعراء و بھی ملک کی سیاست
 میں برابر کے شریک رہے۔ آپ کے حالات کے لئے مسلم یونیورسٹی
 لٹس لائبریری سے بڑی مدد ملی۔ ایک تاریخی قلعہ کے لئے محکمہ مولوی
 سید لطاف علی صاحب بی بیوی کی تہاڑی میں "حبیب گنج" کا سفر کرنا
 پڑا۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا ڈاکٹر حبیب الرحمن خاں شروانی
 کے کتب خانہ میں "کلیات منیر" سے منسلوبہ قلعہ حاصل کیا سعوت سفر

ظاہر نواب صاحب کاتب خانہ تشنگانِ علم کیلئے سیرابی کا طحا و مادی ہے۔
وطن منشی محمد اسماعیل حسین متخلص بہ منیر کا وطن شکوہ آباد تھا ہندوستان
 کے نامور شاعر تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید بہاوالدین بزمانہ
 سلطان علاوالدین غوری ہندوستان آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔
 ان کے پوتے کے پر پوتے سید شرف الدین علی خاں کو عہد محمد شاہ
 میں شکوہ آباد اور فیروز آباد کی صوبہ داری عطا ہوئی ۱۷۶۱ء میں
 جنگ پانی پت کے بعد نواب دوندے خاں اس علاقہ پر قابض
 تھے منشی منیر کے والد ماجد کا نام سید احمد حسین متخلص بہ شاد تھا۔
 مرزا رفیع سودا دہلوی سے ان کو نلما تھا۔ مسٹر اسٹاکول حاکم آگرہ
 نے ان کو اپنے یہاں سر شہتہ دار کر دیا تھا۔ عمر طبعی پا کر ۱۲۵۵ء
 میں انتقال کیا۔

پیدائش و تعلیم منیر ۱۲۳۱ء میں پیدا ہوئے فارسی و عربی کی تعلیم
 باپ سے پائی۔ دینیات کی تحصیل اپنے بھائی
 مولوی سید اولاد حسین سے کی۔

شاعری منشی منیر کو لڑکپن سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ آنکھ
 کھولی گھر میں شعر و سخن کے چرچے پائے۔ آگرہ میں نمایاں
 تھی۔ اکثر آتے جاتے رہتے۔ ان دنوں شعر و شاعری کی بڑی گرم بازاری
 تھی۔ خلیفہ گلزار علی اسیر کا ڈنکا بج رہا تھا۔ حضرت تھرا اور باطن کی

۱۷۶۱ء "حیات حافظ رحمت خاں" از مولوی سید لطاف علی بریلوی

شاعری غروج پر تھی۔ آئے دن مشاعرے ہوتے۔ لوگ غزل گوئی اور غزل سرائی کو نظر و توجہ سے دیکھتے۔ منشی منیر نے بھی غزل گوئی سے لگاؤ پیدا کیا۔ حسن اتفاق نواب نظام الدولہ خلیفہ الصدق وزیر شاہ اودھ بطور سیر و تفریح آگرہ آئے ہوئے تھے۔ ان کی دلچسپی اور خوش وقتی کے لئے ہمارا راجہ بلونت سنگھ کاشی سے محفل مشاعرہ منعقد کی خود بھی شاعر راجہ تخلص کرتے تھے۔ آسیر و قہر سے مشورہ سخن کیا تھا۔

اس مشاعرہ کی دھوم تھی۔ نامی شعرا شرکت کے لئے تہا ریاں کر رہے تھے۔ منیر کو بھی یہاں گزرا کہ غزل کہہ کر مشاعرہ میں بٹھی جائے۔ چنانچہ محفل میں بیٹھے۔ راجہ کاشی کے چہتہ میں یہ مشاعرہ تھا۔ راجہ صاحب نے اس کا اہتمام خاص طور سے کیا تھا۔

استادوں سے پہلے نوآموزوں نے غزلیں پڑھیں۔ ان میں ہی منیر کو جگہ دی گئی کہتے ہیں سے

دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا
ساتھی نگہ مست تری بڑتی ہے کس سے
کعبہ سے چلے آتے ہیں میخانہ کو بادل
پیندا آئی ہے ہر ایک کو آغوشِ حدر میں

عاشق ہوں تمہارا اپنے ہی اندازِ سخن کا
ورفتہ کسی کا ہوں نہ دیوانہ کسی کا

معاش کی طرف سے فکر مند تھے۔ نواب اصغر علی خاں نبیرہ نواب
 معین الدولہ ولد سید باقر علی خاں ظفر جنگ خلف ثالث نواب معتمد اول
 بہادر نے اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔ بے فکری سے گزرنے لگی۔
 ان دنوں واجد علی شاہی دور تھا۔ عام رنگ رلیاں تھیں۔ چند
 دن فارغ البالی سے گزرے تھے۔ بد قسمتی نے پھر چکر ڈالا احمد حسین
 خاں عروج نے مدد کی۔ اس زمانہ میں سید محمد ذکی خاں بہادر
 عرف نواب بہادر متخلص یہ توکی نے منیر سے اپنے کلام کی اصلاح
 لی۔ دو سال اس طرح گزر گئے۔ مگر منیر کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔
 نواب تھل حسین خاں بہادر ظفر جنگ والی فرخ آباد نے زاد راہ
 بھیج کر طلب کر لیا۔

قطع

امیر عہد تھل حسین خاں نواب
 خطاب جن کا ظفر جنگ نام ہے اعلیٰ!
 زمانہ میں انھیں کہتے ہیں لوگ شہرتِ جنگ
 نہ سپہرِ کرم فیضِ عمام میں لیکتا!
 انھوں نے شفقِ مع صرف راہ بھیجا ہے
 طلب کیا ہے کمالِ اشتہاق سے بخدا
 چلا ہوں لکھنؤ سے سوئے فرخ آباد آج
 ہزاروں حسرتیں رنج و ملال میں صدا

فراق لکھنؤ سے ہے منیر یہ تاریخ

بہشت ہند سے افسوس پاپے میں نکلا

فرخ آباد میں نواب نے اور اہل فرخ آباد نے آپ کے
کمال کی نہایت قدر دانی کی اس زمانہ میں ایک قصیدہ لکھ کر نواب
کے حضور میں گزرانا جس کا مطلع یہ ہے سے

قلزم فیض کے کس کے ہوئے پیدا گوہر

اپنے کوزوں میں نئے پھرتے ہیں دریا گوہر

آہ و آپ کی خدمت میں بڑھی ہے ایسی

بن گیا اختر تقدیر ہمارا گوہر

نواب تاجل حسین خاں نے اس قصیدہ کے صلہ میں ایک خلعت

زرّیں اور زنجیر طلائی عطا فرمائی اور معقول مشاہرہ مقرر کر دیا۔ شہر میں

شہرت کا ڈونکا بج رہا تھا۔ موزوں طبع بخوشی خاطر آپ سے مشورہ

سخن کرنے لگے۔

نواب واجد علی خاں رضوان ابن نواب نجابت علی خاں

نبیرہ نواب مظفر جنگ بہادر۔ نیز منشی مادھو رام متخلص بہ جوہر فرخ آبادی

آپ کے سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے۔ ان دونوں ایک مشاعرہ ہوا

طرح یہ تھی۔ ع

اس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں

حضرت منیر نے بھی طرح پر غزل کہی اور مشاعرہ میں پڑھی۔

مطلع اس کا یہ تھا

اور مجھ سا جان دینے کا تمنائی نہیں
اس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں

مقطع میں کہتے ہیں سے

لکھنؤ کی آرزو میں جان دیتا ہے منیر
سلطنت کا بھی زمانے میں تمنائی نہیں

کچھ عرصہ نواب تھل حسین خاں کی رفاقت ترک کر کے لکھنؤ
آگئے، اپنے استاد رشک کی صحبت میں رہنے لگے۔ بعد ازاں اپنے
استاد کے ساتھ کانپور جانا ہوا۔ وہاں مشاعرہ تھا۔ اس میں شریک
ہونے کا موقع ملا۔ نواب زادہ علی بہادر خاں باندہ بھی محفل مشاعرہ
کی زینت تھے۔ انھوں نے طرح کی غزل کے بعد یہ غزل پڑھی سے

کیا جانے کیا لطف ہے چلن کے ادھر آج
جاتی ہے تو پھر نہیں آتی ہے نظر آج
محفل میں ہے ہر سمت حسینوں کا گزرا ج
اے بے خبری تو ہی بتا ہم ہیں کدھر آج
رہتا ہوں کہ بون خونِ تمنا کی نہ پھوٹے
ہر سانس پر آتا ہے مرے منہ کو جگر آج!
غصہ میں نزاکت نے کیا ہے عجب احساں
وہ پھیرتے ہیں پھر نہیں سکتی ہے نظر آج

ہمسا کوئی نادان مشیر اور نہ ہوگا

کل زاد کی تدبیر سے دنیا سے سفر آج

تمام اہل مجلس نے بڑی داد دی۔ نواب زاوہ باندہ نے آپ کے

اشعار سے بڑا اثر لیا۔ منشی منیر سے ما حضرت میرے ساتھ باندہ چلے

اور میری فکر سخن میں امداد دیجئے۔ چنانچہ دو سو روپیہ ماہوار مقرر

ہو گئے۔ نواب کے کلام پر اصلاح دینے لگے۔ بہادر علی خاں

نے نواب ہی تخلص رکھا۔ کہتے ہیں سے

قصہ کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا

دل یہ کہتا ہے کہ تو جیل میں نہیں آنے کا

نواب بہادر علی خاں کے والد ذوالفقار علی خاں کا ۱۲۷۹ھ میں انتقال ہوا۔

شد آہ ذوالفقار علی در نیام آہ

یہ ۱۲۶۵ھ میں جانشین ہوئے۔ منیر نے ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا

قطعہ

علی بہادر عالم پناہ بندہ نواز نہاد چوں بسر نویش افسر شوکت

منیر مصرع تاریخ این عمل گفتہ جلوس باد مبارک بہ مسند نصرت

۱۲۶۵ھ

منشی علی بہادر

بہ نواب جاں بخش گیتی ستال عطا کرد مسند چو ریت کیم

ازیں جشن پر لوز شد باغ دہر رگ برق گردید موج نسیم

بہ فیض حسد اوند گیتی سناں
 چنا گشت خرم چو باغ نعیم
 شدہ دستہا ما من آب زر
 کف ہر گدا گشت بچوں لوح نعیم
 بہ تاریخ گفتم یہ یک بیت من
 کشیدم دریں رشتہ در پیستیم
 نوشتا شوکت مسند بزم خود
 چراغ امید و مراد نعیم

دیگر

خلعت آبا گور نری سے ملا
 کھل گیا باغ ثروت اور جلال
 میرے نواب ہو گئے مسرور
 ہو مبارک یہ سال فرخ قال
 کہی جو ستم میں نے یہ تاریخ
 آج آیا ہے خلعت اقبال

واقعہ نواب علی بہادر ایک دن اپنے باغ میں حسب معمول
 ٹہلنے جانے لگے۔ منشی منیر کو بھی ہمراہ لیتے گئے۔ دوران
 چل قدمی میں پابین روش سے ایک جمیلی کا پھول توڑ کر ان کو دیا
 اس پر فی البدیہہ تاریخ کہہ ڈالی اور نواب کے سامنے پیش کی سے
 صبح آئے حضور میرے پاس
 لے گئے اپنے ساتھ بگھی پر
 پھر ہوا کھانے میں ہوئے مصروف
 پھر دکھائی گلاب باغ کی سیر
 نور حق کا ہوا فلک سے نزول
 پھر گیا مطلب عظیم حصول
 جس طرح تھا ہمیشہ کا معمول
 نمای جنت سے بھی سوا ہر پھول

گل تازہ دیا منسیر مجھے ہو گئی باغ باغ جانِ ملول

میں نے برحسبہ یہ کہی تاریخ

گل خورشید ہے اچی ہی پھول

نواب صاحب اس قطعہ کو سن کر بہت ^{پاپڑا} محظوظ ہوئے اور جناب

منیر کی عزت و توقیر میں اور اضافہ کیا۔ پھر تو باندہ میں اچھی طرح گزرنے لگی۔ کہتے ہیں سے

نواب کے گرم سے زمانہ ہے کامیاب

باندہ میں رجز دیکھئے پھر چاہے عہد کا

نواب سے ایک دن استاد کی خوبی کا ذکر کرنے لگے۔ نواب

نے بھی ان کی تعریف کی کہتے ہیں سے

یکتا ہے عصر، عالم و فاضل جناب رشک

علامہ و محقق کمال جناب رشک

کیونکہ نہ میری قدر زیادہ ہو اسے منیر

سمجھا گئے تمام مسائل جناب رشک

منیر کو بادشاہ لکھنؤ سے بڑی عقیدت تھی۔ نواب واجد علی

سیاست | شاہ کی معزولی کا اثر انھوں نے بھی لیا۔ کمپنی ہمسار

سے عدم موالات کرنے لگے۔ اور نواب صاحب کے بھی کان

بھرے۔ بندیل کھنڈ کے علاقہ میں جھانسی کو اہمیت تھی۔ یہ ایسٹ انڈیا

کمپنی کے ماتحت تھا۔ یہاں کا پرنس راجہ گنگا دھر راؤ آف جھانسی تھا۔

اس کو مارو پنت تانبے کی لڑکی لکشمی بانی بیاہی تھی۔ مارو پنت آخری پیشوا باجی راؤ دوم کا برہمن پر و ہت تھا لکشمی بانی کے آٹھ برس بعد ایک بچہ ہوا۔ جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ راجہ گنگا دھر کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور بچہ کے غم میں گھلتا رہا۔ اپنی موت سے کچھ پہلے دامو در راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو بتنا کر لیا تھا۔ لاہور و دہلی ہندوستان کا گورنر بن کر تھا۔ اس کی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا۔ ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی۔ گنگا دھر راؤ نے مرنے سے پہلے انگریز ریڈینٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اسکی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں۔ مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ جھانسی کا الحاق ۱۸۵۳ء میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بانی بے دخل کر دی گئی۔ اس نے کمپنی کے اس خلاف خمد خزر پر آواز بلند کی مگر احتجاج صدا بصر اثابت ہوئی۔ اس پر رانی کو ارباب حکومت سے عداوت سا پیدا ہو گیا۔ رانی نے اپنے طریقہ عمل سے اپنی رعایا کو گرویدہ کر رکھا تھا۔ ہر ایک اس کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ اس اثنا میں طوفان کے بادل چھا رہے تھے کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اٹھتی ہو کر جنگ آزادی کے واقعات کی صورت اختیار کر گئیں جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جو اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت

کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا اس نے تقریباً سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لیے لیا۔

دلی لکھنؤ اس تحریک کے مرکز بن گئے دور و نزدیک جنگ آزادی کے اور مقامات میں بھی جنگیں ہنگامے رہے لکھنؤ بانی بھی

اسی جنگ کی ہمنوا ہو گئی۔ سرہنگ روز نے ایک مضبوط فوج کے ساتھ جھانسی پر چڑھائی کر دی۔ اس کے پاس گیارہ ہزار نوجوانوں پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں۔ بندو قوں، گولوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دیا گیا اور وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئی۔

رانی نے تانتیا ٹوپی کو بھی امداد کے لئے لکھا۔ تانتیا فوج لے کر آیا مگر انگریزوں سے شکست کھا گیا۔ نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالیسی روانہ ہو گئی۔ راؤ صاحب یہاں کے مجاز کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیر کمان دیا۔ اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ بنا بنایا کھیں بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ موقع ہے گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نیٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی۔ تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آگھیرا۔ وہ تابِ مقابلہ نہ لاسکا اور مغلوب

ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضہ میں تھا۔ مگر راجا صاحب بالکل
ناکارہ مغرور اور عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی
میں اپنے آپ کو بھول گیا۔

اسے چاہئے تھا کہ جنگی تیاریوں پر توجہ دیتا۔ اور فوجوں کے
اندرون ضبط و نظم مستحکم کیا جاتا۔ مگر وہ غافل رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
سرہنگ روز نے بھاری فوج کے ساتھ گوالیار پر حملہ کر دیا۔ شیورام
تانٹیا ٹوپی اور کشتی بائی دو دیویوں اور چند مرد مساجدوں کے ہمراہ
میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ
گئی ایک ایک کر کے انھوں نے بھون کھایا۔ رانی نے مقابلہ کیا
یہ بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری۔ ایک قدمگار قریبی جھونپڑی
مک لے گیا۔ لیکن کشتی عمر رواں کنارے لگ رہی تھی۔ چپسند
لہوں کے اندر مرغ روح نفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہ دن
۱۸ جون ۱۸۵۸ء کا تھا۔

باندہ | باندہ سے قریب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ نواب
علی بہادر خاں ایک شجاع اور جہری شخص تھا۔ ادھر رانی
جھانسی اور تانٹیا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت جنگ آزادی کے
جاری تھے۔ مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور منشی
سید امجد علی منیر سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جاں بازا اور سرفروشی
کے لئے سر بکف تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیوں کاٹنے سے درست

کر کے اولاً راج گھاٹ کے قلعہ پر نواب نے حملہ بول دیا۔ قلعہ
فتح کر لیا۔ وہ دواہ بندیلہ کو گرفتار کر لیا۔ اس فتح کی خوشی میں جناب
میر نے یہ تاریخ کی سے

چو فوج بندیلہ باندہ رسید زحمن ابے گڑھ برائے فساد
برایشان ظفر یافت نواب ما دل اہل انصاف گردیدہ شاد
چنین لفت تاریخ نصرت میر
خدا فتح عالی بہ نواب داد
۱۲۴۴ھ

قطو در نہنیت فتح نواب علی بہادر جنگ دواہ بندیلہ

فتح دی اپنی عنایت سے خدا نے آپ کو
سب عدو مقتول تیغ و بسنت زنجیر ہیں
آیہ اِنَّا فَتَحْنَا لَکُمْ ذٰلَکَ فَکَرِیْبٌ
نہنیت سے ہمزباں در دولت تقریر ہیں
فتح زیبا و مبارک ہو مٹا خا خاشس
آپ منظور نگاہ مالک لقتدیر ہیں

ایک قلعہ کا شعر یہ ہے سے

ہوا مجوس دوا باندہ میں کر ابے گڑھ سے
پھنسا دایم مصیبت میں سیا ناگر چہ کو آہے،

۱۵ جون ۱۷۵۷ء کو مسرتیج سے کاک ول قلعہ ماندہ میں آیا۔

اس کو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو اردگرد سے حریت نواز آ جمع ہو گئے۔ ان کے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا۔ مگر ان کو شکست اٹھانا پڑی۔ اس جنگ کا پیچھا بھاری تھا۔ ایک جنگی کونسل بنائی گئی۔ جس کے ارکان میں محمد سرور خاں ناظم۔ میر انشا اللہ حساں سپہ سالار افواج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے۔ امداد حسین اور فرحت علی افسران فوج قرار دئے گئے۔ جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۱۹۰۷ء کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا۔ مگر مقابلہ پر اہل باندہ ٹھہرنے سے شکست یاب ہوئے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۰۷ء کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے راہ فرار اختیار کی۔ مرزا ولایت حسین اور منشی منیر نواب فرخ آباد سے امداد لینے روانہ ہوئے۔ فرخ آباد میں ہر دو گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ ان پر چلتا رہا۔ مرزا ولایت حسین کو سزا جس دوام بہ عبور دریائے شور ہوئی۔ انڈمان بھیج دئے گئے۔ منشی منیر پر ایک بلا اور نازل ہوئی۔ مصطفیٰ بیگ ان کے دوستوں میں سے تھے۔ انہوں نے نواب جان طوائف کو قتل کیا۔ اور منشی منیر کو پھینسا کر خود بچ گئے۔ منیر اس قصہ کو لکھتے ہیں کہ

مصطفیٰ بیگ ایک صاحب ان میں ہیں کچ روں میں بڑھ کے چرخ پیر سے

۱۹۰۷ء گزیر جانوں منہ ۱۳۱۱ھ اردوئے معلیٰ اپریل ۱۹۰۷ء منیر شکر آبادی از لکھنؤ۔

کر کے خونِ ناحقِ نواب جان مجھ کو بھی پھنسوا دیا تزدیر سے
 خون میرا وہ سمجھتے تھے حلال تھا جو میں ذریتِ شہید سے
 آخرش ان کو بھی مرزا آٹھ دس سال کی ملی۔ اور اندمان بھجور کے
 گئے۔ فرماتے ہیں سے

غزبت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا زیر غزبت شکر فروشوں کو ملا
 جب لخت جگہ کھا کے لگی پیاس منیر کالا پانی سفید پوشوں کو ملا
 آخرش نواب علی بہادر پکڑے گئے۔ مگر حکومت نے ان کے

ساتھ یہ رعایت برتی کہ اندور میں نظر بند رہے ۳۶۰۰ روپیہ سال
 مقرر کر دئے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بھی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں
 جگہ ملی۔ آپ کے فکر سخن سے ایک غزل پیش ہے سے

ترے خدنگ ادا کا وہی نشانہ ہوا کہ جس کے عشق سے تو آفتِ زمانہ ہوا
 یہ کچھ نہ سوچھی کہ مجھ پر گزر گئی کہا کیا نہیں تو وجہ مسرت مرا فسانہ ہوا
 یہ کیا کیا جو کیا دعویٰ وفا تو اب
 کہ اس کو اور جفا کے لئے بہانہ ہوا

نواب نے ۱۲۹ھ میں انتقال کیا۔ جناب منیر نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے
 نواب علی بہادر اے بھر کرم
 اے قدر شناس و ناز بردار منیر
 اے صدر نشینِ خلق و اقبالِ فسکوہ
 اٹھ جائے جو ان تو زمانہ سے ہائے
 یوسف طلعت شجاع یکتا ہے ہے
 اے اہل سخن کے ہمت افزا ہے ہے
 اے بزمِ کرم معنی مسندِ آرا ہے ہے
 مددِ حیف افسوس و دریا ہے ہے

تاریخ تری یہ رو کے کتا ہے منبر
فیاض زماں امیر زریبا ہے

حالات قید فرنگ

فرخ آباد اور یاران شفیق
اسے باندے میں مقید ہو کے ہم
کوٹھری تاریک ہوئی مثلِ قبر
پھر — لے جائے گئے
جو الہ آباد میں گزرے ستم
پھر ہوئے کلکتہ کو پیدل رواں
ہتھکڑی ہاتھ میں پٹری پاؤں میں
پھٹ گئے سب گردنِ تقدیر سے
سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
تنگ تر تھی حلقہ زنجیر سے
نظم سے تلبیس سے تروید سے
ہیں فزوں تقریر سے تحریر سے
گرتے بڑتے پاؤں کی زنجیر سے
ناٹواں ترقیس کی تصویر سے

سوئے مشرق لائے مغرب سے مجھے

تھی غرض تمتدیر کو تشہیر سے

انڈمان میں زیادہ وقت مولانا فضل حق کی صحبت
میں گزرتا تھا چنانچہ آپ کے متعلق ایک قصید میں کہتے ہیں

کالا پانی

رشک زلیخا ہوئی بحرِ صفتِ ہوش زن

غرق ہوا نیل میں یوسف گل پیر ہن

مخزنِ فضل و کمال عالم عالی مقام

ناقد تازی زباں فیضِ شناس سخن

مولوی نے نظم پر فضل حق اسم شریف
دھسلی سے تاکھنڈو مشہور موہن
قید میں، میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ
عین سمندر میں تھے غرق بحرِ محن
تصنیف قصیدہ کیا ہے میں نے انکے سامنے رقم
ختم ہوا جب، تھے وہ ہم سدم گورو کفن

تاریخ پھانسی نوا بان فرخ آباد جواندگان میں کہی

اقبال مسدخاں و غضنفر حسین خاں
دونوں در محیط عصا آہ آہ ہائے
دونوں جوان نیک امیرانِ ذی ختم
مقتول تیغ تیرہ قضا آہ آہ ہائے
تاریخ ان کے قتل کی کافی ہے یہ تیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے

تاریخ پھانسی نواب سخاوت حسین خاں برادر کوچک نواب تفضل حسین خاں

مشہور
مسندین شرح آباد

ریاضِ خلق سخاوت حسین خاں نواب
نہالِ باغِ کرم ذیب مسند شوکت

جو ان متابل و فرزند خاص نصرت جنگ
 غلام آل نبی سرور قمر طلعت
 وہ بے گناہ ہوا تیج مرگ سے مقتول
 عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
 منیر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ
 ہوا شہید امیر دلیسر باہمت
 ۱۲۶۴ھ

آہ پستی

تھے قید ہم جزیرہ دریائے شور میں
 نیرنگ گردشِ فلک نید رنگ سے
 نشی تھے حکمے میں کشنر کے ہم دہاں
 محفوظ تھے مشقت میں و کنگ سے
 انعام میں معاف ہوئے ہم کو دو برس
 شکر خدا رہا ہوئے کام ننگ سے
 ہندوستان میں آکے رہے ہم پرانگ میں
 اب کانپور جاتے ہیں دل کی انگ سے
 فضلِ خدا سے سالِ ربانی کو مستیر
 اب ہم گھر آئے بھوٹ کے قیدِ فرنگ سے

الہ آباد میں بسا ناکام ہونے جنگ آزادی کے جلسہ خیر خواہان
واقعات برطانیہ کا منعقد ہوا۔ اس میں نواب یوسف علی خاں
 رئیس رام پور نے بھی شرکت کی غرض سے الہ آباد آئے یہاں ایک
 گویا جو واجد علی شاہ کے پاس رہ چکا تھا لکھنؤ سے الہ آباد آ گیا۔
 اور رہ پڑا۔ نواب صاحب کے یہاں شام کو محفل سرود منعقد
 ہوئی۔ اس میں یہ گویا بھی طلب ہوا۔ اس نے گانے میں مینیر کی
 مشہور غزل سنائی۔ ع

شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے
 نواب نے سن کر اٹھ بیا اور اس روایت وقافیہ میں فرمایا
 ناظم مینیر آئے یہاں ہم ہیں متدرداں
 شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے
 نواب کو معلوم ہوا مینیر انڈمان میں ہیں تو گونٹ میں لکھا پڑھی
 کرنے لگے۔ ادھر مینیر کو پچھ سال گزر چکے تھے۔ قصیدے نعتیہ
 کہے۔ متا جاتیں کہیں ساتواں سال بھی نصف ختم ہونے کو ہوا۔
 ایک قصیدہ جناب رسالت آب کی شان میں کہنا شروع
 کیا۔ اس میں التجا کی ہے

اسی ذی الجحیم تک مطلب مرے دل کے غیاث ہیں
 کرے اب کا محکم ہند میں یہ بندہ جانی

رباعی

بارے آئی نجات کی باری
ہم کو منصب ملا رہائی کا
کوچ ٹھہرا مقام غربت سے
رخصت اے دوستانِ زندانی
الرحیل اے دوستانِ زندانی
دال چاول سے کدِ رخصت ہوں
پھلیوں سے کھوکھٹ کے سڑے
چینی ابرمی، ملائی، مدراسی
اپنے دیدار سے معاف کریں
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت
پٹھتے ہیں ہباز وودی پر
نکلے دریائے شوہ سے صد شکر
نظر آیا سوادِ کلکتہ
کھل گیا عتدہ گرفتاری
قید کو جائداد بے کاری
اب وطن چلنے کی ہے تیاری
الوداع اے غم گرفتاری
الفراق اے ہجوم نا چاری
باقی ہیں ڈوبے یہ نمک کھاری
گھاس کھودے یہاں کی ترکاری
اہلِ آسام، جھگی، تاتاری
اپنی باتوں سے دیں سبک باری
انگب شاوی ہیں آنکھوں سے جاری
اٹھتے ہیں سنگر گراں باری
بحر شیریں کی آگئی باری
شکر ہے شکر حضرت باری

کیا مستحیر اور التماس کرے

فکرِ قاصر ہے نطق سے عاری

دیگر

آج میں نے قید سے پالی رہائی لے لی
 نفسِ حق سے یہ خوشی کی دوپہر مسعود ہو
 اس جہزیرے سے سوئے کلکتہ ہونا ہو
 اے خدا ہندوستان کا اب سفر مسعود ہو
 آگے بیٹھا ہوں جہاز تیز رو پر شکر ہے
 لنگر اٹھا ساعتِ منتخ و نظیر مسعود ہو
 مادہ منظور ہے کہنا دعائیہ مجھے
 نیک ساعت ہوا کواکب کی نظر مسعود ہو
 آج کے دن کی ہے یہ تاریخِ صوری معنوی
 روزِ شنبہ نم ماہِ صفر مسعود ہو

جنا پھر ۱۲۸۲ھ ۲۸ محرم میں قید اندھمان سے رہا ہو کے
 کلکتہ آئے۔ وہاں سے الہ آباد پہنچے۔ میر غلام عباس کے یہاں
 ٹھہرے۔ مشنوی معراج المضاہین لکھی۔ عیاں و اطعنا لال کے
 مرگ کی خبر لگی۔ صدمہ جانکاہ ہوا۔ وہاں سے لکھنؤ آئے۔ نواب
 یوسف علی خاں ناظم کے شعر پر نظمیں لکھی

مشہور خلق آپ کی ہیں تدر دانیوں
 حبِ اطلبِ مزہر بھی آتا ہے اب وہاں

یہ حکم خاص ہے دل و جاں پر مرے رواں
 ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں فترداں
 شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

چل اے منیر قبیلہ عالم ہیں فترداں!
 بلواتے ہیں حضور معظم ہیں فترداں
 وہ کہتے ہیں جو آج مسلم ہیں فترداں
 ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں فترداں
 شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

لیکن جب منیر رہا ہو کر آئے تو نواب یوسف علی خاں بہادر انتقال
 فرما چکے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں سہ

آیا منیر چھوٹ کے جب قید سے یہاں
 تھا قصد رام پور کو ہو جاؤں میں رواں
 لیکن حضور ہو گئے راہی سوئے جناں
 اب کس کے پاس جاؤں میں ہے کون قدر داں

نادم رہا میں اپنے کمالوں کے سامنے
 لکھنؤ میں آغا علی حسن خاں نے دستگیری کی۔ کچھ عرصہ
 نہیں گزرا تھا کہ پیشن ولادت ولی عہد رام پور کی خبر ملی۔ ایک
 تہنیت نامہ قطعات تاریخ عرصی کے لکھاتھ نواب کلب علی خاں
 کی خدمت میں ارسال کیا۔ نواب صاحب نے ازراہ قدر دانی

ان کو طلب کر لیا۔ رام پور پہنچے سے

نواب پاک کلب علی خان نے اے منیر
 ہوا کے رام پور میں کہیں بخششیں کثیر
 صد شکر آئے راہ پر اب طالع فقیر
 ہے قدر دان سر پہ امیر فلک سرمد

اب سرخ رو ہوں اپنے کمالوں کے سامنے

نواب کلب علی کا زمانہ رام پور میں عہد زریں گنا سزاوار
 ہے۔ علوم و فنون کی اشاعت کی سرپرستی کے ساتھ صنعتوں اور
 حرفتوں کے رواج کی بھی ترقی تھی۔ جس طرح ہر ایک علم و فن
 کے عالم جمع کئے گئے تھے۔ اسی طرح دستکاری کے ماہر فن
 فراہم فرمائے۔ مدرسہ عالیہ اور وابستگان دربار میں علوم
 عربیہ سے ہر ایک علم کے کامل الفن اور مسلم الثبوت استاد
 موجود تھے۔ مفتی محمد سعد اللہ مولانا محمد ارشاد حسین محدث۔
 شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی۔ مولوی عبدالعلی ریاضی
 داں وغیرہ وہ لوگ تھے جن کی قابلیت کے ڈنکے چارواں تک
 عالم میں بچ رہے تھے۔ حکماء میں حکیم امیراہیم لکھنوی۔ حکیم علی حسن
 خاں۔ حکیم حسن رضا خاں۔ حکیم علی نقی خاں۔ حکیم ہادی حسن خاں
 لکھنوی یکتائے زمانہ تھے دانشورا میں منشی امیر احمد امیر میانی
 فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ۔ حکیم سید ضامن علی حبیب اللہ

آفتاب الدولہ قلعہ۔ میر محمد ذکی بلگرامی۔ منشی مظفر علی خاں اسپر
 احمد علی خاں عروج۔ منشی امیر اشرف تسلیم۔ انھیں میں منشی مسنیر کو
 شامل کیا۔ سو روپے ماہوار ملنے لگے۔ نواب کلب علی خاں کی
 قرآنش سے مدح ممدوح میں ایک قصیدہ کہا۔ اس کے چند دلچسپ
 مقامات پیش ہیں۔

نواب سخن کلب خان بہادر
 دنیا نہیں جس کی در دولت کے برابر
 نواب سخن دوست سخن سنج سخنراں
 افصح نہیں آج اس کی نصاحت کے برابر

رت ہے برسات کی بہت پیاری موجزن جھیلیں۔ ندیاں جاری
 بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر اودے اودے سنہری رنگاری
 دیکھ تو رام پور کی برسات کیا نمایاں ہیں تدرت باری

وصف علماء

علماء ایسے نامور ہیں یہاں جن کی مداح نخلق ہے ساری
 حکمائے فلسفہ کو بھی فخر ہے ان کی کنش برداری
 وہ اطمینان ہیں عیسوی اعجاز نام سے جن کے بھاگے بیماری
 فردیکتا حکیم ابراہیم کرائے بقدرات جن کی عطاری
 محافضوں کا شمار عد سے فزوں شرح کوئے میں حد کی دشواری

انفرض ہیں تمام اہل کمال
 مجمع شاعران نامی ہے
 بحر نشی، استیپراد امیر
 طبع پاک عروج و دآغ سے ہے
 ہے جلال و حیا و شاعلی سے
 فنوی میں حسبا و خواجہ بشیر
 فن تاریخ میں رسا منصور

صاحب منصب نمک خواری
 شاعری کی ہے گرم بازاری
 ہمسیر اتوری و مختاری
 منفعل دبر کی گہر باری
 محفل نظم جلوہ گر ساری
 رونق شاعری و نثری
 جان صاحب کی رنجی پیاری

سب سے بڑھ کر منیر کو حاصل

بے کمالی و ہرزہ گفتاری

رام پور میں نشی منیر کی آخری زندگی اچھی گزری۔

عمر طبعی پا کر ہیضہ میں مبتلا ہوئے ۱۲۹۶ھ میں رام پور میں

وفات انتقال ہوا۔ سال رحلت اس مصرع سے ظاہر ہوتا ہے

”انتقال منیر عالی قدر“

(دو ادین میں) منتخب عالم۔ تنویر الاشعار و نظم منیر۔ شنوی مصرع

۱۲۶۴ ۱۲۶۹ ۱۲۹۰

تصانیف

المضامین۔ تیس ہزار اشعار کا مجموعہ و دیگر تصانیف۔

رسالہ اعلان حق۔ سراج منیر۔ رسالہ تنبیہ انشائین۔ بفضائل اقلین۔

یا دگار سے ہیں سلہ

سلہ مصنف (علی گڑھ)



دہلی - کشمیری دروازہ پر انگریزوں کا مفا کا نہ حملہ اور..... دہلی لٹ گئی

ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی

پہلی جنگ آزادی میں ہندوستان کے جن مجاہدان وطن نے
جاں بازی و سرفروشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان میں دلاور جنگ مولوی
احمد اللہ شاہ مدراسی اور نانار او پیشوا اور عظیم اللہ خاں کانپوری
پیش پیش تھے۔ اور اس جنگ آزادی کے بانی مجاہدان کے جلتے
ہیں۔ ان کے ہمراہیوں میں ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی بھی تھے
جن کو بہادر شاہ نے آگرہ کا لارڈ گورنر مقرر کیا تھا۔

ڈاکٹر وزیر خان بہادر کے شرفائے افاغنے سے تعلق رکھتے
تھے۔ آپ کے والد محمد نذیر خان بڑے زمیندار تھے۔ جنھوں نے
ڈاکٹر صاحب کو علوم رسمیہ کی تعلیم دلا کر انگریزی تھیں کرنے کے
لئے مرشد آباد بھیجا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر فن ڈاکٹری کی تحصیل
کے لئے ہندوستان بھیج دئے گئے وہاں سے اسٹینٹ مرجن
کی ڈگری لی۔ مگر عبرانی اور یونانی زبان بھی سیکھ لی۔ اور معقول
درجہ حاصل کیا۔ شوقیہ عیسوی مذہب کا مطالعہ کیا۔ انجیل و
توریت مقدس کی شرحیں اور تفاسیر اور انجیل کے سونے
ہندوستان ساتھ لائے۔ کلکتہ بڑے اسپتال میں گورنمنٹ

سے قدر کی صبح و شام۔ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گوپا موی قلی)

کی جانب سے اسٹیٹ سرجن مقرر ہوئے۔ پھر آگرہ میں مقرر ہوا۔ محلہ کاغذیان تاج گنج میں مقیم ہوئے۔ عمر کا حصہ زیادہ نہیں گزرا مقامی اہل علم حضرات سے تعلقات تھے۔ مولوی مفتی انعام اللہ خاں گویا مولوی وکیل صدر کے یہاں آئے جاتے مولوی احمد اللہ مدرسی آگرہ آئے اور یہاں مجلس علماء کی بنیاد ڈالی۔ اس کے ایک رکن ڈاکٹر صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو انگریز دشمنی اور حریت نوازی کا چسکا شاہ صاحب کے فیضِ صحبت سے پڑا شاہ صاحب انگریز کی حکومت کے خلاف میدان تیار کر رہے تھے۔ چنانچہ جی فاسٹر اپنی تصنیف انڈین میوٹنی میں لکھتا ہے۔

”اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات

کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس مولوی کو انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصہ سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں ظاہرہ مذہبی تبلیغ کی خاطر پھر چلے گئے۔ لیکن فرنگیوں کیلئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصہ تک وہ آگرہ میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جلد نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف

۱۲۰ بیاض منشی اعظم علی اعظم اکبر آبادی (قلمی) ۱۲۰ داستان تاریخ اردو
از پروفیسر حامد حسین قادری

ایک سازش کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے۔

غرضکہ شاہ صاحب نے علماء کی مجلس جس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے قائم کی تھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو ختم کرنا تھا۔ اس مجلس میں مولانا غلام امام شہید۔ مفتی انعام اللہ خاں۔ مولانا محمد قاسم دانا پوری۔ مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدیق اور مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر۔ مولوی امام بخش وکیل۔ مولوی منصب علی۔ مولوی اعتقاد علی۔ مولوی عظیم حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مرزا اسد علی بیگ۔ مفتی عبدالوہاب گوپاموی مولوی نور اللہ آباد گوپاموی۔ مولوی نور الحسن۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی سے حضرات تھے۔ اس مجلس پر حکومت ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی تھی۔ مگر کچھ حضرات کو ایک مقدمہ میں پھانسا جا ہا۔ مگر ناکامیابی رہی۔ اس واقعہ کو دس گروہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ایک طرف راہ نوابوں کو۔ دوسری طرف نصرانیت کی ترویج و اشاعت میں سرگرم سعی تھی۔ انگلستان سے بڑے بڑے علمائے عیسویت ہندوستان روانہ کئے جاتے تھے۔ عظیم فنڈر ۱۸۵۳ء میں ہندوستان آیا۔ گورنروں کے یہاں قیام کرتا تھا۔ دلی کی جامع مسجد کی میزبانی پر اسلام کے فلاح و عطا کرتا۔

۱۸۵۳ء میں ہندوستان آیا۔ گورنروں کے یہاں قیام کرتا تھا۔ دلی کی جامع مسجد کی میزبانی پر اسلام کے فلاح و عطا کرتا۔

یہ عربی فارسی کا عالم اور فن مناظرہ کا واقف کار ہی نہیں بلکہ بڑا
 شاعر تھا۔ اس کے فضل و کمال کا انگریزی اخبارات میں دھندورہ
 پٹیا جا رہا تھا۔ ان دنوں عموماً علمائے کرام عیسوی مذہب سے دور کا
 واسطہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ انجیل اور تورات کا مطالعہ تو کجا۔ پادری
 فنڈر اسلام پر جو اعتراض کرتا اس میں اُلجھ کر یہ علماء رہ جاتے اسکو
 معلوم ہوا صدر نظامت کی وجہ سے آگرہ علماء کا مرکز بنا ہوا ہے....
 اس کو خیال ہوا کہ اگر یہاں کے علماء کو مناظرہ میں شکست دے دی
 تو کثیر التعداد اہل اسلام اپنے مذہب سے منحرف ہو کر مشرف
 بہ عیسویت ہو جائیں گے۔ اس زعم باطل میں آگرہ آیا۔ اعلیٰ حکام
 صدر کے یہاں مقیم ہوا۔ اور مشاہیر علماء کو کھلا چیلنج دیا۔ مجلس علماء میں
 مشورہ ہوا اور ڈاکٹر وزیر خاں نے پادری فنڈر کا چیلنج منظور کیا۔
 اور اپنے دوست مولوی رحمت اللہ کیرانوی کو بلا بھیجا۔ وہ بھی
 ڈاکٹر صاحب کی طرح شوقیہ مذہب عیسویت کا مطالعہ کئے ہوئے
 تھے۔ مولوی رحمت اللہ نے پادری فنڈر سے خط و کتابت
 کے ذریعہ مناظرہ شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب آگرہ
 آئے اور چھٹی اینٹ میں قیام پذیر ہوئے۔

پادری فنڈر کو ایک خط میں مولانا نے لکھا کہ جس مذہب
 کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو، اور جس کتاب کو تم آسمانی صحیفہ
 کہتے ہو وہ کتاب اپنی اصل حالت پر نہیں ہے اور تم جیسے پیشوایان مذہب

عیسوی نے اپنی دینی کتاب ”انجیل“ میں بہت کچھ تخریف کر دی ہے
 آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے۔
 شروط و مناظرہ میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر مولانا
 مرحوم پادری فنڈر کے ان اعتراضات کا جو وہ صداقت اسلام
 پر کر کے جواب نہ دے سکیں تو مولانا مذہب عیسوی اختیار کر لیں۔
 اس طرح اگر پادری فنڈر مولانا کے سوالات کا جواب دے سکے
 تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔

موضوع بحث میں جو معرکتہ الآرا مسائل مولانا کے ذمہ
 تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور کلام مجید کا
 آج تک بلا تخریف اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ من اللہ اور
 آسمانی کتاب ہونا۔

ابطال تثلیث کے ساتھ تخریف انجیل کا مدلل ثبوت پیش
 کرنا تھا۔

اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثبات تثلیث اور یہ امر
 ثابت کرنا تھا کہ موجودہ انجیل جو آج پادریوں کے ہاتھ میں
 ہیں یہ وہی صحائف آسمانی ہیں جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئیں
 ان میں کسی قسم کی تخریف نہیں ہوئی۔

صدر نظامت کے انگریزی حکام کو پادری فنڈر سے
 ملے اظہار الحق عربی،

دلی ہمدردی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب سے مناظرہ کا بڑا انتظام کیا گیا۔ اخبارات سے اعلان عام تھا۔ دور دور سے علماء اور پادری اس مناظرہ میں شریک ہونے کے لئے آئے۔

۱۸۵۶ء مطابق رجب ۱۲۷۲ھ میں مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی۔ مسٹر اسمٹ حاکم صدر مسٹر کوشین سکریٹری ریونیو بورڈ مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی مسٹر لیڈلی مترجم اول برٹش گورنمنٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمائدین شہر میں مولوی امیر علی شاہ مولوی قمر الدین حناں مہتمم اسعد الاخبار مولانا مولوی مظفر علی شاہ جعفری القادری سید صفدر علی شکوہ آبادی۔ پنڈت جگل کشور مولوی فیض احمد بدایونی حضور احمد۔ امیر اللہ وکیل۔ راجہ بنارس۔ امجد علی وکیل سرکار مفتی ریاض الدین۔ سراج الحق ابن مولوی فیض احمد بدایونی۔ مولوی معین الدین۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی۔ مولوی کریم اللہ خاں پٹھریاوی صدر الصدور مفتی اسد اللہ خاں۔ قاضی القضاۃ۔ خادم علی مہتمم مطلع الاخبار۔ سید حافظ حسین۔ حافظ خدا بخش۔ ڈاکٹر الہام اللہ گوپاموی۔ مفتی انعام اللہ ساحر قاضی باقر علی خاں ہمدانی۔ راجہ بلوان سنگھ کاشی۔ مولوی سید مدد علی پیش امر زین العابدین عابد

۱۔ نظام تعلیم از مولانا مناظر حسن گیلانی، اظہار الحق، ۱۹۰۷ء، داستان تاریخ اردو۔
۲۔ انشائے بیخبر از نظام اللہ شاہ، ۱۹۰۷ء، مخزن جاوید حصہ چارم

محمد عبدالشہید کولوی۔ ڈاکٹر مکند لال۔ حکیم فرخند علی گوپاموی۔ مفتی
اکرام اللہ گوپاموی۔ سید فضل حسین۔ ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی
مولوی غلام امام شہید۔ مولوی غلام جمیلانی۔ مولوی طفیل احمد۔
خیر آبادی۔ حکیم خواہر لال۔ غلام محمد خاں رہا۔ خلیفہ گلزار علی اسپر
حکیم غلام قطب الدین خاں باطن۔ مولوی سراج الاسلام امام
جامع مسجد و پیشکار صدر شریک مناظرہ ہوتے۔

مجلس مناظرہ

نصاری کی طرف سے پادری فنڈر مناظرہ اول سس فرج مناظر
دوم اور مسلمانوں کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور
مناظر دوم ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ پادری نے اسلام پر چند اعتراض
کئے۔ وہ مولوی رحمت اللہ نے باتوں باتوں میں دفعہ کر دیے۔ یہی
اثر تمام جلسہ پر اچھا پڑا۔ مولوی صاحب نے کہا پادری صاحب
آپ کے شکوک کا ازالہ تو کر دیا گیا۔ میرے چند اعتراض ہیں، انکا
جواب مرحمت ہو پادری فنڈر کے لئے یہ پہلی بات تھی۔ ورنہ عموماً
معارض ہی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ نے انہیں کے
کثیر التعداد نسخے مجلس کے سامنے کھول کر رکھ دیے۔ کہ پہلے تو
اختلاف عبارت ملاحظہ ہو۔ اور اس سے بڑھ کر ترجمہ کیا گیا وہ
دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب مولوی نے

ایک مدلل تقریر توریٹ اور انجیل کے محرف ہونے پر کی پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔ سبس فریج کو ڈاکٹر وزیر خاں تقریر کا خلاصہ سناتے جاتے تھے۔ وہ انگریزی اور فریج زبان بھی جانتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مولوی صاحب کے بعد جو جامع تقریر کی ہے تمام حکام پر اوس سی پڑ گئی۔ پادری گھبرا سا گیا۔ دلائل کا جواب بن نہ پڑا تو معترف ہوا کہ انجیل اور توریٹ محرف ہیں۔ اور میں اس کا مقرر ہوں۔ مگر مسئلہ تثلیث میں تحریف نہیں ہوئی۔ علمائے مجلس اور حکام صدر کو حیرت تھی کہ جن کتب کو خود پادری صاحب محرف مان رہے ہیں اس کے مسئلہ کو محرف قرار نہیں دیتے۔ آخرش پادری صاحب کو شکست ماننا پڑی اور چپکے سے آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ پھر ہندوستان ٹھہرا ہی نہیں۔ پادری فنڈر اور مولوی رحمت اللہ کے مابین خط و کتابت ہوئی۔ اس مجموعہ کو امین الدین ہندی نے شائع کیا۔ روداد مناظرہ سید عبداللہ اکبر آبادی نے شائع کی "اثبات تحریف انجیل" وزیر الدین بن شرف الدین دہلوی نے فتح الملک مرزا فخر الدین بہادر ولی عہد بہادر شاہ کے صدف سے شائع کی۔ مگر انگریز حکام کو ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ مثل خار کھٹکنے لگے۔ چند ماہ بعد اقطاب ۱۸۵۷ء رونما ہو گیا۔ مولوی رحمت اللہ کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہو گیا۔ مولوی صاحب نے حجاز کا راستہ لیا اور وہاں بخیر و خوبی پہنچ گئے۔

مولوی صاحب ^{۱۲۳۳ھ} میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی علی احمد کے ہمراہ تحصیل علم کے لئے شاہجاں آباد آئے۔ مدرسہ مولوی محمد حیات میں قیام کیا۔ ان کے والد نجیب اللہ مرہٹہ سردار ہندوراؤ کے دیوان تھے۔ پھر لکھنؤ جا کر مفتی سعد اللہ سے تکمیل علوم عربیہ کی کی۔ اور ازالۃ الاوهام کتاب لکھی۔ حجاز جا کر مکہ میں مدرسہ مولتیہ قائم کیا۔ سلطان روم ایک سو پچیس روپیہ ماہوار دینے تھے۔ بعمر ۷۷ سال ۲۴ رمضان ۱۲۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار میدان میں نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج انقلابیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی۔ انگریز قلعہ بند ہو گئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے۔ بہادر شاہ کا دربار جہا ہوا تھا۔ بریلی سے جنرل بخت خاں آچکے تھے۔ وار کو نسل بنی ہوئی تھی۔ مرزا مغل خضر سلطان۔ جواں بخت۔ مرزا عبداللہ حکیم احسن اللہ خاں۔ نواب زینت محل مفتی صدر الدین خاں۔ مولوی امام بخش صہبائی اس کے ارکان تھے۔ ڈاکٹر بھی مجلس شوریٰ میں داخل کر لئے گئے۔ جنرل بخت خاں لارڈ گورنر تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مولوی فیض احمد مرزا مغل کے پینسکار مقرر ہوئے۔

۱۲۰۸ھ جنرل بخت خاں روہیلہ۔ ازبیدہ انیس فاکٹہ بریلوی (رسالہ مسند علی گڑھ)

جنرل صاحب نے انگریزی فوج کو جہاں مقابلہ ہوا شکست دی۔ مرزا مغل ایک نعرہ کہہ کر میں منہ کی کھا آئے۔ ادھر مرزا الٹی بخش نے مرزا مغل کو گناٹھ لیا تھا اور خوف زدہ کر دیا تھا کہ جنرل روہیلہ نواب غلام قادر کے خاندان سے ہے۔ بہادر شاہ اور تمھارے پردے میں انگریزوں کو نکال کر خود تخت نشین ہونا چاہتا ہے۔ مرزا مغل کچھ کان کے دوست دشمن کو نہ پہچان سکے۔ جنرل بخت خاں نے ایک مورچہ خود سنبھالا۔ دو سہرا پورچہ کشمیری گیٹ کا مرزا مغل کے سپرد کیا۔ مرزا نے وقت پر ہمت ہار دی۔ جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے جاتی رہی۔

جنرل نے یہ رنگ دیکھ کر ڈاکٹر زیر خاں سے کہا اپنی فوج کو عینچہ کر لو اور اپنے ہمنوا جو ہوں ان کو ساتھ لو۔ یہ مغل بچے انگریزوں سے ساز باز کر گئے۔ نتیجہ یہ نظر آتا ہے ہم سب یہیں کھیت ہو کے رہ جائیں گے۔ مقبرہ ہمایوں جا کر بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ اور سب حال عرض کیا۔ اور کہا آپ میرے ساتھ چلئے۔ مگر نواب زمینت محل نے بادشاہ کو اس کی ہمراہی کے لئے آمادہ نہ ہونے دیا۔ آخرش جنرل صاحب دلی سے روانہ ہو گئے۔ اسکے جاتے ہی مقبرہ ہمایوں میں بہادر شاہ گرفتار کر لئے گئے۔ مرزا مغل اور نضر سلطان کو پٹن سے لکھنؤ کا نشانہ بنایا۔ مرزا قویش روپوش ہو گئے۔ جنرل صاحب اور ڈاکٹر صاحب لکھنؤ آئے۔ حضرت محل

کے مہمان ہوئے۔

یہاں دو دربار جمتے تھے۔ ایک مرزا برجیس قدرابن واجد علی شاہ کا دوسرا مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کا۔ شاہ صاحب کے یہاں حجابدین اور علماء کا مجمع تھا۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا جوئی مقصود تھی۔ مرزا برجیس قدر کے یہاں مومناں کی طوطی بول رہی تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ ناچ و رنگ کی محفلیں ہوتیں۔ غدار ملک و وطن ارد گرد جمع تھے۔ انگریزوں سے ساز باز کئے ہوتے تھے۔ جنرل بخت خاں رنگ دیکھ کر شاہ صاحب کے "علم" کے نیچے آجے۔ ناناراڈ پیشوا کا پنور سے آگے۔ عظیم اللہ خاں پہلے سے موجود تھے۔ مولوی لیاقت علی الہ آباد سے آگے۔ شہزادہ فیروز شاہ مرزا کو چاک سلطان یہ سب حضرات مولوی احمد اللہ شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ شاہ صاحب نے انگریزوں سے کئی معرکے جیتے۔ مگر مومناں کی حماقت سے حضرت محل مرزا برجیس قدر کو محلات سے لیکر لکھنؤ سے باہر روانہ ہوئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کو کامیابی ہوئی۔ شاہ صاحب مقابلہ کہاں تک کرتے۔ انھیں بھی ہٹنا پڑا۔ شاہ جہاں پور پہنچے۔ یہاں نواب قادر علی خاں ناظم شہر۔ نواب بہادر خاں نمبرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں والی بریلی کی طرف سے تھے۔

۱۔ تیسرا نواب شیخ محمد دوم شاہ صاحب حافظ رحمت خاں از مولوی الطاف علی بریلوی۔

رئیس فرخ آباد اور جنرل اسماعیل خاں

بھی یہاں آگئے۔ شاہ صاحب نے تمام فوج منتشر کر دیا اور
۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو پھوپھورہ کے قریب انگریزی فوج سے سخت
مقابلہ کیا۔ سرکار کابل فوج گراں سے آگیا تو سب کی رائے سے یہاں
سے ہٹ کر محمدی پور کی گڈھی پر قبضہ کیا۔ اور اس کی دھنس بندی
کی گئی۔ اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ جنرل فوج بخت خان مقرر ہوئے۔
قاضی سرفراز علی گورکھپوری قاضی القضاة مقرر ہوئے۔ ناناراؤ
اور شہزادہ فیروز شاہ وزیر مقرر ہوئے۔ سگہ مضروب ہوا۔

سگہ زور ہفت کشور خادم محراب شاہ

عاجی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

مگر شاہزادہ فیروز شاہ خود بادشاہت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہاں
بھی دو ملاؤں میں مرغی حرام ہو گئی۔ حضرت محل اور جمو خاں نے مکران
کابل کی یلغار سے پریشان ہو کر نیپال کی طرف رخ کیا۔ حضرت شاہ صاحب
راجہ بلدیو سنگھ رئیس پوائین کی دعوت پر پوائین گئے۔ دھوکے
سے گولیوں کا نشانہ بنے۔ یہ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کا واقعہ ہے۔

سب ساتھی ہمدرد موقع ملا چلتے ہوئے۔ ڈاکٹر وزیر خاں حجاز
روانہ ہو گئے۔ مگر معظّمہ جاگر مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے پاس
مقیم ہو گئے۔ اور اپنا مطلب وہاں کھول لیا۔ ایک عرب سردار

۱۵ قیصر التواریخ حصہ دوم ص ۱۷ تاریخ المد منظوم از مولوی فتح محمد تائب کھنوی

عبداللہ الیمینی سے تعلقات ہو گئے۔ اس کی بیوی سخت علیل ہو گئی
 جانبر ہونے کی کوئی توقع نہ تھی۔ ڈاکٹر وزیر خاں کے علاج سے
 اس کو شفا ہوئی۔ عبداللہ الیمینی نے ڈاکٹر صاحب کی مالی خدمت
 کرنا چاہی مگر آپ نے منظور نہ کی۔ عبداللہ آپ کا بڑا معتقد ہو گیا
 حکومت برطانیہ کا ہندوستان پر کامل تسلط جب ہو گیا تو اپنے باغیوں
 کی تلاش میں سرگرم سعی رہی۔ ہندوستان میں جو ہاتھ لگا پھانسی یا
 انڈمان کی سزا دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی تلاش جاری تھی۔ معلوم ہوا
 کہ وہ مکہ معظمہ میں ہیں تو سلطان عبدالعزیز خاں سے مراسلات کا
 سلسلہ جاری کیا۔ اور لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے قلمرو میں ہے۔ اس کو
 ہمیں دیا جائے۔ سلطان نے شریف مکہ کو لکھا انھوں
 نے ڈاکٹر صاحب سے اظہار واقعہ کیا اور کہا کہ آپ کو بچانا میرے
 امکان سے باہر ہے۔ البتہ عبداللہ الیمینی سے آپ ملے۔ چنانچہ
 ڈاکٹر صاحب ان سے ملے۔ عرب سردار نے کہا ڈاکٹر صاحب
 دس ہزار عرب میرے قبیلہ کے ہیں۔ بچہ بچہ کٹ جائے گا جب
 کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اور شریف مکہ کو کہلا بھیجا کہ سلطان
 روم کو لکھ دیں کہ ڈاکٹر صاحب عبداللہ الیمینی کی امان میں ہیں
 کوئی انکے نہیں ملا سکتا۔ چنانچہ سلطان نے صاف انکار لکھ دیا۔ کہ
 ڈاکٹر نہیں دیا جا سکتا۔ برطانیہ فاموش ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے عمر طبعی پا کر انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں

دفن ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ”تحریر انا جیل“ ایک مبسوط کتاب لکھی۔ جس کا مسودہ ڈاکٹر محمد نفیس کے پاس راقم السطور کی نظر سے گزرا ہے۔

عظیم الشرفاں

عظیم الشرفاں ہندوستان کا وہ سپوت ہے جس نے حکومت انگلشیہ کے خلاف ایک محاذ جنگ قائم کیا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار پر وہ کاری ضرب لگائی کہ اگر خدایاں ملک و وطن حکومت کا ساتھ نہ دیتے اور اپنوں کے ساتھ غداری نہ کرتے تو انگریز کبھی کے ہندوستان سے رخصت ہو چکے ہوتے۔ عظیم الشرفاں نے بہادر شاہ کو نظر انداز کر کے ناناراد پشوا کو پیش پیش رکھ کر مرہٹہ طاقت سے کام لینا چاہا۔ مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اس کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انگریز اس انقلابی شخص سے اس قدر خفا لگتی کہ تاریخ میں مجبوراً ذکر تو کرتے ہیں۔ مگر حقارت سے اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ عظیم الشرفاں کو ایک غریب گھرانہ کا ہی نہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کے خاندان کا فرد قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کو ایک اینگلو انڈین کے پھاں بوائے کی صورت میں



کابلور سجاھدین مند اور انکر بزون کے درمیان ایک جرأت مذاانہ معرکہ

پیش کر کے خانسا بنا یا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ذاتی شوق سے انگریزی پڑھتا ہے اور میشن کے فری اسکول میں داخل ہو کر معقول استعداد حاصل کرتا ہے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر ماسٹر اس اسکول کا بن جاتا ہے۔

مگر مشرفارس میچل اپنے روزنامہ میں محمد علی خاں عرف بے می گوین کے ذکر میں محمد علی خاں روہیلکنڈی کی زبانی لکھتا ہے کہ۔
”میں نے اور عظیم اشرفاں نے گورنمنٹ اسکول کانپور میں گنگا دین سے انگریزی کی تعلیم پائی تھی اور بعد کامیابی عظیم اشرفاں ملازم اس اسکول میں ہوئے۔“

عظیم اشرفاں ذہین اور تیز طبع تھے۔ بہت جلد مطالعہ سے استعداد و فاضلانہ بڑھالی۔ تھوڑے عرصہ میں عظیم اشرفاں کی انگریزی کی کانپور میں دھوم مچ گئی۔ جو گورنر کانپور آتا ہی ایڈریس اس کا لکھتے تھے کہ حکام ضلع میں بڑا رسوخ ان کا ہو گیا۔ کلکٹر کانپور نے نانا راؤ رئیس بھور سے ان کی اعلیٰ قابلیت کا ذکر کیا۔ نانا صاحب نے عظیم اشرفاں کو بلا یا۔ اور ان کی گفتگو کا اثر بہت کچھ لیا۔ اور ان کی کارکردگی سے ایسا خوش ہوا کہ ان کے بغیر نانا صاحب کوئی کام ہی نہ کرتا۔

نانا صاحب کا نام ہمارا جگو سوند و پنت نانا راؤ تھا
نانا راؤ ان کے والد کا نام مادھو نرائن راؤ بھٹ موضع

ویٹرون علاقہ پونا کے رئیس تھے۔ خاندان پیشوا سے منسلک تھے۔ آخری پیشوا باجی راؤ رئیس بھور کے پاس مادھو نرائن آئے۔ ان کے ساتھ نانا راؤ بھی تھے۔ ان کی عمر ڈھائی تین سال کی تھی۔ باجی راؤ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ مگر اولاد میں صرف دو لڑکیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے باجی راؤ نے مادھو نرائن سے نانا راؤ کو گود لے لیا۔ اور اپنا متبنی بنایا۔ اور ان کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا گیا۔ انگریزی تعلیم بھی پائی۔ باجی راؤ کا ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔ نانا صاحب کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ بھور کا علاقہ نانا صاحب کے قبضہ میں آیا۔ اور خزانہ بھی ملا۔ گورنمنٹ نے یہ رعایت روارکھی۔ کچھ سپاہ اور چھ توپیں اپنے قلعہ میں رکھ سکیں۔ مگر ۸ لاکھ سالانہ پنشن جو باجی راؤ کو ملتی تھی لارڈ دلہوزی نے بند کر دی۔ اور نانا صاحب کو ان کا جانشین نہ مانا۔ اور ان کی جاگیر سے البتہ تعارض نہیں کیا۔ نانا راؤ نے حکام کے ذریعہ پنشن کھلوانا چاہی مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عظیم اللہ خاں نے اس سلسلہ میں بہت دوردھوپ کی مگر کوئی صورت کامیابی کی نہ نکلی۔ تو ہر دو صاحب میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ مسئلہ انگلستان جا کر ڈاکٹر کسٹران کپنی کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء میں عظیم اللہ خاں کو پانچ لاکھ روپیہ دے کر نانا صاحب نے ولایت روانہ کیا مگر علی خاں روہیلکنڈی ان کے

ساتھ تھے۔ اور نانا صاحب کے بھائی بالا صاحب کو کھلے کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ انگلستان جا کر ایک اعلیٰ ہوٹل میں ٹھہرے اور ڈائریکٹران سے عظیم اللہ نے تبادلہ خیال کیا۔ اور لارڈ دلہوزی کی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ دعوتوں کا سلسلہ بھی قائم رکھا۔ مگر ڈائریکٹران نے صاف جواب دے دیا جس سے ان کو سخت ناامیدی ہوئی۔ پانچ لاکھ روپیہ بھی صرف کیا مگر سب بے سود رہا۔ وکلاء کو معقول معاوضہ دیا گیا۔ مٹھی بھی گرم کی گئی۔ اس زمانہ میں ایک وفد راجہ ستارہ کی طرف سے بھی انگلستان آیا ہوا تھا۔ اس کے سرگروہ رنگو جی پاپو جی تھے۔ وہ بھی ناکامیاب رہے۔ عظیم اللہ اور رنگو جی دونوں نے مشورہ کیا کہ ہندوستان چل کر انگریزوں سے گلو خلاصی کی تدبیر ضرور کرنا چاہئے۔ ورنہ جو ریاستیں ان کے دندان آرز سے ابھی بچ رہی ہیں وہ تو محفوظ ہو جائیں گی چنانچہ رنگو جی پاپو جی ہندوستان لوٹ آئے اور انھوں نے اس علاقہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔

عظیم اللہ شرفاں کی حسن لیاقت اور شریفانہ طور طریق کی انگلستان میں بڑی دھوم تھی۔ اخبارات میں ان کو "پرنس آف انڈیا" لکھا جاتا ان کی نوجوانی اور خوبصورتی نے امراد کی صاحبزادیوں کو ان کا حوالہ بنا دیا۔ ان کے عاشقانہ خطوط ان کے نام آنے لگے لیکن مگر

ملکہ ماریخ باغ ہندوستان ۱۸۰۱ء یہ خطوط انڈین پرنس اینڈ ولی انگلش کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

عظیم الشکر گو سب سے مراسم رکھتا تھا۔ اور ہر ایک کو اس کی محبت کا جواب محبت سے دیتا تھا۔ مگر کسی غلط راستہ پر اپنے کو لگنے نہ دیا اور نہ کسی بُرائی کا دھبہ دامن پر آنے دیا۔ صرف عاشقانہ خطوط تک لطف اندوز ہوتا رہا۔ انگلستان سے فرانس آیا۔ یہاں بھی لعبتان فرانس اس کی گرویدہ ہو گئیں۔ مگر اپنے دامن کو آلودگی سے بچاتا ہوا قسطنطنیہ چلا گیا۔ یہاں سلطان عبدالعزیز کا زمانہ تھا۔ وہاں کے امراء اور اراکین سلطنت سے ملا جلا۔ اس کے بعد کرمیا گیا۔ ان دنوں روس اور انگلستان اور فرانس سے جنگ ہو رہی تھی۔ لندن ٹائمز کے ذمہ نگار مسٹر رسیل کے خیمہ میں عظیم الشکر فرسکس ہوا اور اس کے ساتھ سبٹاپول جو میدان جنگ بنا ہوا تھا جہاں سے نامہ نگار اور امرائے روس جنگ کا نقشہ دیکھ رہے تھے۔ یہ بھی وہیں بیٹھے تھے اتفاقاً ایک گولہ ان کے سامنے آ کے گرا۔ ان کے پاس کے لوگ سب بھاگے۔ مگر یہ پر سکون طور پر اپنی جگہ سے نہ ہلا جب گولہ غبار چھٹا تو مسٹر رسیل ان کو دیکھنے آیا کہ عظیم الشکر گولے سے مرجھا ہو گا۔ اس کی لاش کی تدفین کا انتظام کیا جائے یہاں یہ حال دیکھا کہ عظیم الشکر اپنی کرسی کے پاس کھڑے ہوئے کپڑے جو غبار سے گرو آلود ہو گئے تھے بڑے اطمینان سے جھاڑ رہے ہیں۔ مسٹر رسیل اہل اس کے ساتھی ان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور عظیم الشکر نے بولے کہ آپ جب گولے سے بچ گئے تھے

تو کیوں نہ بھاگے۔ عظیم اللہ نے کہا میں ہزدل نہ تھا۔ جو واقعہ ہونے والا تھا ہنچکا تھا۔ عبث تھا کہ میں جگہ چھوڑتا۔ جو روسی وہاں موجود تھے ان پر عظیم اللہ کے استقلال طبیعت کا بجد اثر ہوا۔ اور وہ ان کے قیام گاہ پر آکر ملے۔ اور ان سے تعلقات قائم کئے۔ اور ان کو آمادہ کیا۔ کہ ہندوستان میں انگریز کے خلاف قدم اٹھائیں۔ شاہ روس ان کی معاونت کرے گا چنانچہ کچھ روز رہ کر یہ قسطنطنیہ لوٹے اور مصر ہوتے ہوئے ہندوستان آگئے۔ ناناراؤ سے تمام واقعات کہے اور ناناراؤ کو آمادہ کیا کہ وہ بٹور میں بیٹھ کر تمام نوابوں اور رجواروں کے پاس سفیر روانہ کرے۔ چنانچہ ناناراؤ نے کل اختیارات عظیم اللہ کو سپرد کر دیے۔ انھوں نے ایچی ہر جگہ بھیجے۔ مگر راجہ اور نواب انگریزی اقتدار سے خوف زدہ تھے۔ جواب لکھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ مشورہ یہ ٹھہرا ناناراؤ اور عظیم اللہ جاترا کے نام سے تمام ہندوستان کا دورہ کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کی جماعت کا بڑا رکن سردار مرہٹہ مہا بیر تانتیا ٹوپے اور اس کا باپ سری پانڈورنگ راؤ بھٹ تھے۔ نانا صاحب کی دختر نیک اختر مینا بائی جو عظیم اللہ خاں کی شاگرد تھی وہ بھی ہموا تھی۔ باپ سے زیادہ اس سے کہہ دل میں انگریز دشمنی تھی۔ تانتیا ٹوپے نے تعمیرانہ لباس اختیار کر کے ملک کا دورہ کیا۔

اور اپنے چیلوں کو فوج سرکاری میں چھوڑ دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ نے اکبر آباد میں علماء کی ایک جماعت بنالی تھی۔ پیری مریدی کا سلسلہ قائم کر کے انگریز کے خلاف خفیہ طور پر کام کر رہے تھے۔ ظاہرہ ندہی تملیخ تھی۔ باطن میں کمیونٹی کے اقتدار کا خاتمہ کرنا تھا۔ عظیم اللہ بھی شاہ صاحب سے مل چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت نے واجد علی شاہ کو معزول کر کے اودھ میں عام بھینپنی پیدا کر دی تھی۔ اس کے وزیر علی نقی خاں نے کلکتہ جا کر فوجوں میں بغاوت پھیلانے کا انتظام کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کا اثر یہ پڑا بارک پور میں منگل پانڈے نے اعلانیہ بغاوت کا اظہار کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے فوجی قانون کی رو سے گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ عظیم اللہ اور نانا راؤ کا دورہ کامیاب رہا۔ دہلی لکھنؤ۔ پونا وغیرہ غرضکہ جہاں جہاں گئے وہاں شورش کے انتظامات ہو گئے۔ ۲۰ جون جنگ آزادی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ مگر میرٹھ میں ارمی سہ ماہی کو ہی فوج میں بغاوت انگریز کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ کا پنور میں تھے ان کو اس دن اطلاع اس واقعہ کی مل گئی۔ یہ کچھ فوج لے کر دلی روانہ ہوئے۔ کلیان پہنچے تھے عظیم اللہ نے کہا جگہ جگہ شورش ہونا چاہئے۔ دلی کو ہی مرکز نہ بنایا جائے۔ چنانچہ کانپور لوٹ کر ٹھہرے۔ جہنڈ اپنی حکومت کا لہرا یا۔ نانا راؤ کو گدی نشین کیا گیا اور

ہمارا راج سے خطاب کئے گئے۔ توپوں کی سلامی شلک ہوئی
 نانا صاحب نے عدالت مقرر کی۔ جس کے ارکان میں عظیم اللہ
 خاں۔ بابا بھٹ جوالا پر شاد رنج مقرر ہوئے اور نانا صاحب نے
 یکم جولائی کو دربار کیا۔ جس میں عظیم اللہ کو وائسرائے مقرر کیا۔
 پھر کانپور آکر کل علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ جنرل ویلز نے اسپتال کو
 ددمہ سے مضبوط کر کے بطور قلعہ کے استعمال کرنے لگے۔ انگریز
 انگریز وہاں جمع کرے۔ آخر ش نانا صاحب کی فوج نے انگریزی
 فوج پر حملہ کر دیا فوج کی کمان بیباک اور تانتیا ٹوپے کے ہاتھ
 میں تھی۔ ۲۸ دن معرکہ رہا۔ آخر ش جنرل نے بیباک کے ذریعہ امان
 طلب کی۔ عظیم اللہ اپنے سرداروں کو لے کر جنرل ویلز سے
 ملے اور عہد و میثاق ہوا۔ چنانچہ سات کشتیوں پر اسلحہ حرب اور
 ضروری اسباب لاوا گیا۔ جنرل صاحب ایک کشتی میں بیٹھے
 بقیہ میں کچھ انگریزوں و مرد بیٹھے بقیہ بیٹھا چاہتے تھے بلا صاحب
 گوکھلے نے نسخ عہد کیا۔ اور کشتیوں پر گولیوں کی بار ماری جو گھاٹ
 پر تھے تہ تیغ کئے گئے۔ جنرل ویلز بیچ کر آباد پہنچ گئے۔

اس واقعہ سے تانتیا ٹوپے اور عظیم اللہ خاں اور بیباک
 نانا راو سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ عظیم اللہ کا پھر نام نانا راو کے
 ساتھ تاریخ میں نہیں آتا۔ عظیم اللہ لکھنؤ آکر احمد اللہ شاہ کے

ملکہ قیصر التواریح

ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے حملہ پہلی گیارہویں حصہ لیا۔ عظیم اللہ کا بھی ایک وڈو تھا۔ جنرل اوٹرم سے مقابلہ کیا یہ عظیم اللہ کے اور تانتیا کے ہتھے ہی نانا راؤ عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے پندرہ ہزار فوج صرف رہ گئی تھی۔ جن انگریزوں کو پناہ دے رکھی تھی ان میں سے دو بیہوشوں نے اپنے حالات کی چھٹیاں الہ آباد بھیج دیں وہ راہ میں پکڑی گئیں۔ اس پر جھلا کر نانا راؤ نے سب قیدیوں کو گھاٹ کنارے پہنچا دیا ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل مہیولاک کا پور پر متصرف ہو گئے اور عملہ داخلہ ہو گیا۔ پھر عظیم اللہ مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہ جہاں پور تک رہے۔ پھر نانا راؤ کے ساتھ نیپال چلے گئے۔ وہیں ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا۔ نانا راؤ کا مفصل تذکرہ آگے آرہا ہے۔



۱۸۵۷ء تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۹۶ء قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۶۸

حالات مولانا جعفر تھانیسری

مولانا کا گھر انا شرفا کا تھا ۱۲ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس وقت تک تعلیم کا کچھ انتظام نہ ہو سکا۔ ماں ایک سلیقہ مند خاتون تھی۔ ان کی سرپرستی میں تربیت پائی۔ بدو شعور پر خود مولانا کو اپنی تعلیم کا خیال آیا۔ چنانچہ تھانیسری کے مدرسہ ابتدائی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے مدرسہ صادق پور کی خانقاہ سے متعلق ہو گئے۔ ان کا کام بچوں کی تعلیم اور اپنی اصلاح کا تھا اس کا اثر مولانا کے قلب پر بھی پڑا۔ جب اچھی لٹریچر سے استفادہ ہو گئی تو پیشہ عرضی نویسی اختیار کیا۔ طبیعت کا رجحان قانون کی طرف تھا۔ وکیل تک آپ سے مشورہ لیا کرتے۔ ایک طرف عرضی نویسی سے آمدنی پیدا کرتے۔ دوسری طرف اپنی استفادہ علمی کو ترقی دیتے۔ کچھ عرصہ بعد اپنے قصبہ کے نمبر دار کی حیثیت اختیار کر لی۔ مولوی ولایت علی کے مرید سے ملاقات ہوئی اور مولانا جعفر خود پٹنہ گئے پھر صادق پور میں کچھ عرصہ قیام کیا اور مبلغین کی جماعت کے ایک رہنما ہو گئے۔ مولوی بھی علی سے اپنا شریک کار بنا لیا۔ چنانچہ تھانیسری آ کر انھوں نے بھی

مولوی بیچلی علی کی طرح کام شروع کر دیا۔ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔
 ۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا تو جعفر اپنے دس
 مریدوں کے ساتھ مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا
 جنگ کے غیر مانوس کام میں بھی اس کی اعلیٰ قابلیت نے
 اس کو نمایاں کر دیا۔ اور اب وہ ان لوگوں میں شمار ہونے لگا
 جن کے پاس باغیانہ راز محفوظ رہ سکتے ہیں۔ دہلی میں جب
 باغیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں تو جعفر عرضی نویسی کے
 کام پر تھما نیسرواپس آ گیا۔

مولانا جعفر نے اپنے حلقہ اثر میں تبلیغ و اصلاح کا کام شروع
 کر دیا تھا۔ اس طرح بنگال کے صوبہ میں مرکزی جگہوں میں
 دارالاشاعت قائم تھے۔ مولانا عبد الرحمن لکھنوی جو مولانا
 ولایت علی کے خلیفہ تھے۔ بعد تحصیل علم ضلع مالده جو جنوبی بنگال
 کا حصہ ہے اس طرف آکر قیام کیا۔ وہیں شادی کی۔ اور دیہات
 میں دورہ کر کے بدعات کے خلاف اصلاحی کام بڑے پیمانہ
 پر انجام دے رہے تھے۔ بیس پچیس برس کے بعد ان کے
 صاحبزادہ مولوی امیر الدین نے باپ کا کام سنبھالا۔ ڈاکٹر ہنٹر
 نے مولانا کے لئے لکھا ہے۔

”وہ سرحدی کیمپ کے لئے پٹنہ مرکزی دارالاشاعت کو

سے ہمارے ہندوستانی مسلمان

ہر سال روپیہ اور روٹی بھیج دیتے تھے۔ مولانا بھی مسترد
سرکار کے پیٹ میں آتے آتے رہ گئے۔

۱۸۶۴ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی
شروع کی تب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان
سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دئے جائیں۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء
سے ۱۸۶۵ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگان
ہند پر یکے بعد دیگرے مقدمات بغاوت چلائے گئے۔ ان
مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان عادی پور پٹنہ کے خاندان کے
لوگ اور ان کے مریدین اور معتقدین تھے۔

مولوی ولایت علی کے بڑے سا جزادہ مولوی عبداللہ
اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے سرحد چلے گئے تھے ان کے حقیقی
چچا زاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخر الذکر کے حقیقی ماموں
یحییٰ علی اور مولوی احمد اللہ اور مولانا محمد جعفر تھا نیسری سب
کے سب ۱۸۶۴ء میں اس جرم میں مانوے ہوئے کہ انھوں نے
اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھی۔ اور انھیں مالی امداد
دی بھی۔ حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۶۴ء سے جاری تھا۔ جب کہ حکام
گورنمنٹ خود جاہدین کی ہنڈیوں کا روپیہ انھیں وصول
کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحییٰ علی پٹنہ کے
بڑے رؤسا میں سے تھے۔ اور اول الذکر گورنمنٹ کے

مسلم خیر خواہ تھے۔ اور اس کی خدمت انجام دیتے تھے۔ پھر
حال ان اصحاب پر اور ان کے ساتھیوں پر اور اسی قسم
کے لوگوں پر جو سرحد سے تعلقات رکھتے تھے مقدمات چلائے
گئے۔

مولانا جعفر تھا نیسری نے اپنی تصنیف کالا پانی میں اپنی اس
مقدمہ کی جو کیفیت لکھی ہے اس جگہ اس کی نقل پیش ہے۔
تھا نیسراپ کے نام کا وارنٹ گیا۔ خبر ہونے پر دہلی
آئے۔ وہاں سے علی گڑھ پہنچے۔ یہاں دو ساتھیوں کے ساتھ
گرفتار ہو گئے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ :

پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی
بسواری شکر م دہلی کو روانہ ہوا۔ شکر م میں سوال کرنے سے
پہلے مجھ کو پٹری ہتھکڑی طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ دور
اور زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے
ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب
اور ایک دوسرا انسپکٹر پولیس میرے واپس بائیں بھرے
ہوئے طنچوں کی جوڑیاں لے کر میرے بدن سے بدن ملا کر
بیٹھ گئے۔ اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا
ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں اس طنچے سے

۱۰۹ صفحہ احمد صوفی

تم کو مار دوں گا۔ علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اتارے گئے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب و اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا۔ اور گاڑی بدستور چلتی جاتی تھی۔ اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔

آخر بعد مصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ جہاں لے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی تے ہم کو ایک تہ خانہ میں زمرہ درگور کر دیا۔ دوسرے دن دہلی سے کورنال پھر کورنال سے انبالہ ہم کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینو آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔ دوسرے دن فجر کے وقت پارس صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ونکفیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مشن یا جوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال تھا دو۔ تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارہن صاحب نے مجھ کو نپلے بہت دھمکا یا۔ اور پھر مارنا شروع کیا۔ جب میری مارحد کو

پہنچی اور میں گر پڑا تو ژالی صاحب اور ونکفیل صاحب کو ٹھہری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مارا پرہی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دن مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی تھے۔ دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا۔ اور وہی کارروائی شروع کی۔ مگر ٹھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا۔ جہاں ہر وہ دونوں صاحب یعنی ٹالی صاحب اور میجر ونکفیل صاحب بھی موجود تھے۔ اس دن انہوں نے میری بڑی چا پلوسی کی۔ اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں۔ کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معاونین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیں گے۔ اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو بچانسی ہوگی۔ میں نے اس چا پلوسی پر بھی انکار کیا۔ تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے ابا کو پھر مارتا شروع کیا۔ میں کہاں تک

گھروں۔ آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس سرد مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو۔ لیکن بفضل الہی میں سب سہارا گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے۔ تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیو۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کو مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیج دیا۔ میں تمام دن روزے سے تھا۔ بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا۔ اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اس کو کھا کر اور شکر الہی کر کے سو رہا۔

دسمبر سے اپریل تک یہ سب دارو گیر ہو کر بگاہ اپریل مجسٹریٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا۔ اور ہم سب لوگوں کو پچاسی گھروں سے نکال کر کچھری میں لے گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع کا بھائی محمد شفیع (لاہوری) کا اس کے دوپہ پچاسی کی دہمکی سے

محمد شفیع لاہوری شمالی ہندوستان کے ایک بہت بڑے تاجر خاندان کا چشم و چراغ تھا یہ کسٹریٹ کے ٹھیکہ دار تھے۔ ان کے والد اور دادا وارن ہسٹنگز اور لارڈ کارنوالس کے زمانہ سے کسٹریٹ کے ٹھیکے لیا کرتے تھے۔ محمد شفیع صاحب زیر شخص تھے۔ خیرات و مبرات میں معاصرین میں سبقت لے گئے تھے۔ مبلغین کی مالی معاونت کرتے رہتے اسی بنا پر ان پر مقدمہ چلا یا گیا۔ اور انڈمان یا ناپڑا۔ (ہمارے ہندوستانی گھلان - صفحہ ۲۳۶)

گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملا تھے۔ ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے جلتے تھے۔ مگر بے بس اگر گواہی نہ دیں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا۔ اور یہ سب گواہ تا اونی شہادت محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے۔ اور پولیس ہی سے ان کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بیجا کارروائیوں پر صرف ہو گیا۔ اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام ایک بڑا بوند تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا۔ جب مجسٹریٹ کے سامنے گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو اس کو ایسی سزا سخت دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمے سے قبل از پیشی مقدمہ سشن کے مر گیا۔ مگر رفع بدنامی کے واسطے پارسن صاحب نے اس کا مرنا کسی مرض سے مشہور کر دیا۔ جس دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کئے گئے تو میرا بھائی بھی بہ زمرہ گواہان زیر حراست پولیس تھا۔ اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنا لیا ہے۔ سو اب جس وقت برسرِ اجلاس میرے

اظہار تحریر ہوں گے تو میں اپنے اس بیان سے جو مارپیٹ کر لکھا یا ہے پھر جاؤں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارا اظہار بخلف تو اب اس سے پھر جانے پر مجرم دروغ حلفی تم کو سزا بہت سخت ہو جاوے گی۔ میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمہارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جاویں گی۔ اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھا یا ہے وہی اب بھی بیان کرو۔ لیکن بایں ہمہ جب اس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا۔ صاحب لوگ برسر اجلاس اس کا انکار سن کر اول تو بڑے غصے ہوئے۔ مگر بوجہ اس کی صغیر سنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا۔ کثرت گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط ہی مقدمہ کچھری مجسٹریٹ میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیش مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری ناز کا وقت آ گیا ہے ہم کو نفاذ کی اجازت بخشی جائے۔ تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی۔ مگر وہ ہانک اکیا کر سکتے تھے۔ ہم نے عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے

بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سپرد سشن ہوا۔ اس وقت تک ہم پچانسی گھروں میں علحدہ علحدہ قید تھے۔ بعد سپردگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا۔ اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی مسرت ہوئی۔

سعیدی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا

پائے در زنجیر پیش دوستاں

بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا انوار الہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے۔ نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں کی جلد کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔ اس وقت مولوی بیچئی علی صاحب کی صحبت ایک منتہات سے تھی۔ اس کے ساتھ صبر و استقلال کے انعام کو خیال کر کے اول سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری تھا۔

۱۸۶۳ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن ہوا اور

۱۵ مولوی بیچئی علی الہی بخش، عظیم آبادی سلف صالحین کا نمونہ تھے تبلیغ و اصلاح

میں رئیس المجاہدین کہلاتے تھے۔ درغشور میں آپ کے تفصیلی حالات ہیں۔

جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتوے سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایما گورنر صاحب کے لکھ لاتے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں اسپیسروں کے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سنا۔ اب جو رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسپیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھر لاتے تھے۔ اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے۔ مگر صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انھوں نے بھی لکھ دیا کہ چارے نزدیک جرم مندرجہ فرو قرار دادان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج اور کمشنر نے بعد حصول اس حیلہ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی ہوئی رکھی تھی بڑھنی شروع کی جس میں آئیں بائیں شائبہ کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیس کا جواب تھا۔ اور سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقل مند اور ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبر دار اور رئیس ہو۔ تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے ذریعے سے آدمی اور روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاہم تھا۔ تم نے سوائے انکار کے کچھ جیتا بھی خیر خواہی سرکار کا دہم نہیں بھرا۔ اور باوجود فہمائش

کے اس کے ثابت کرنے میں کچھ کوشش نہ کی۔ اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمھاری کل جائداد ضبط سرکار ہوگی۔ اور تمھاری لاش بھی تمھارے وارثوں کو نہ دی جائے گی۔ بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جنیں میں گاڑ دی جاوے گی اور آخر میں یہ کلمہ بھی فرمادیا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔ یہ سارا بیان صاحب موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سنا۔ مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ رب العزت قادر ہے۔ کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے۔ لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا۔ مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر سزائیں اس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت زندہ موجود ہوں۔ مگر وہ یہ حکم دینے سے تھوڑے عرصہ کے بعد ناگہانی موت سے راہی ملک عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا خوش ہوا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا۔ یہ حکم سنتے ہی میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے

سامنے پھرنے لگ گئیں تھیں۔

میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور ان کے بعد محمد شفیع
(حسینی۔ منشی عبدالغفار۔ منشی عبدالکریم۔ شیخ رحیم بخش۔ مولوی الہی بخش۔
قاضی میاں جان) نمبردار سب آدمیوں کو حکم سنا دیا گیا۔ جس میں
(محمد جعفر) مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں
کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں
کو دائم الجس بھور دریائے شور مع ضبطی کل جائداد کے منزا
ہوئی۔ میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت پشاش
پایا۔ لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ تاہم انہوں
نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھانا۔ اس دن پولیس والے اور
تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے۔ قریباً تمام کا تمام احاطہ
پچھری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سنا کر اس کا چپ
ہونا تھا کہ صدمہ مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے
نزدیک آکر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہئے۔
تم کس واسطے اتنا پشاش ہے۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ
شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو
کہا جاؤ۔ اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ پارسن
صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا۔ اور

سلم ہمارے ہندوستانی مسلمان صوفیہ ۱۲۹ و ۱۳۰

اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی۔ مگر خداوند تعالیٰ منتقم حقیقی تو تو موجود تھا۔ گو اس کے کام دیر اور سہولیت سے ہوتے ہیں ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بیخوف بھی دنیا میں پاگل ہو کر رہا ہی ملکِ عدم ہوا۔ اس دن تماشہ میں لوگ ہماری پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے۔ کوئی خدا کی مرضی بقضاء سے اپنے رنج کو روکتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا۔ جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت ارد گرد بڑک کے ہمارا منہ دیکھتے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی۔ اور وہاں پہنچ کر ہمارے کپڑے اور لباس معمولی اتار کر ضبط کر لئے گئے۔ اور ہم سب کو گیر والبا س پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔ ۲۲ مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ تاریک کوشریوں میں جو نواب سراج الدولہ کے بلیک ہول قلعہ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے اہالیانِ جیل خانہ سے اپنی تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب ان کوشریوں سے ہر رکھا جاوے۔ مگر سب اہالی جیل خانہ

مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک ضروری لفافہ لے کر پہنچا۔ لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ ان تین پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلا یا کرو۔ یہ مرافہ تماشائیتا سید الہی کا دلچسپ کہ اسی دم جیل خانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سنا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اس کے ریشمی رستے تیار ہوئے اور ادھر مثل مقدمہ کو واسطے منظور می پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

۲ مئی ۱۸۶۲ء تاریخ سنانے۔ حکم پھانسی سے ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ اہالیانِ جمیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشائین رہے تھے۔ عدد ہا صاحب لوگ اور میم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے مگر خلائان دوسرے عام پھانسی پانے والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرعاں پا کر یہ یورپین زوارین میں بہت تعجب کرتے۔ اکثر ہکو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی۔ تم خوشی کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اس قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر

درجہ شہادت کا ملتا ہے۔ اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔
اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سننے
جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت
شاداں اور فرحاں دیکھ گئے تو یہ چہرہ چا سب لوگوں میں پھیلا
تب صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال
کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے
وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینی نہیں چاہتے۔ بلکہ ان کو کالے
پانی بھیج کر وہاں کے معائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہتے
ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری پیشین گوئی کے صاحب
ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۴ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور
چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سنا دیا کہ تم لوگ پھانسی پانے کو
بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو۔ اس واسطے ہر کار
تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی
سزائے دائم الجس۔ بھور دریا کے شور سے بدل گئی۔ بھور سنانے
اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں
میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقرض سے ہماری
ڈاڑھی مو بچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی بھیر
بنا دیا۔

۱۷۶ "کالا پانی" از مولانا محمد حنیف تھانیسری

مولانا کی برواگی اندمان عمل میں نہیں آئی تھی کہ گورنمنٹ کو ان سے ایک کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ چنانچہ کمشنر نے مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری اور مولانا سے کہا کہ مولوی عبدالقادر جو مولانا عبدالرحیم موصوف کے چچا زاد بھائی ہیں۔ افغانستان میں وہ مقیم ہیں۔ ان سے ہی سرکار کی جنگ بمقام انبلیہ ہوئی تھی۔ پیغام مصالحت کیا جائے۔ چنانچہ مولانا تھانیسری اور مولانا صادق پوری اور مولانا بجی اعلیٰ صاحب کو بصورت قیدی انبالہ سے لاہور جیل روانہ کیا گیا۔ ایک سال وہاں قیام رہا۔ اس کے بعد بسواری ریل روانہ ملتان ہوئے۔ ہفتہ عشرہ قیام کر کے روڑی بکر سکڑ بسواری میں واقع ہے ہماز پر سوار کئے گئے۔ کوئی پینے۔ وہاں بت بذریعہ ریل کراچی آئے۔ وہاں سے یتازت بھیجی گئی۔ پھر بذریعہ ریل بمقام تھانہ لائے گئے۔ یہاں ٹھکانہ مرہٹوں تعمیر کیا ہوا تھا۔ جس کو جیل کے کام میں لایا جاتا تھا۔ یہاں چند ماہ ان اصحاب کو رکھا گیا۔ جیلر اور اہل کار شقی صفت تھے۔ اٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء کو ہماز سے مدد دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ لیر اندمان مولانا ہوئے۔ صعوبات و تکالیف ہمارے کر کے گیا رہو یہ جنوری ۱۸۶۶ء سے یہ قافلہ جزیرہ انڈمان روانہ ہوا۔ یہاں منشی سید ابراہیم زمان اکبر آبادی

جنگ ۱۸۵۷ء کے مجاہد علماء سے تھے۔ انہوں نے اپنے مکان میں لے جا کر رکھا۔ مولانا احمد اللہ و مولانا یحییٰ علی ایک جگہ رہتے۔ میاں عبدالغفار بھی ان کے پاس رہے۔ منشی صاحب موصوف تھے ہر قسم کی معاونت ان صاحبوں کی کی۔ مولانا یحییٰ علی صاحب نے ۲۲ فروری ۱۸۵۷ء کو انتقال فرمایا۔ صادق پور پٹنہ کے مکانات جن میں اس جماعت کے لوگ ٹھہرتے تھے وہ مکانات مسکونہ کھدوا کر پھینکوا دئے گئے ۱۸۵۷ء کے آخر تک بہار اور بنگال میں گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا۔ پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چوم اور مولوی تبارک علی وغیرہ پٹنہ میں مولوی نصیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک معزز ضعیف شخص ابراہیم منڈل گرفتار کر لئے گئے۔ اور پرانے گواہوں سے..... گواہی دلوں کے لئے پانی روانہ کر دیا گیا۔ امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کا کل خرچ پورا کیا۔

مولانا جعفر نے ایک نو مسلمہ سے شادی کر لی۔ وہاں ان کے اولاد ہوئی۔ تفصیل کے لئے کالا پانی (تاریخ عجیب) دیکھئے۔ مولانا جعفر اور مولوی یحییٰ علی نے وہاں بھی درس قرآن و حدیث جاری رکھا۔ گھر گھر جا کر یہ لوگ نماز روزہ کی تلقین کرتے۔

۱۷۸ در منشور از مولانا عبدالرحیم عابدی پوری ۱۸۵۷ء سیرت سید احمد شہید صفحہ ۱۷۸

مولانا احمد اللہ عظیم آبادی ابن مولوی الہی بخش رؤسا
عظیم آباد سے تھے۔ مولانا یحییٰ علی کے بڑے بھائی۔ مولانا ولایت
علی عظیم آبادی و دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شخص درس و
تدریس تھا۔ حکام سے بھی تعلقات تھے۔ ۱۸۵۷ء کی بیٹ میں
آئے رہ گئے۔ پورٹ پلیری انڈمان میں اٹھارہ سال
تک لیف و مصائب تجیل کر رہی ملک بجا ہوتے رہے۔

جعفر اٹھارہ سال انڈمان رہے۔ ۱۸۸۳ء میں مع

رفقاء کے رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے۔

مولانا نے "سوانح احمدی" اور "تاریخ عجیب" لکھی

تصانیف

اس کے علاوہ چند اور مذہبی رسائل مرتب کیے۔

مولانا نے طبعی عمر پا کر انتقال فرمایا۔ افسوس ہے اس

مجاہد کی تاریخ وفات بھی تذکرہ نویسوں نے نہ لکھی۔

۱۷۲۸

مولانا لیاقت علی الہ آبادی

مولانا چائل الہ آباد کے علمی گھرانہ کے ایک فرد محترم تھے
 علمائے عصر سے اکتساب علم کا شغل درس و تدریس تھا
 علم طریقت سے بھی لگاؤ رکھتے تھے قادر یہ سلسلہ کے
 شیوخ سے تھے چائل اور الہ آباد کے کثیر التعداد نفوس
 آپ سے بیعت تھے۔ آپ نے الہ آباد آکر قیام کیا۔
 تقدس مآبی کی شہرت تھی ہر شخص آپ کی عزت و توقیر کرتا
 اور سلسلہ بیعت میں داخل ہوتا۔ مولانا اپنے وعظ و تذکیر میں
 اقتدار نصاریٰ پر تلپھا، اشارہ کر جاتے اور اپنے مریدین کو
 جہاد کی ترغیب و تشویق کی تلقین کرتے۔ سرکاری فوج میں
 بھی آپ کے اثرات تھے۔ عرصہ سے انگریزوں کے خلاف
 لگے ہیں تحریک شروع ہو چکی تھی۔ عوام و خواص کے سوا
 فوج میں بددلی کے آثار تھے۔ میرٹھ میں انگریزوں نے
 جو سلوک فوجیوں کے ساتھ کیا تھا جس کا نتیجہ انقلاب ۱۸۵۷ء کا
 نمایاں ہو جانا تھا اس کا اثر بھی الہ آباد کی فوج ۶ رجمنٹ پر پڑا گو وہ
 خفیہ طور سے اپنا انتظام کر رہے تھے۔ ایک دستہ سپاہ پھیل

جس کا افسر رام چند تھا۔ اس نے اپنے افسر سے توپ خانہ
 ہمراہ لیکر راج گھاٹ پر متعین ہوا۔ کپتان الکزینڈر نے
 پریٹ جا کر فوج سرکاری سے کہا جنگی سامان قلعہ میں بھیج دو
 یہاں پہلے سے انگریزوں اور اہل و عیال کے پہنچ گئے تھے فوج
 نے جنگی سامان بھیجنے سے انکار کیا اور راج گھاٹ کی فوج
 نے مار دھاڑ بھی شروع کر دی۔ کپتان الکزینڈر قتل کیا گیا۔
 کپتان پریچ راجین قلعہ اور کپتان رتھس بھی تلوار کے گھاٹ
 اتار دئے گئے پریٹ سے بگل جو بجا عام فوج پر سر پیکار
 ہو گئی۔ برل کی کوٹھی ڈاکخانہ اسمبلی۔ میں صاحب کا بنگلہ میجر
 مور ہو اس اور مسز ہملٹن اور مسٹر پامر کے بنگلوں میں آگ لگادی
 جس میں یہ لوگ جل کر خاک سیاہ ہو گئے تمام بنگلوں کو
 تباہ کیا۔

مولانا یاقوت علی صاحب نے سلطان خسرو باغ میں اپنے
 مریدین کو جمع کیا وہاں وطن پرست فوجی بھی جمع ہو گئے افسر
 رام چند بھی موجود تھے۔ سبز جھنڈا بہادر شاہ کا لہرایا گیا۔
 رام چند کے کہنے سے مولوی یاقوت علی صاحب کو الہ آباد
 کا نواب مقرر کیا گیا۔ مولانا نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ
 شہر کا انتظام کیا لوٹ کھسوٹ بند کی گئی اور مولانا نے عوام

سالہ ۱۹۶۷ء عظیم صوفی

کی آگاہی کے لئے اشتہار جاری کیا جس کا خلاصہ محاربہ عظیم
صفحہ ۱۰۰ سے نقل ہے۔ بعد حمد و نعت کے خادم المطلبہ و
احقر الفقرا امیدوار رحمت رب غنی محمد لیاقت علی الہ آبادی
چند باتیں ضروری فرمان واجب الاتقان ہندو مسلمانوں کو
سناتا ہے کہ جو بدعات ظلم و فساد ساری سلطنت ہندوستان
میں کفرہ فخرہ نصاریٰ کا قتل و غارتگری آتش زدگی و پھانسی
و خونریزی اظہر من الشمس ہے..... صریح و ظاہر و باہر کہ
ہندو مسلمان ہندوستان کے بسبب بے استطاعتی زر و
عدم موجودگی گولہ بارود و توپ و لشکر مجبور و ناتواں ہو
رہے تھے سو اس خالق احد اللہ اللہ نے سب سامان
و اے تسکین خاطر فاتر تم ضعف و مسکینان کے نصاریٰ بد اطوار
سے بلا سبب و گولہ بارود و زرخیز خصوصاً شفقہ عظیمہ حضرت
فرمانروائے کشور ہند ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دہلی
خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و عموماً امداد چست توپ و میگین من
جناب نواب برجیس قدر ادا ام اللہ حشتم والی لکھنؤ اور ہمراہی تمام
راجگان قلم و لکھنؤ و راجگان قرب و جوار الہ آباد وغیرہ اخلاق
و اتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہونے اختلاف
اقوام و مذاہب کے سمیہ و لائل کامل و براہین مدلل کمر بند
اوپر اندفاع اس قوم نصاریٰ طاغی باغی کے ہے مناسب ہے

کہ جو بھائی ہندو مسلمان اس خبر فرحت اثر کو سنے وہ فوراً مستعد ہو کر کمر ہمت باندھے اور قلعہ بند کفارنا بکار کو قلع قمع کر کے بزور تیغ بیدریغ اپنے کے خاک میں ملا دیں۔ اور باقیماندوں کو اس ملک سے بھگا دیں پھر باطمینان حکومت عدالت فرماویں۔ بسبب خوف طوالت یہ اعلان عام تمام کیا فقط۔ اس اشتہار نے صد ہا ہندو مسلمان جھنڈے پیچے جمع کر دئے۔ جنرل نیل نے مولانا کی وطن پرست فوج سے آکر مقابلہ کیا اس کو شکست اٹھانا پڑی ۱۲ جون کو پنجابیوں کی فوج اور گورا فوج آگئی۔ مسٹرنیل اور ویلاک جوائنٹ مجسٹریٹ نے مولانا کے ساتھیوں کو انعام و اکرام کے لالچ دلا کر توڑ لیا۔ پھر جو حملہ ہوا مولانا تاب مقابلہ نہ لاسکے آخرش الہ آبادت رخصت ہو کر لکھنؤ گئے۔ اور مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے سے آجے۔ ۱۶ جون شہر کو انگریزی فوج اور سواری جہازدخانی لگائے آگئی۔ اور الہ آباد پر گولہ باری کی شہر میں داخل ہو کر ممکن سے ممکن ظلم توڑے گئے اور قبضہ کر لیا۔ صد ہا کو پھانسی لگا دی اور بہت سے ائمہ مان بھیجے گئے۔ مولوی احمد اللہ کی شہادت کے بعد مولانا بھی نیپال کی طرف تشریف لے گئے۔

۱۸۲

وہیں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا انڈمان بھیج دیئے گئے۔ کچھ دن بعد وصال ہوا۔

شہزادہ فیروز شاہ

فیروز شاہ صاحب عالم مرزا ناظم بخت کے خلیفہ اور شاہ ہند شاہ عالم ثانی کے پوتے۔ شہنشاہ فرخ سیر کے نواسہ تھے۔

صاحب عالم کی ماں راجہ جسونت سنگھ راٹھور کی صاحبزادی اندر کنور تھیں۔ بیگمات ساہان مغلیہ۔ شجاعت اور تہور میں بے مثل تھیں اس راج کمار کی شادی جس اہتمام اور انتظام سے زید نگرانی امیر الامراء احسن علی خاں ہوئی۔ شان مغلیہ کے پھاں نظیر نہیں ملتی۔ علامہ عبد الجلیل بلگرامی نے اس کے حالات ثنوی کی صورت میں لکھے ہیں۔

زید طوطی شاہ ہفت کشور جہاں را نو بہار رخت در پر

شہنشاہ سریر سرفرازی خدیو عصر فرخ شاہ غازی

اس تاریخ بغاوت ہند قیسرا اتوار پنج حصہ دوم۔ غدیر کی بیچ و شام ڈالیمٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما از انتظام انگریز شاہی۔

اندر کنور نے فرخ سیر کو قطب الملک کے ظالمانہ ہاتھوں سے بچانے میں جان کی بازی لگا دی شمشیر زنی کرتے ہوئے شوہر پر نثار ہو گئی۔

مرزا ناظم بخت نے اپنے نخت جگر فیروز شاہ کو علوم مروجہ سے آراستہ کیا اور فنون حرب میں صاحبان فن سے طاق کرایا۔ مگر شاہزادہ کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف بہت زیادہ تھا۔ اور ادو وظائف شب و روز کا مشغلہ تھا۔ ۱۸۵۶ء میں حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں بعد اداۓ فریضہ حج وطن مراجعت کی۔ ہندوستان آکر اندور آئے۔ یہاں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ حریت نوازوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جنگ آزادی شروع کر رکھی تھی۔ حکومت کو ان کی آمد کا پتہ لگا۔ ان کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ مگر یہ گوالیار تک آگئے یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے دھول پور آئے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر تحصیل پر دھاوا بول دیا اور تحصیلدار سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا۔ افغانی ملازم رکھے۔ باضابطہ فوج کی تشکیلیں کی۔ بہ نیت جہاد بہت سے لوگ ان کے بھنڈے سے تلے خوشی سے آگئے۔ دھول پور سے آگرہ کی طرف آئے انگریزی فوج نے کالی ندی پر آکر مقابلہ کیا۔ اس کو شکست کا منہ دیکھنا پلا۔ تمام انگریزوں کو فوج کے قلعہ بند ہو گئے یہاں سے کسی مصلحت

سے شہزادہ میوات کی طرف چلا گیا میوانی ہمنوا ہو گئے شیخ
 فضل علی رسالدار اور جنرل عبدالصمد خاں نے ہمنوائی کی
 فرخ آباد کا رخ کیا۔ نواب تفضل حسین خاں سے ملنے ہوئے
 شاہجہاں پور پہنچے اور ساتھیوں کو ٹھہرا کر لکھنؤ آئے۔ اپنی
 عزیزہ سلطان ہو کے یہاں قیام کیا۔ حضرت محل نے تواضع و
 مدارت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا کچھ دن قیام کر کے ہمراہیوں
 سے آئے اور بریلی گئے۔ نواب خان بہادر خاں نے بے رحمی
 برتی تو سیدھے مراد آباد پہنچے۔ وہاں کا ناظم خان مذکور کا چچا
 تھا۔ وہ فوج لیکر مقابلہ پر آ گیا۔ اس سے بھڑپ ہوئی اور اسکی
 توپیں چھین لیں۔ اور مراد آباد پر قبضہ کیا۔ نواب رام پور
 بوسف علی خاں کے بھائی کاظم علی خاں رام پور سے فوج
 گراں لیکر آ گئے ہردو میں مقابلہ ہوا۔ شہزادے نے یہ
 مناسب خیال کیا مفت میں مسلمانوں کا طرفین سے خون
 بہے گا۔ بریلی لوٹ آئے پھر تو نواب خان بہادر خاں نے
 ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور خود استقبال کے لئے نکلے اور شہزادہ کو
 ہاتھی پر سوار کرا کر جلوس نکالا۔ انگریزی فوج بریلی پر حملہ آور
 ہوئی۔ نواب تفضل حسین خاں ناتاراؤ پیشوا بھی شریک ہو گئے
 رنگ بدل گیا۔ نواب خان بہادر خاں مع اہل و عیال کے
 پہلی بھیت چلے گئے۔ شاہزادہ تاج مقابلہ نہ لاسکا۔ شاہجہانپور

لوٹا یہاں مولوی احمد اللہ شاہ لکنؤ سے ناکامیاب ہو کر آگئے تھے۔ یہاں بھی معرکہ آرائی رہی ہم محمد حسن خاں بنیرہ نواب محبت خاں شہید ہوئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ شاہجاں پور سے ہٹ کر محمدی پور پہنچے اور اس پر قبضہ کیا اور گڑھی کو توپوں سے آراستہ کیا۔ یہیں جنرل بخت خاں ڈاکٹر وزیر خاں نانار اور پیشوا۔ عظیم اللہ خاں مولوی سرفراز علی امیر الہاجا بدین نواب تفضل حسین خاں آجے ہوئے مولوی احمد اللہ شاہ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اور سگہ جاری کیا۔

شہزادہ خود بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ کبیرہ خاطر ہو کر سندیلہ روانہ ہو گیا۔ سندیلہ پر قبضہ کرنا چاہا کامیابی نہ ہوئی۔ خیر آباد آئے۔ ناظم ہر پور شاد مولوی محمد ناظم بسوا باڑی پور راجہ گلاب سنگھ رئیس بروا سے جھڑپ رہی تو محمد آباد آئے ظریف خاں رسالدار اور ڈاکٹر وزیر خاں رفیق کارر ہے جنرل اسمعیل خاں قاضی عنایت علی حناں بریگیڈیر رفاقت ترک کر کے انگریز کے ساتھ ہو گئے۔ شہزادہ باڑی گیا اور گنگا پر پہنچ کر کشتی سے پارا تر کے فرخ آباد آیا۔ اور مکن پور ہو کر اٹاواہ اور وہاں سے شیر پور کے گھاٹ سے اتر کر جے پور کی راہ لی اور پیکا نیر کا رخ کیا۔ پھر حیدر آباد

پہنچے اور کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایران روس ہو کر
حجاز چلے گئے یہ

مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی۔ یہاں مولانا رحمت اللہ
کیرانوی۔ حاجی امداد اللہ نھانوی شاہ عبدالغنی دہلوی۔
مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مولانا محمد منظر محمدی سے
حضرات ہدایت و اصلاح کی ایک جماعت بنائے بیٹھے تھے۔
نواب فیض احمد خاں رئیس و تاوولی۔ مولوی واعظ الحق بہاری
حکیم نواز شمس حسین بہاری اور شہزادہ فیروز شاہ بھی اس
جماعت کے رکن ہو گئے یہ

شاہزادہ مرزا سلیمان شاہ صوفی محمد ادریس صاحب
میرٹھی کے معتقد تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ شاہزادہ مرزا
فیروز شاہ نے ایک ترک خاندان میں عقد کر لیا تھا۔
آپ سے دو لڑکیاں تھیں ہر دو فوجی افسران کو بیاہی
گئیں۔ ان سے ہی انور پاشا اور رفعت پاشا تھے۔
فیروز شاہ کی ایک بہن کلثوم زمانی بیگم تھیں جو ہنگامہ
کھنڈ میں قلعہ سے نکل کر فقیرانہ لباس اختیار کر کے
میرٹھ چلی آئیں۔ نواب ممتاز علی خاں پیرہ نواب صواب اندیش خاں

۱۵ قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۴۶۸ سے قیصر التواریخ حصہ دوم۔
۳۵ نداء حرم ۱۳۵۴ء صفحہ ۸

کے یہاں مقیم ہوئیں۔ تمام عمر وہیں بتا دی اور بھائی کیلئے دعائیں کرتی مریں۔

شاہزادہ فیروز شاہ کا انتقال ۱۸۹۵ء کے بعد ہوا۔

نواب خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں ابن نواب ذوالفقار خاں خلیف حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ نواب بریلی بہادر خاں ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے امارت میں پرورش پائی۔ مروجہ تعلیم سے واقف تھے۔ حکومت انگریزی میں صدر الصدور بریلی کے ہو گئے اس عہدہ ہی سے پنشن لی حکام انگریز قدر و منزلت کرتے۔ عوام میں بھی قبولیت تھی۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں جہاں دہلی لکھنؤ کانپور اور دوسرے مشہور شہروں میں حکومت کے خلاف انقلابی تحریک رونما ہوئی اس کا اثر بریلی پر بھی پڑا میرٹھ کے واقعہ سے یہاں کی فوجیں بھی منحرف ہو گئیں ۸-۱۸-۶۴ء بمبٹ میں حکومت سے بیزاری کے آثار پیدا ہونے لگے۔ انگریزی حکام جو اپنے ظلم و جبر کی وجہ سے عوام میں

مقبول نہ رہے تھے۔ انھوں نے رنگ بگڑتا دیکھ کر یعنی تال کی سدھ باندھی ۴۵ رجمنٹ فیروز پوری کے فوجی تمام وطن پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھوں نے متذکرہ بالا رجمنٹوں کے فوجیوں کو تذبذب کی حالت سے نکالا اور ان کو ہموار کر لیا۔

مسٹر الگزینڈر کمشنر بریلی نے نواب بہادر خاں کو بلا کر کہا آپ کو چاہئے بریلی کی حالت کو سنبھالیں اور ہم آپ کو مسد نشین کئے دیتے ہیں۔ نواب صاحب نے کہا میں ضعیف العمر ہوں اس بار کو نہیں سنبھال سکتا۔ کمشنر نے یہی تال کا رخ کیا۔ یہاں کے حکام بے سردار ہو گئے اور فوج میں حکومت کے خلاف تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ۲۹ مئی کو ایک توپ کا سر ہونا تھا کہ تمام فوج بیس ہو کے اپنے افسروں کی خبر لینے پر پل پڑی گولیاں چلنے لگیں لفٹنٹ مارویل جان بچا کے بھاگا لفٹنٹ روجز متعلقہ ۶۵ رجمنٹ کرنیل کوئی شہر پ کپتان پٹرسن کپتان چپ گھوڑوں پر سوار ہو یعنی تال چلتے ہوئے ان پر گولیاں پھیں مگر بچ گئے۔ اسائن ٹکرا اور برگیدیر ست بولا گولی کا نشانہ بنے۔

صوبہ دار توپ خانہ جنرل بخت خاں نے تمام فوجیوں کی کمان ہاتھ میں لی ان سب نے جھنڈا سبز اپنا قرار دیا اور

تمام عہدہ شہر اور فوجی افسران کو جمع کر کے نواب بہادر خاں کو بریلی بلکہ کل روہیلکھنڈ کا نواب منتخب کیا۔

سو بھارام دیوان ریاست مقرر ہوئے ۶ ہزار فوج اور ۱۰ توپیں جمع ہو گئی تھیں نیاز محمد خاں جنرل بنائے گئے۔ مدد علی خاں سپہ سالار کئے گئے مولوی خاں اور عبدالرحمن خاں رام پوری افسر سفر بینا بنائے گئے۔ منشی فرحت اللہ بخشی فوج اور شہر کو تو الی اکبر علی خاں تھے۔

شاہجہاں پور کی نظامت پر نظام علی خاں کو اور بدایوں کی نظامت فتح علی شاہ کو تفویض ہوئی۔ نانار او پیشوانے بھور سے اپنے بھائی ملہار راؤ کو نواب سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔ جنرل بخت خاں ملہار راؤ کو لے کر دہلی روانہ ہو گئے۔

شاہنشاہ ہند ابوظفر بہادر شاہ نے نواب بہادر خاں کو انتظام الدولہ محافظ الملک خاں بہادر ہنرمہ جنگ رئیس اعظم ملک روہیلکھنڈ خطاب عطا فرمایا۔ مہر برہم حکم اللہ والملک اللہ کندہ ہوا۔

نواب صاحب نے شہر کا معقول انتظام کیا اور مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی دلاور جنگ کو لکھنؤ خط لکھا کہ بریلی آجائے اور ۵۰ ہزار روہید آپ کے جھنڈے کے نیچے رہیں گے۔

یہاں انگریزی فوج سے مقابلہ کر لیا جاتے گا۔ شہزادہ فیروز شاہ نانا راؤ پیشوا۔ نواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی وغیرہ بریلی آگئے۔

رابرٹ سن جج جسٹیشن جج ایو صاحب ڈپٹی کلکٹر پرنسپل مدرسہ مسٹر بیچ ڈاکٹر ہنس پروہتم جیل خانہ کوارٹر ماسٹر سر جنت سنہری اسپین۔ لارنس صاحب ماسٹر ڈیوس مسٹر فلین مسٹر ہیل مسٹر ایون اسی جنگ میں کام آئے۔ ہر می شہ کو انگریزی فوج نے دھاوا شہر پر بول دیا ماڈ کے خاں۔ جنرل اسماعیل خاں نواب ولی داد خاں شہزاد کے فیروز شاہ نے سخت مقابلہ کیا۔ پیشوا نانا راؤ اور نواب تفضل حسین خاں محمدی پور چلے گئے۔ غداران ملک نے ایسی غلط افواہیں اڑائیں نواب کے پیرا کھڑے گئے اہل و عیال کو پھیل بھیت روانہ کیا اور خود معہ فوج کے مولوی احمد اللہ شاہ کے پاس محمدی چلے گئے شہزادہ مقابلہ پر ڈٹے رہے آخر ش ان کو بھی محمدی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔

قصبہ محمدی میں مولوی احمد اللہ شاہ نے حکومت قائم کر لی تھی۔ گڑھی کو توپوں سے آراستہ کر لیا تھا جنرل بخت خاں بھی آگئے تھے لہذا سردار فوج احمد کے تھے سب

یہاں جمع ہو گئے تھے۔ خان بہادر خاں پہنچ گئے تھے۔ شاہ صاحب کو راجہ پوانین دعوت کے بہانہ لے گیا اور دھوکہ سے شہید کر دیا۔ لاش جلا دی گئی سر کو توالی شاہ جہاں پور میں لٹکایا گیا۔ تمام ساتھی بیپال چلے گئے۔ پھر تو اہل بریلی پر بڑی آفت آئی۔ ہزار ہا باشندے قتل کئے گئے۔ نو محلہ کے سادات کی جو بلیاں کھدوادی گئیں ۱۹۵۹ء میں دھوکہ سے خان بہادر خاں گرفتار کر کے لکھنؤ لائے گئے۔ حاکم کے سامنے پیش ہوئے آپ زمین پر بیٹھ گئے حاکم نے زبردستی سے کرسی پر بٹھایا اور ان کو شاہ جہاں پور بھیج دیا۔

جیل خانہ میں مقدمہ کیا گیا جج نے پھانسی کا حکم دیا جس دن پھانسی لگی فوج نے جیل خانہ گھیر رکھا تھا۔ نواب صاحب نے چھاکسی بات کی تمنا ہو تو فرمائیے آپ نے مسکرا کر کہا مجھ کو کوئی تمنا نہیں اور یہ شعر پڑھا۔
 بجرم کلمہ حق میکشند غوغا نیست - زمرگ زندگیم می شود تا شایست
 کلمہ پڑھا اور دار پر چڑھ گئے۔ لاش کو اتار کر جلجانیہ کے بھانگے میں دفن کی۔ چہرہ کھلا ہوا تھا مولوی سید الطاف علی صاحب بی۔ اسے بریلوی ایڈیٹر مصنف کے ایک بزرگ وہاں موجود تھے انھوں نے اپنا رومال چہرہ پر ڈال دیا۔

۱۹۵۹ء قیصر التاریخ حصہ دوم۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما از انتظام الشہ شہابی
 تاریخ سلطانی از نواب سلیمان خاں بہادر متخلص اشہر حیات حافظ رحمت خاں
 از مولیٰ سید الطاف علی بریلوی تاریخ بنود ہند از پنڈت کنھیالال

مولانا پیر علی

یہ بزرگ پٹنہ کے مشاہیر علماء سے تھے۔ ان کا کاروبار کتاب فروشی تھا۔ مگر دل میں انگریزوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ جنگ آزادی کی خبر نے ان میں بھی حرکت پیدا کر دی کاروبار چھوڑ میدان سیاست میں نکل گئے عوام کو ساتھ لیا اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے لگے علم سبز لہرایا گیا اور تقارہ جہاد دیا گیا، جوق جوق بلا اقتیا زندہ رہے انکے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ پہلا دھاوارو من کھٹولک چرچ پر کیا۔ ڈاکٹر لائل جو اسلام اور ہندو مذہب پر طعن زنی کیا کرتا تھا اسے آ لیا وہ جان سے ارا گیا کچھ دن شہر پر غلبہ رہا مگر سکھوں کی رجمنٹ مسلح آگئی ان سے نھنے کیا لڑ سکتے۔ بہت سے وطن پر نثار ہوئے اس مجاہد گرفتار ہوئے۔ پیر علی بھی پکڑے گئے۔ صفت علی رئیس پٹنہ بھی مولانا کے ساتھ تھا اور مالی معاونت کو رہا تھا وہ بھی دھر لیا گیا۔

مگر اس کے روپیہ پیسہ نے اس کو بچا لیا۔ مولانا زور ۳۱
جہادین کو مسٹر ٹیلر نے دار پر لٹکوا دیا۔

۱۰ تاریخ بھارت ہند صفحہ ۱۰۱

سردار احمد خاں ملتانی

سردار احمد خاں قوم کھریل کے سردار تھے۔ یہ قوم مقام جلیہرا میں آباد تھی سردار صاحب خاندانی افغان تھے۔ ان کو انگریزوں سے دلی عناد تھا ملتان کے علاقہ پر اکثر ان کے لوگ حملہ کیا کرتے۔ ان کے دوست صوبہ دار میجر ناہر خاں تھے ان کو سردار صاحب نے اپنا ہم نوا بنایا ۶۴-۶۹ رجمنٹ میں میجر صاحب نے آتش مخالفت بھڑکا دی۔ انکے ہتھیار لے لئے گئے اور ایک صوبہ دار اور حوالدار میجر اور نو سپاہی ۶۰ رجمنٹ کے توپے اڑا بھی دئے گئے میر برکت علی وردی میجر نے صوبہ دار میجر ناہر خاں کو گرفتار کرادیا اور جنرل کورٹ مارشل میں تحقیقات ہوئی جرم بغاوت ثابت ہوا۔ فوجیوں کے سامنے ناہر خاں توپے اڑا دئے گئے سب اس واقعہ نے ملتان میں بغاوت کی لہر پیدا کر دی اقوام خانہ بدوش نے جو قریب گوگرہ رہتے تھے وطن پرستی کی خاطر انگریزی فوج کے مقابلہ پر آگے نکلے اور تھانہ کا نو لیا پر حملہ بول دیا۔ تین دستہ فوج بسر کردگی میجر چرلین اور کپتان لمس اور کپتان ہو سکس سے

۹ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱۷-۱۱۸

خوب خوب مقابلہ رہا اور سردار احمد خاں مقام جھلیرا سے
 فوج لے کر آگئے مقابلے خوب رہے برکھلی صاحب اسسٹنٹ کمشنر
 گوگرہ قتل ہوئے کپتائمن نے احمد خاں کے ساتھی کو ٹوڑ لیا جسکا
 نتیجہ یہ ہوا کپتائمن جھلیرا پر حملہ آور ہو کر کامیاب ہوا احمد خاں
 دھوکہ سے گرفتار ہو گئے ان کے بعد تمام وطن پرست منتشر ہو گئے
 سردار صاحب کو قتل کر دیا گیا اس کے بعد انگریزوں نے خوب ہی
 اہل ملتان کو لوٹا اور ان کو سزا دی گئی یہ

پیشوا دھونڈ پنت ناناراؤ

دھونڈ و پنت ناناراؤ کے والد کا نام مادھو زائن راؤ بھٹ
 تھا برہم دتا میں مقیم تھے زمینداری مشغلہ تھا ان کا قریبی عزیز آخری
 پیشوا باجی راؤ ثانی تھا اس کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے ناناراؤ
 کو مارچ ۱۸۶۱ء میں گود لے لیا اس وقت عمر نانا کی ڈھائی سال
 کی تھی۔ تعلیم و تربیت اعلیٰ درجہ کی دلائی گئی۔ تاریخ سے مانا صاحب
 کو بڑی دلچسپی تھی انگریزی کی بھی استعداد معقول تھی انگریز حکام
 سے مراسم تھے۔ باجی راؤ نے ۵۰ لاکھ روپیہ لکھنی کو نذرانہ دیا۔ لکھنی

۱۱۸ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۱۱۸



جہانسی - لائبریری پبلسٹی کے جرنل سردار قاتیبا ٹوہے کی پبلسٹی
جرنل روز کے ہاتھوں ۱ اپریل ۱۸۵۶ء

آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ان کو پنشن دیتی تھی۔ باجی راؤ پٹنور میں مقیم تھے ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ نے نانا صاحب کو گدی نشین کیا اور حکومت کو اطلاع دیدی۔

۱۸۵۳ء میں باجی راؤ پیشوا فوت ہوا لارڈ دلہوزی کا زمانہ تھا باجی راؤ کی خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے آٹھ لاکھ کی پنشن ضبط کر لی اور نانا صاحب کو وارث نہیں گردانا۔ عظیم اللہ خاں نانا کے کا مدار تھے ان کو مع اپنے بھائی لہا راؤ ڈائریکٹر ان ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس انگلستان بھیجا کوئی نتیجہ نہ نکلا پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوا واپس آکر بھور میں انقلاب ۱۸۵۷ء کی اسلیم مرتب کی ملک کا دورہ کیا کچھ عرصہ تحریک کے آغاز کا باقی تھا کہ میرٹھ سے جنگ آزادی کا سلسلہ شروع ہو گیا نٹشی رسول بخش کا کوری جو اس تحریک کے رکن تھے وہ مسٹر کارگی کے ساتھ لگ گئے اس نے مع ۲۲ پیادہ پلین کے سپاہیوں کو دار پر چڑھوا دیا۔ نانا کے ساتھ ابرٹ میکس باسٹنڈ فرانس اور مسٹر گارڈن جو انگریزی فوج میں افسر تھے ہمنا ہو گئے کانپور کی فوج بھور آگئی اور نانا کے ساتھ ہو گئی۔ کانپور میں نانا تخت نشین کئے گئے۔ بہادر شاہ کے نام جمنڈا لہرایا گیا توپوں کی سلامی سر کی گئی نائب بادشاہ دہلی قرار دئے گئے۔ دس ہزار فوج جمع ہو گئی تھی ۲۸ دن انگریزی فوج سے مقابلہ رہا حیرت دہانے

مسلمانوں کا روشن مستقبل

ہتھیار ڈال دئے۔ اس کے ساتھ کشتیوں میں روانہ ہونے کو تھے کہ گولہ باری کی بوچھاڑ پڑی ویلہ بیچ گیا اور بہت سے انگریز کام آئے عظیم الشکر کو بد عہدی کا صدمہ ہوا اور وہ لکھنؤ چلے گئے آخر شش جنرل سر جیمس اوٹرم ایک فوج گراں نیکر ہٹور پر حملہ آور ہوئے نانا صاحب کی غفلت سے بہت زیادہ جانثار اس معرکہ میں کام آئے۔ عرصہ کارزار جنگ دیکھ کر نانا صاحب کو عنان ہزیمت ہاتھ میں یعنی پٹوی نانا صاحب اور عظیم الشکر میدان جنگ سے ہٹ گئے نانا صاحب کا خاندان وہیں رہ گیا۔ عظیم الشکر لکھنؤ پہنچے اور مولوی احمد اللہ شاہ کے بھنڈے کے نیچے قیام کیا اور ہر معرکہ میں شریک رہے نانا راؤ نے گنگا سے اتر کر فتح پور چوراسی میں قیام کیا۔ ادھر انگریزی فوج نے بھٹور کے قصبہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ محل کو توپوں سے اڑا دیا۔ مینا بائی کو گرفتار کیا اور آگ میں بھونک دیا۔ اس کے بعد جنرل ہیگ نے تین ہزار وطن پرستوں کو دار پر چڑھا دیا۔

نانا راؤ نے حضرت محل کے پاس اپنا وکیل بھیجا۔ انھوں نے راجہ جے لال سنگھ کلکٹر کو حکم دیا کہ ۱۲ اونٹ ۲۹ چھکڑے ۱۰ کھانیاں پچیس ہاتھی لیکر فتح پور چوراسی جاؤ اور نانا صاحب کو اگلے حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے لکھنؤ لے آؤ چنانچہ نانا صاحب دی لکھنؤ لکھنؤ میں داخل ہوئے ۱۱ فریب توپ کی

سلامی دی گئی حضرت محل نے ۲۵ ہزار روپیہ دعوت کے اور خلعت قبائے زرین، بشمشیر و سپر مالہ مر واریڈ نورتن مرصع دو شالہ رومال اسب معہ ساز نقرہ و ہودج ناناراؤ کی خدمت میں حضرت محل کی جانب سے پیش کیا گیا۔

ناناراؤ مولوی احمد اللہ شاہ اور جنرل بخت خاں شہزادہ فیروز شاہ سے ملے۔ مشورہ سے لکھنؤ کے تمام معرکوں میں کام ہوتا رہا۔ اور شاہ صاحب کے حالات میں جس کا تفصیلی ذکر آگے آچکا ہے۔

نانا صاحب عظیم اللہ کو ساتھ لیکر نیپال چلے گئے۔ گورنمنٹ نے گرفتاری کا انعام مقرر کیا اور چند مرہٹوں کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ ناناراؤ اور عظیم اللہ نیپال کی نرائی میں ۱۸۵۹ء تک لوگوں کو نظر آئے۔ اس کے بعد سے پھر پتہ نہ لگا کہ ان کا انجام کیا ہوا ہے۔

ان کے حالات کو انگریز مورخین نے بڑھا چڑھا کر لکھا ہے۔ حتیٰ کہ گارسان دتاسی اپنے خطبات میں بھی اس طرح لکھتا ہے کہ غدر کے جگر خراش اور اندوہ گیس ناظر کے بڑے مہینوں میں نانا صاحب ایک تعصب کی آگ میں بجھا ہوا ہندو تھا یہ شخص پیشوا باجی راؤ کاٹے پاک تھا (قبتی) نانا صاحب نے بھور میں

۱۹۳۰ء بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳

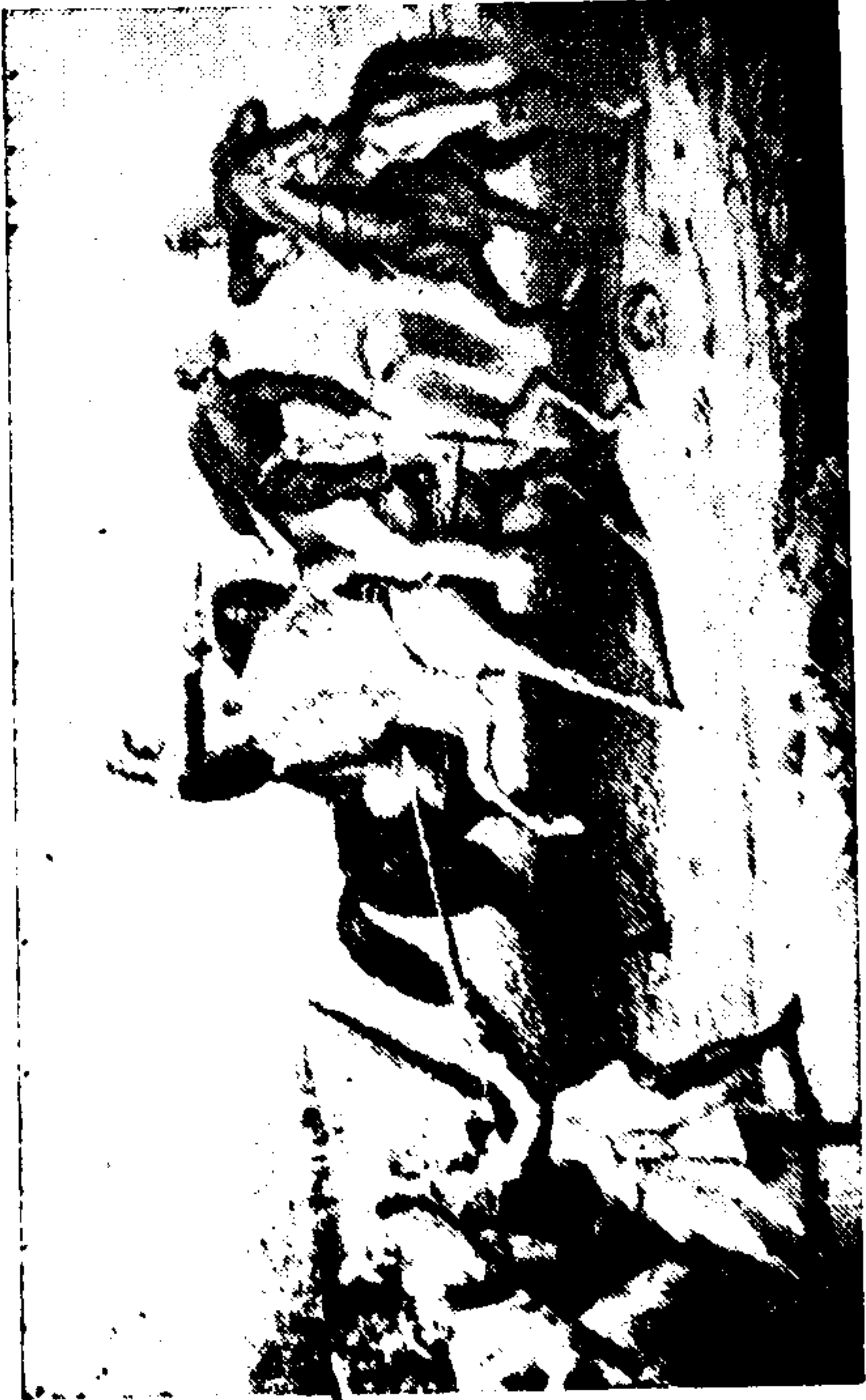
سکونت اختیار کر لی تھی یہ مقام کانپور کے پاس ہے سنا ہے کہ یہ نوخوار انسان انگریزی تقریر و تحریر میں بدطولی رکھتا تھا اس شخص نے شکسپیر کے مشہور ڈرامہ ہملت کا ترجمہ بھی کیا تھا سنا ہے جو الابر شاد نانا راؤ کا ساتھی تھا یہی وہ فرد ہے جس نے انگریزوں کی کشتیوں پر کانپور میں گولیاں چلاتی تھیں۔ آخر شش یہ بھی گرفتار ہوئے اور ۳۳ مئی ۱۸۵۷ء کو اسی گھاٹ پر ان کو ہنسی دی گئی۔

مولوی احمد اللہ شاہ کانپور آئے تو عظیم الشان کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ صاحب کا ہمنوا ہو گیا۔ وزیر اودھ علی نقی بھی شریک مشورہ تھا۔ کانگریس کی ساٹھ سالہ تاریخ میں ہے۔

نانا راؤ پیشوا احمد شاہ (مولوی احمد اللہ شاہ) وزیر اودھ
نواب علی نقی کی مشترکہ اسکیم بغاوت صیغہ راز میں ایسی رکھی گئی کہ
جس کی مثال تمام عالم میں نہیں مل سکتی۔



۱۵ خطبات گارمان دتاسی صفحہ ۲۶ سے بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳
۳۵ کانگریس کی ساٹھ سالہ تاریخ صفحہ ۸۸



— کورنل ہال کا قتل - مجاہدین ہند کا بہادرانہ کارنامہ

جنرل مہاپیر تانتیا ٹوپے

جنرل مہاپیر تانتیا ٹوپے ان کے والد کا نام سری پانڈورنگ راؤ بھٹ تھا۔ احمد نگر کے ایک قصبہ کا رہنے والا تھا نانا فرنیویس کی فوج میں عہدہ دار رہ چکا تھا نانا راؤ پیشوا کا مشیر کار اور ان کے اقتدار میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ رانی جھانسی کی بھی اس نے معاونت کی دو سال میں بیس لڑائیاں لڑیں اور وہ بھی زبردست سے زبردست برطانوی جرنیلوں کے خلاف گوکئی لڑائیوں میں اسے ناکامیابی ہی نصیب ہوئی لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو ان سے برتر اور زیادہ اولوالعزم اور زیادہ بہادر ثابت کر دیا تھا۔ نانا راؤ کے برادر زادہ نے چرکھاری تانتیا کو بچھا۔ پہلے یہ سرکولن کبل سے شکست پا چکا تھا اور مسٹر ونڈھم پر فتح حاصل کی تھی ۹ سو سپاہی اور چار توپیں ساتھ لے گیا۔ اس نے چرکھاری پر فتح پائی۔ یہاں تین لاکھ روپیہ جو بیس توپیں ہاتھ لگیں اس وقت رانی جھانسی کا خط آیا کہ میری استغانت کا وقت ہے۔ رانی کے ساتھ چھ رگمنٹیں گوالیار کیتھمنٹ کی اور اردگرد کے راجاؤں کی سپاہ تھی جو بائیس ہزار کی جانی ہے تانتیا جھانسی آئے سرہ روز کچھ حالت نہایت معرض خطر میں تھی تانتیا نے ایک پہاڑی پر اپنا

مورچہ قائم کیا کپتان پر ٹٹا رنج جان نے رانی کی فوج پر حملہ کر دیا۔ وہ تاب مقانہ لاسکی وہ بھاگی تانتیا اس موقع کو نہ سنبھال سکے تانتیا کے پارٹی کے پیچھے جنگل تھا اس میں آگ دے دی اور صاف نکل کر بیتوا کے پار ہو گیا۔ مگر انگریز لشکر پیچھے پیچھے آیا ساری توپیں چھن گئیں پندرہ سو سپاہی کام آتے باقی سپاہ کو لے کر تانتیا کا پی کی طرف آگئے پھر بھی وہ بھانسی کی رانی کی مدد کیلئے دوبارہ گئے مگر ہر جگہ ناکام رہے۔ کا پی پورا انگریزی قبضہ ہو گیا تانتیا کوچ گئے وہاں بھی شکست کھائی چرکی پہنچے یہاں ان کے ماں باپ رہتے تھے تانتیا کو پتہ لگا رانی بھانسی سر ہیزر روز سے شکست کھا کر گوالپال پور گئی ہے اور وہیں راجا صاحب ہیں یہ جگہ گوالپال سے ۶۴ میل تھی تانتیاں بھی وہاں پہنچے وہیں نواب علی بہادر خاں آف باندہ تھے گوالپال پر حملہ کی تیاری کی راجہ گوالپال نے آگرہ کی راہ لی آخر شہ نفتح کر لیا۔ انگریزی فوج آگئی اور گوالپال پر قابض ہو گئی۔

چارلس بال بھی اپنی مشہور تصنیف میں تانتیا ٹوپے کے متعلق یہ لکھنے پر مجبور ہوا۔

انگریزوں سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانتیا ٹوپے کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک وسیع مرہٹہ سلطنت قائم کرنے میں

۱۰ بغاوت ہند ص ۲۰۲

کا میاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن جاتا۔ تانتیا ٹوپے کے نام سے یورپ ہمارے اپنے جرنیلوں سے زیادہ واقف ہو گیا تھا۔ جوگی کے بھیس میں تمام انگریزی فوج میں بغاوت پھیلانے والا تانتیا ٹوپے تھا۔ نانار او عظیم لشکر کے روپوش ہونے کے بعد راجہ مان سنگھ کے یہاں چلا گیا اس نے اپنی جائداد واپس لینے کے لئے جب کہ وہ سو رہا تھا انگریزوں کے ہاتھ گرفتار کرادیا قید میں رکھے گئے پھر انگریز نے مقدمہ چلانے کے بعد ان کو دار پر چڑھا دیا۔ ۲۹ برس کی عمر تھی آخری تمننا تھی کہ اسکے باپ کو پھانسی نہ دی جائے بلکہ بنارس چلا جائے دے کہ وہ آخری ایام پو جا پاٹ میں گزار دے مگر گورنمنٹ نے کوئی توجہ نہ کی۔

پہلے ہندوستانی قدر کی تاریخ جلد ۲ صفحہ ۶۰۴

راجہ کنور سنگھ

راجہ کنور سنگھ - جگدیش پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار
 راجہ تھے۔ ان کی ریاست بھی دیگر ریاستوں کی طرح انگریزوں
 نے ضبط کر لی تھی۔ جنگ آزادی شروع ہونے پر جب ان کی عمر
 اسی سال کی تھی انھوں نے انقلابی فوج کا سردار بن کر آ رہ
 کے خزانہ پر قبضہ کیا اور انگریزی فوج کو اتنی مسلسل شکستیں دیں
 کہ لارڈ کیننگ گھبرا گئے۔ جب بنارس میں لارڈ مارک کی فوج
 سے مقابلہ ہوا تو راجہ صاحب بجلی کی طرح ادھر سے ادھر کودتے
 پھرتے تھے۔ بلیا کے قریب گنگا پار کرتے ہوئے ان کے دہنے
 ہاتھ میں گولی لگی تو بائیں ہاتھ سے اسے اپنی تلوار سے کاٹ کر
 پیٹی باندھ لی تاکہ زہر نہ پھیلے اور آٹھ ماہ کی جنگ کے بعد
 اس ضعیف العمر سپاہی نے اپنی راجدھانی پر قبضہ حاصل کیا مگر
 زخم کی تکلیف سے نیپال کی ترائی میں بالآخر انتقال کیا۔
 راجہ بینو مادھو بخش بہادر تعلقہ دار نظامت پیسوارہ انھوں نے
 حضرت محل کی رفاقت سے ہاتھ نہ اٹھایا انگریزوں سے مخالف رہے

۱۷ تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۸۷ کے ۱۷ مسلمانوں کا روشن مستقبل

فوج میں رہ کر بڑے کام کئے۔ جب حضرت محل اور مرزا برہمپس قدر نیپال گئے راجہ صاحب نے کئی سو ہمراہیوں کے ساتھ انگریزی فوج سے مقابلہ کیا گورکھوں سے دو دو ہاتھ کئے اور بہادری سے میدان جنگ میں جان دی۔

ان کے ساتھی بنوان سنگھ تھے وہ بھی ان کے ساتھ کام آئے۔ راجہ ناہر بلب گڈھ کے راجہ تھے۔ بہادر شاہ کے درباری تھے جنگ آزادی میں شریک رہے آخر شہر بعد تسلط حکومت برطانیہ ان کو پھانسی دی اور ان کا ۲۰ لاکھ روپیہ کا خزانہ ضبط ہوا۔

کمانڈر ہیرا سنگھ اور سے فوج لیکر آئے تھے انھوں نے بھی اس جنگ میں کار نمایاں کئے۔ آخر میں یہ بھی سزاوار دار ہوئے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی ان منچلے امرائے ہند سے تھا جس نے نانا صاحب سے تعلقات قائم کر کے اپنے علاقہ میں انگریزوں کے خلاف ایک جماعت پیدا کر لی تھی اس طرف کے تعلقہ داران سے خط و کتابت کی اور بہار کی طرف کے راجہ ڈمراؤں راجہ ٹکاری کو بھی اپنے خاص آدمی بھیج کر ہمنا بنانا چاہا مگر یہ راجگان قابو میں نہ آئے اور انگریزوں کے ہمدرد بنے رہے۔ راجہ صاحب نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں جو ہر دانگی دکھائے مگر ملک کی بد قسمتی کے یہ بھی شکار ہوئے۔ آخری زندگی کے حالات

۱۸۵۷ء میں راجہ صاحب نے بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳
۱۸۵۷ء میں راجہ صاحب نے بغاوت ہند حصہ دوم صفحہ ۱۹۳

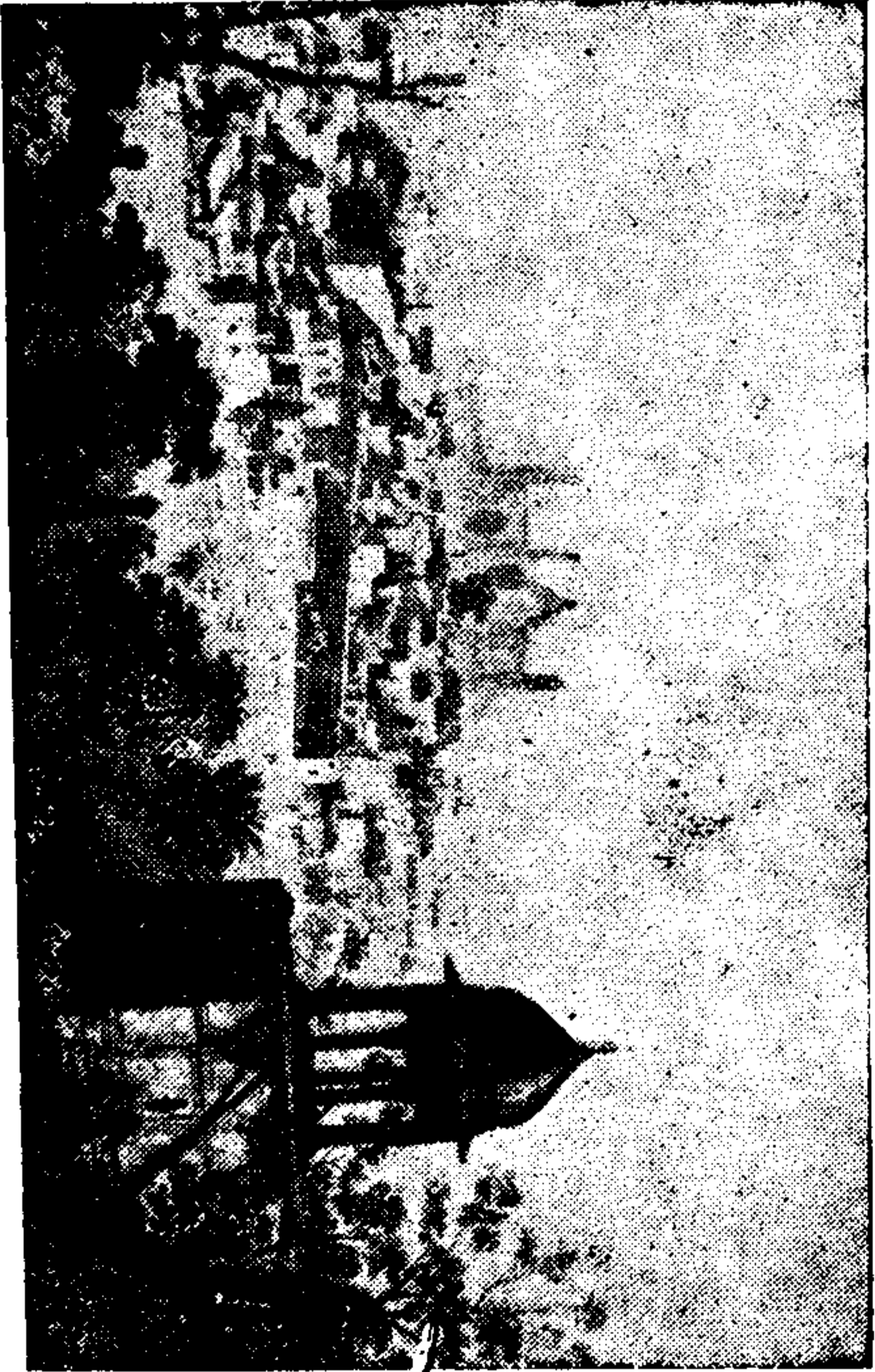
معلوم نہ ہو سکے۔

گوردھاری لال بہادر شاہ کے درباری تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں پیش پیش رہے ان کے ہمراہیوں میں غوث محمد صوبہ دار اور ہیرا سنگھ تھے۔ موقع موقع مالی امداد دیتے رہتے تھے۔

بہادر علی خاں رئیس کمایوں دہلی آکر دربار بہادر شاہی میں منسلک ہو گئے تھے اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حکومت شاہی کے معاون رہے۔ نواب علی رئیس گجرات دہلی آئے اور دربار بہادر شاہی کے دکن تھے وطن پرستوں کا جو نظام جنگ تھا برابر کے شریک تھے۔ قادر بخش صوبہ دار سفرینا۔ وطن پرستوں میں ان کی خدمات پیش پیش تھیں یہ بھی آخر میں اپنے ساتھیوں کے ہم نوا رہے۔ اندمان بھیج دے گئے۔

شہزادہ مرزا مغل گورگانی

شہزادہ مرزا ظہور الدین مشہور مرزا مغل امیر الملک خطاب تھا۔ بطن نواب شرافت محل سے تھے۔ رسمی علوم سے واقف تھے فنون حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں دلی میں ان کی شخصیت نمایاں ہے۔ یہ محلہ سے جو فوج آئی اس کے سرگروہ



دہلی۔ لال قلعہ کے صدر دروازے سے دہلی کا ایک حسین منظر سامنے جا سکتا ہے
(شاہجہانی) کے مینار سے نظر آ رہے ہیں

شہزادہ صاحب تھے۔ مگر بیڈر بننے کے اہل نہ تھے کان کے
 کچے تھے۔ مرزا الہی بخش کے سکھائے میں آگے اچھی حناھی
 بساط جنگ کا پانسہ مرزا مغل کی کوتاہ اندیشی سے پلٹ گیا
 جنرل بخت خاں کے خلاف خفیہ ریشہ دو انیاں تباہی کا
 پیش خیمہ تھیں۔ آخر شش کشمیری دروازہ کے مورچہ سے ہٹ کر
 انہوں نے انگریزی فوج کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ جس کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو قلعہ چھوڑ کر مقبرہ ہمایوں آنا پڑا۔ بادشاہ
 نظر بند کئے گئے۔ ہڈسن نے مرزا مغل۔ مرزا قیصر سلطان۔ مرزا
 عبداللہ کو کوٹوالی تک لاکر گولی کا نشانہ بنایا اور ان کے سر
 کاٹ کر مظلوم بادشاہ کے پاس بھیج دیے۔

ماخذ۔ داستان غدر ظہیر دہلوی۔ غدر کی صبح و شام۔
 رسالہ برہان ۱۲۸۰ء مرزا مغل از انتظام التدریس

شہزادہ مرزا قویش

مرزا قویش ابو ظفر بہادر شاہ کے صاحبزادہ تھے۔ میاں نبی بخش
 نبیرہ شاہ نصیر الدین مرحوم سے رسمی تعلیم پائی۔ فتح الملک
 مہذا غزو سے فن پہلری سکھا۔ استادان فن دربار ظفر سے

منسلک تھے۔ ان میں رنگین خاں ستارہ نواز کامل تھا۔ اس سے مرزا قویش نے ستارہ نوازی سیکھی۔ ایسی مشق کی کہ استاد بھی شاگرد کا کلمہ پڑھنے لگے۔ میلہ ٹھیلہ میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ دہلی میں سپر گل فروشاں ان کے دم سے بہت کامیاب رہتی۔ یہ میلہ پرتکلف اور رنگین ہوتا۔ یہ میلہ حضرت خواجہ قطب الدین تختیار کا کئی کئی مزار پر ہوتا تھا ہفتوں پہلے سے شہزادے اس میلے کی شرکت کے لئے تیاری کرتے۔ خواجہ بادشاہ سلامت بہادر شاہ اس میلہ میں شریک ہوتے مرزا قویش اس میلہ کی رنگینی کو دوبالا کرنے میں پیش پیش رہتے۔ شہر سے تمام اہل حرفہ اپنے اپنے پنکھے پھولوں کے چڑھانے لے جاتے۔ ہر پنکھے کے آگے روشن چوکی بجتی جاتی جا بجا بھمتے جاتے اور آہستہ آہستہ پنکھا روانہ ہوتا۔ نفیری والے ستم کرتے۔ ایسی سر پہلی نفیری میں مار گاتے کہ آدمی بے اختیار اور محو ہو جاتا کہ ہوش تن بدن کا نہ رہتا۔ کوٹھوں اور مکانون پر سے صد ہا روپیہ برستا۔ مرزا قویش ہر ایک نفیری نواز کو انعام و اکرام سے نوازتے۔ محل کے نیچے جب ان کا طائفہ پہنچتا۔ چلمنوں میں سے روپیہ اشرفیاں اور بوٹے برستے تھے۔ بعدہ جا کر درگاہ میں پنکھا چڑھاتے۔ سات دن گھاگھی رہتی تھی، اس میلے میں اشرف بہت ہوتے اور اپنے کولے دئے رہتے۔ البتہ اجلاف کی دھاچو کڑی رہتی۔ میلہ میں بازار جو لگتا لاکھوں روپے کا سودا بکتا۔ آخر میں شہزادے اور شہزادیاں خریدتیں

دوکاندار مال مال ہو جاتے تھے۔ دو دن صرف خواتین کا میلہ رہتا۔ بازاروں میں مرد کا نام تک نہ ہوتا تمام شہر کی مستورات پردہ نشین شب کو بازار میں نکلتیں اور سیر کرتیں۔ ہفتہ کے روز خواجہ صاحب کی درگاہ سے خلعت رخصت ہو کر شہر کو لوٹتی۔ سات کو س تک برابر خلعت کی پھیڑ بھاڑ اور مجسم رہتا تھا اور جا بجا دوکانیں لگی ہوتی تھیں۔ مرزا قویش کے ایام جوانی ایسے ہی مشغلوں میں گزرے ۱۸۵۶ء میں مرزا فخر و جہولہ علی عدتھے ان کا انتقال ہو گیا۔ ولی عہد کا تفسیر پھر اٹھان سے پہلے مرزا دارا بخت بہادر تھے۔ جب وہ ۱۸۴۸ء میں انتقال کر گئے تو مرزا فخر و ہوئے اس کے بعد بادشاہ نے شاہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطالبہ کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے۔ اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب برعقاد رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا قویش سے یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کے بعد لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شاہزادہ باقی رہ جائے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سو لاکھ روپے ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار روپے ماہوار رہ جائیگا۔ اور مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ ابھی اس اعلان کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ میرٹھ میں حریت نوازوں نے بدیسی حکومت کے

خلاف قدم اٹھایا اور وطن پرست فوج ظالم افسروں کو قتل کرتی ہوئی
 دہلی آئی اور یہاں قلعہ کے دروازے پر پہنچے۔ بادشاہ پہلے تو بہت
 گھبرائے مگر مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور نواب زینت محل کے
 کہنے سننے سے حریت نوازوں کی سرپرستی کے لئے تیار ہو گئے پھر
 تو تمام شہزادے میدانِ عمل میں نکل آئے۔ مرزا مغل نے کمان
 سنبھالی۔ مرزا قویش ایک پلٹن کے افسر مقرر ہوئے۔ قلعہ کے
 نیچے پورٹ کی جاتی۔ شہر کے ہر قسم کے لوگ فوج کے ساتھ لگ گئے
 انھوں نے نوٹ مار شروع کر دی اور جن جن انگریز افسروں نے
 ظلم و ستم توڑے تھے ان کی کوٹھیاں نذرِ آتش کیں۔ پھر تو گوری چھری
 والے جاں نظر پڑے تو تیغ کئے گئے۔

میرٹھ کے علاوہ جہاں جہاں فوجیں حریت نواز تھیں وہ سب دہلی
 دہلی کا رخ کرتی تھیں۔ کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سہی پھر
 بھی بادشاہ تو موجود تھے جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات
 کی بنا پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی مجبوری و محسوری
 سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر شخص جو ملک کو
 ظالموں کے پنجہ سے چھڑانا چاہتا تھا وہ دہلی کا رخ کرتا تھا۔ کیونکہ
 بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔
 اس اعتبار سے بڑی شخصیت بہادر شاہ کی تھی اس کے بعد ان کے
 بیٹے مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان۔ مرزا ابوبکر۔ مرزا عبداللہ۔ مرزا قویش

دہلی کے سربراہ اور وہ شہزادہ تھے۔

ان شہزادوں کے بھڑے تھے بہت کافی فوج جمع ہو گئی تھی۔
ادھر جنرل بخت خاں روہیلہ بریلی سے آ گیا تھا۔

ظہیر دہلوی داستانِ غدر میں لکھتے ہیں کہ :-

بخت خاں جنرل یودہ نزار کا کپو اور چند توپ خانے اور دو تیس
رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی
وارد ہوا۔

جنرل صاحب کے آتے ہی رنگ کچھ اور ہو گیا۔ انگریزی
فوج سے معرکے ہوئے مگر مرزا الہی بخش اور حکیم احسن اللہ خاں
کی ملک دشمنی نے بنا بنایا کھیں بگاڑ دیا۔ یہ دونوں انگریزوں سے
سازبا کر گئے۔ بارود کے کارخانے میں آگ لگوا دی۔ اور یہاں جو
مقابلہ کا انتظام کیا جاتا، اس کی خبر انگریزی کیمپ میں پہنچ جاتی جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ وطن پرست ناکام ہونے لگے اور انگریزی فوج آگے
بڑھنے لگی۔ آخر جنرل صاحب یہ رنگ دیکھ کر لکھنؤ مع اپنی فوج نے
چلتے ہوئے بہادر شاہ نے انگریزی حملہ کی تاب نہ لا کر قلعہ چھوڑ کر
مقبرہ ہمایوں آ گئے۔ اور ۲۸ مارچ ۱۸۵۹ء بھراست فوج انگریزی
حویلی زینت محل میں پہنچی کر نظر بند کئے گئے ہڈسن نے تمام شہزادوں
سے جان بخشی کے بہانہ سے ہتھیار رکھوائے اور بعد کو قتل کر دیا۔
مرزا قویش اور مرزا عبداللہ بن مرزا شازخ ابن بہادر شاہ کو

مقبورہ ہمایوں سے باہر ہڈی نکال کر لایا۔ ان سے کہا کہ تم ٹھہرو ہم آتے ہیں۔ ایک فوج کا سردار اس کی جوانی پر ترس کھا کر بولا جائے کیوں نہیں۔ ابھی گولی مار دی جائے گی۔ مرزا قویش چلتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء کے مرزا پر آئے وہاں چار ابرو کا صفایا کرا کر سر پر رومال باندھ کر مثل رسول شاہی فقراء کے وضع قطع بنائے اودے پور روانہ ہو گئے۔ وہاں دلی کا خواجہ سر راجہ کے یہاں ملازم تھا۔ اس نے ان کو دیکھا پہچان گیا اور راجہ سے جا کر کہا کہ ایک بڑے بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ نو عمر تو ہیں مگر صاحب کو امت فقیر ہیں۔ راجہ نے ملاقات کی اور دو روپیہ دیا مقرر کر دیا۔ گورنمنٹ انگریزی نے اشتہار گرفتاری کا جاری کیا۔ یہ ہاتھ نہ لگے۔ تیس برس اودے پور رہے اور وہیں انتقال کیا۔

شہزادہ جوان بخت

شہزادہ جوان بخت کی شہرت غالب و ذوق کے ادبی معرکہ کی وجہ سے دنیا سے اردو میں بہت ہے گوران کی سیاسی زندگی پر اب تک پردہ پڑا رہا۔ پہلی جنگ آزادی میں وزیر جنگ کے فرائض شہزادے نے ادا کئے۔ نواب زینت محل اپنے وقت کی نور جہاں تھی۔ ابو ظفر بہادر شاہ ان لبر مئے ہوئے تھے اس کے بطن سے

مرزا جواں بخت پیدا ہوئے ان کے چاؤ چوچلے بہت کئے گئے
میاں نبی بخش معلم سے انھوں نے مکتبی تعلیم پائی۔ باپ کے منظور نظر
تھے اماں کا لاڈ اور پیار بڑھا ہوا تھا۔ معمولی درجہ کی استعداد تھی۔
کم عمری میں بادشاہ نے ان کی شادی کر دی۔ ظہیر دہلوی سے
اس کا یہ حال لکھا ہے۔

ہر چند کہ تقریبات بسیار ریاستہائے ہندوستان میں نظر سے
گذری ہیں مگر جیسی بازیب و بچل شہزادہ مرزا جواں بخت بہادر کی
ہوئی ایسی رنگین محفل و تقریب باجاہ و حشم اس دریا دلی کے ساتھ نظر
سے نہیں گذری۔ بیان تکلفات رسوم ساچق و مہندی و برات و آرائش
شہر و روضنی تقارخا نجات و غیرہ جان کو ظلم انداز کیا۔ البتہ یہ امر تاہل
نگارش ہے کہ یہ قرینہ محفل سب سے جداگانہ تھا دیواں قلند معنی
کی بارہ دری میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔ ہر در میں
ایک طاقتہ جدا قص کرتا تھا۔ مرزا اعظم شاہ۔ ظہیر و سینہان شکوہ
مرزا وحید الدین۔ مرزا پھر شکوہ۔ مرزا بداتی۔ مرزا عزیز الدین داماد
ابوظفر بہادر شاہ۔ سلطان مرزا فخر الدین۔ مرزا انور الدین۔ مرزا بلند اختر
مرزا سکندر بخت۔ مرزا مصعب الدین۔ مرزا خدا بخش۔ شہزادہ بہرام شاہ
مرزا منکو۔ مرزا قادر بخش سابر گورگانی۔ مرزا فتح الملک ولی عہد بہادر
مرزا ابو بکر۔ مرزا عبدالشکر۔ مرزا مغل خضر سلطان غرندہ تمام تیموری شہزادے
پھر سلاطین زادے علیحدہ محفل جمائے ہوئے تھے لازمین کی انجمن جدا

معززین شہر اور سپاہ کی بزم جدا۔ اس طرح ہر فریق کی محفل جدا تھی۔ اہل شہر کے لئے حکم تھا کہ آئیں اور تماشا تے رقص و سرود سے مخلوظ ہوں۔ رفاضان پری پیکر ہر طرف سرگرم ناز و انداز تھیں و مہ جبینان ناہید لہاز زمزمہ پرداز دس بارہ روز تک یہ محفلیں سرگرم رہیں۔ ملازمین شاہی و روسائے شہر کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا جس کا جی چاہے زر نقد پچاس روپیہ توڑے کی قیمت لے نواہ تورہ لے ایک تورہ میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل شکم سیر ہو کر کھالے۔ ایک ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا۔ چار پانچ طرح کے پلاؤ رنگ رنگ کے میٹھے چاول۔ سرخ۔ سبز۔ زرد۔ اودے۔ پانچ سیر کی باقر خانی ایک شیریں اور ایک ٹکین اور کئی قسم کے غرضکہ اقسام خوردنی سے کوئی شے باقی نہیں رہ گئی تھی۔ مرزا غالب اور نور حضور شاہ نے سہرے لکھے۔ مرزا غالب کے سہرے پر شیخ محمد ابراہیم ذوق نے بادشاہ کے اشارہ پر پوٹ کی۔ مرزا گجرا گئے اور معذرت نامہ بھیجا۔ غرضکہ یہ شادی بھی یادگار رہ گئی۔

۱۸۳۹ء میں ولی عہد دارا بخت میران شاہ قضا کو گئے لارڈ ڈلہوزی نے مرزا فتح الملک شہزادہ مرزا فخر کو ولی عہد قرار دیا۔ ۱۸۵۲ء میں ہیسندہ سے یہ بھی چلے بے۔ دوسرے دن سرٹامس مکان ریجنٹ دہلی بادشاہ کے حضور حاضر ہوا بادشاہ نے ایک تحریر دی اور اس کے ساتھ ایک محفل لہنا جس میں تمام شہزادوں کے دستخط تھے۔

کہ مرزا جواں بخت کو ولیعهد کیا جائے مگر کمپنی کے عمال نے مرزا قویش کو توڑ لیا اور ان کو ولیعهد بنا لیا۔ سو لاکھ روپیہ ماہوار کے بجائے ۵۱ ہزار ماہوار پر قویش سے تصفیہ ہوا اور لال قلعہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کی تحریر ہو گئی۔ بادشاہ کو جب علم ہوا تو ان کو اور نواب زینت محل کو سخت صدمہ ہوا۔

اسے ظفر اب بے بھی تک انتظام سلطنت بعد تیرے نے ولیعهدی نہ نام سلطنت نواب زینت محل انگریزوں سے خار کھانے لگیں اور مغلیہ شہزادے بھی انگریز دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ سے غم و غصہ کی آگ قلعہ سے روشن ہوئی اور دہلی کے باشندوں تک پھیل گئی اب پورا پورا یقین ہر ایک کو ہو گیا کہ یہ بادشاہی بھی مسلمانوں سے پھین لینے کے بندوبست انگریزوں نے کر لے۔

کچھ عرصہ بعد ہی ۱۷۵۷ء میں بئر منہ میں تصفیہ کارہ تو س اٹھ کھڑا ہوا۔ انگریزی فوج بگڑ گئی اور اپنے ظالم افسروں کو تہ تیغ کرتی ہوئی دلی آگودی۔ بہادر شاہ نون زدہ ہوئے مگر زینت محل اور مرزا منگل کے کہنے سننے سے بادشاہ نے سرپرستی حریت نوازوں کی کی۔ دربار کیا جس میں مفتی صدر الدین خاں آزر دہ۔ مولانا امام بخش مہتابی۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتمہ۔ نواب علی احمد خاں۔ نواب ضیاء الدین خاں۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ مولوی نواب محمد علی خاں حکیم بدایونی۔ نواب محمد حسین خاں۔ قاضی فیض اللہ کشمیری۔ نواب

دلی داوذاں۔ مرزا عاشور بیگ۔ حکیم احسن اللہ خاں و دیگر عمائد شہر شریک دربار ہوئے۔ ایک جنگی کونسل بنائی گئی۔ وزیر جنگ مرزا جواں نخت کئے گئے۔ مرزا مغل فوج کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ مرزا غالب نے یہ سکہ کہہ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔

ہزارہوں کے کشور ستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی

بادشاہ نے اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا۔ چاروں طرف سے

فوجیں آنا شروع ہو گئیں اور ان کے علاوہ مجاہدین کی بڑی جماعت دلی میں جمع ہو گئی۔ جنرل نخت خاں بھی بریلی سے آگئے تیس ہزاری میدان پر انگریزوں کی فوج پڑی تھی اس کو مار بھاگایا شہر و بیگم کی کوٹھی میں بارود کا خزانہ تھا اس کو کسی نے جلا دیا۔ ادھر مرزا مغل اور جنرل صاحب میں ان بن ہو گئی۔ حکیم احسان اللہ خاں اور مرزا الہی بخش انگریز افسروں سے گٹھ گٹھ گئے۔ یہاں جو انتظام مقابلہ کا کیا جاتا دشمن کو خبر لگ جاتی آخر میں جنرل لکنو چلے گئے اور انگریزی فوج نے دہلی کو گولوں کی زد میں رکھ لیا۔ بادشاہ قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مقبرہ ہمایوں میں پناہ گدیں ہوئے الہی بخش نے مخبری کر دی جس پر ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور یہ آخری تاجدار دودمان تیموریہ سرکاری ملزم کی حیثیت سے پانگی پر سوار کرا کر گوروں کے پہروں میں دلی لایا گیا نہایت محل میں قید رکھا اور اسے خوراک کے لئے صرف پانچ روپیہ یومیہ

ملنے تھے شہزادے قتل کئے گئے۔ ان کے سر بہادر شاہ کے
سامنے لائے گئے۔ دہلی میں قتل عام شروع ہوا۔ شارع عام پر
پھانسی گھر بنائے گئے۔ والپول لکھتا ہے کہ :-

انگریزوں نے فتح دلی کے بعد جو بوٹ دلی میں جائز رکھی
وہ وحشی نادر شاہ نے بھی نہ مچائی تھی۔ ہزاروں بے قصور بھی
مزاوار دار ہوئے۔ عورت و مرد امیر و غریب جو ان و پیر دلی سے
بھاگے اور ان پر جو مہیبت آئی اس کا نقشہ ظہیر دہلوی نے کھینچا۔
گلوں سے چہرے پہ اک مردنی سی پھانی تھی

وہ بھولے چہروں پہ گویا چھٹی ہوئی تھی

غضب وہ پردہ نشینوں کی بے ادائیگی تھی

غرض کہ آئینے سے پہلے قیامت آئی تھی

بیان کیجئے نصیبوں کی کیا برائی کا

وہ دشت اور وہ بھرنا برہنہ پائی کا

غرض کہ اس وقت خلقت کا اعظم گراب اور خرابی

پریشانی اور بے سرو سامانی اور مستورات پر وہ نشین جنھوں نے

ایک قدم کبھی عمر بھر باہر نہیں رکھا تھا ان کا گھبراہٹ میں سرو پا برہنہ

بکھلنا اور بچوں کا داویلا کا شور اور گھبراہٹ کا حال دیکھنے سے کلیجہ

کے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے

یہ وہ الم ہے کہ اس غم سے سب ہلاک ہوئے
 لگا کے چرخ سے بے چین "تاسک" ہوئے
 ہلاک گود میں آسودگانِ خاک ہوئے
 کفن بھی ساتھ گریباں کے چاک چاک ہوئے
 یہ روزِ حشر سے کم تھی عذاب کی صورت
 خدا دکھائے نہ اس انقلاب کی صورت

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو لال قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے مظلوم
 شاہ کا مقدمہ پیش ہوا۔ آخرش عدالت نے بہادر شاہ کو بلا وطنی کا
 حکم سنایا اور رنگون بھیج دیا۔ نواب زینت محل۔ نواب تاج محل۔ مرزا
 جواں بخت اور چند لوگوں کو بادشاہ کے ساتھ کر دیا ۶۰۰ روپے
 ماہوار خوراک کے مقرر کئے گئے۔ ۷ نومبر ۱۸۵۸ء کو بہادر شاہ نے
 انتقال کیا۔

رہے پیری میں اس لئے جیتے
 دیکھنے کچھ عذاب کے دن تھے
 نواب زینت محل بھی رنگون میں مرے۔ کچھ لوگ واپس آ گئے۔
 مرزا جواں بخت نے بھی ۱۹۱۳ء میں انتقال کیا اور بہادر شاہ
 کے پہلو میں دفن ہوئے۔

شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر

مرزا خضر سلطان آخری شاہنشاہ دہلی ابو ظفر بہادر شاہ کے صاحبزادہ نواب شرافت محل کے بطن سے تھے۔ جنرل مرزا مغل کے چھوٹے بھائی تھے۔ نواب شرافت محل دہلی کے مشہور گھرانہ سادات کی چشم چراغ تھیں۔

مرزا خضر سلطان نے ابتدائی کتب علوم مروجہ کی مولوی سید احمد حسین ولد غلام حسین شکیبہ سے جو میر تقی میر کے شاگرد تھے تعلیم پائی اور سید امیر پنجم کش دہلوی جو قلعہ معالی کے جگت استاد تھے۔ خوشنویسی سیکھی۔ مرزا عبداللہ بیگ سے بھی مشق میں اصلاح لیا کرتے۔ مرزا صاحب پھلپتی پھلپتی چورنگ لگانا سپاہ گرمی بانک بنوٹ کے استاد تھے۔ انھوں نے یہ فنون بھی مرزا صاحب سے حاصل کئے۔ مرزا سنگی بیگ سے جو خاندان میر عابد علی مشہور پھلپتی باز تھے۔ پھلپتی علی مدد کی سیکھی اور گھوڑے کی سواری کا طریقہ بنج خاں اور بندو خاں جاہک سواران شاہی سے حاصل کیا اور بندوق لگانی اور تیر اندازی اور چورنگ لگانا اور سنیا کاٹنا اپنے بڑے بھائی صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر سے سیکھا۔ قلعہ میں شعرا و شاعری کے چورچے تھے۔

خاقانی ہند سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق کا طوطی بول رہا تھا۔ شاہ کے استاد تھے۔ سب شہزادے ان سے ہی مشورہ سخن کیا کرتے مگر ولی عہد بہادر فتح الملک مرزا فخر و اور خضر سلطان نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب کی طرف مائل اور ان سے ہی کلام کی اصلاح لیا کرتے مرزا صاحب کی توجہ بھی ان پر زیادہ تھی اور دل سے انکے کلام کی اصلاح دیا کرتے۔ چنانچہ ایک دن مرزا صاحب قلعہ میں آئے۔ ولی عہد بہادر سے ملے پھر شاہ کی خدمت میں باہریاب ہوئے۔ بہادر شاہ نے شرف گفتگو بخشا اور اثنائے کلام میں فرمایا۔ مرزا نوشتہ اپنا نیا کلام بھی سناتے جاؤ۔ چنانچہ انھیں دنوں میں یہ غزل کہی تھی۔ بادشاہ کو سنا رہے تھے اتنے میں خضر سلطان آنکے اور باپ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ مرزا صاحب نے اس غزل پر یہ شعر اور اضافہ کر کے سنایا

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سر پر
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

بادشاہ مسکرا دئے اور خضر سلطان نہال ہو گئے۔ غرض کہ قلعہ میں شعرو شاعری کے چرچے اوز جو انگریزوں سے وظیفہ بہادر شاہ کو ملتا اس پر سب شہزادے قانع اور گذران کرتے۔ تمام شہزادوں میں مرزا فتح الملک بہادر اور مرزا خضر سلطان اور اس کے بھائی مغل کو اہلیت مغلیہ حکومت کے لئے سر سے اقتدار حاصل ہونے کی انگلیں تھیں۔ ورنہ تمام شہزادے عیش و عشرت میں لگے رہتے ۱۸۵۶ء میں مرزا فتح الملک

بیضہ سے انتقال کر گئے تو ولی عہدی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ مرزا قویش تمام شہزادوں میں بڑے تھے۔ ان کو ولی عہد ہونا چاہتے تھے۔ مگر ملکہ زینت محل جو بادشاہ کی محبوب بیوی تھی ان کے بطن سے مرزا جوان تخت تھے جو سب شہزادوں سے چھوٹے تھے ان کو ولی عہد بنانا چاہتی تھیں اور بادشاہ کو بھی آمادہ کر لیا تھا۔ وہ کوٹشاں بھی تھے خضر سلطان اور مرزا مغل کو ان تفسیوں سے دلچسپی نہ تھی۔ انگریزوں نے مرزا قویش سے کچھ شرائط کے ساتھ ولی عہد کر دیا۔ اور بادشاہ کی خواہش مسترد ہو گئی۔ مرزا مغل کو تمنا تھی کہ خود بادشاہ بنیں اور پھر سے مغلیہ حکومت مضبوط ہوئی اور ان کو اور خضر سلطان کو ریڈیٹنٹ سے نفرت تھی جب کبھی وہ بادشاہ کے پاس آتا تو یہ وہاں سے کھسک جاتے ۱۸۵۶ء میں ناناراؤ پیشوا اور عظیم الشرفاں بادشاہ کی حضور میں آئے۔ بادشاہ نے نذرے لی، گفتگو کا موقع نہ دیا البتہ مرزا مغل سے ناناراؤ اور عظیم الشرفاں سے بات چیت ہوئی اس نے خضر سلطان شریک گفتگو تھے۔

۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں چربی کے کارٹوس پر فوجی ہمت رو سلمان انگریز افسروں کی ظالمانہ طریقہ سے بگڑ بیٹھے تھے۔ اس فوج کی جو حریت نواز تھی اس کے سرگروہ رسالدار سید محسن علی بریلوی تھے اور ان کے ہاتھ میں فوجیوں کی ہاگ تھی وہ میرٹھ سے پل کھڑے ہوئے اور سید علی دلی آئے۔ یہاں باقی رہ گئے تھے ان کے

ساتھ اہل شہر کے سورا اور بہادر لڑ جوان ہو گئے اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑے اور بہت انگریزوں کو تہ تیغ کیا۔

رسالدار صاحب جب دلی میں آئے بادشاہ کو خبر لگی وہ یہ سن کر کہ فوج جو انگریزوں کی تھی وہ انگریز افسروں سے بگڑ کر ادھر آئی ہے خوفزدہ سے ہوئے۔ ادھر حکیم احسن اللہ خاں جو مدارالمہام تھے وہ بھی شہر سے قلعہ میں آکر بادشاہ سے آکر حریت نوازوں کے خلاف زہرا گلنے لگے۔ نواب زینت محل نے بادشاہ کو آمادہ کیا کہ وہ وطن پرستوں کی سرپرستی کریں۔ وطن پرست شہر میں داخل ہوئے تو بہت سے شہری جن کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی وہ ہمنا ہو گئے اور انگریزوں پر ٹوٹ پڑے۔ جو ملتا اس کو کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا۔ اہلی کوٹھیوں کو آگ لگا دی گئی۔ رینڈیڈنٹ دہلی کو میرٹھ سے اطلاع پہنچ چکی تھی مگر اس نے پروا نہ کی۔ بادشاہ نے اس کو خبر کرائی وہ قلعہ میں آیا۔ وطن پرستوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ بادشاہ خوف کھا رہے تھے مگر ملکہ زینت محل ہمت بندھاتی تھیں۔ یورپ کے فوجی وطن پرست بادشاہ کے حضور میں آئے مگر بادشاہ ان پر خفا ہوئے مگر مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان۔ مرزا قویش۔ مرزا عبد اللہ۔ مرزا ابو بکر۔ یہ تمام شہزادے ان کے ساتھ ہو گئے۔ وطن پرست اور مجاہدین نے اپنی جماعت کا کمانڈر مرزا مغل کو کیا۔ دوسرے شہزادوں کو گورنمنٹ اور کیپٹن کے عہدے دئے۔ بلکہ مرزا مغل کی جلالت شان کو

دیکھ کر ان کو بھی بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ دلی میں چاروں طرف سے فوج و وطن پرستوں کی آگئی تو بادشاہ سلامت کو بھی کچھ احساس ہوا۔ گمران کے اردگرد مرزا الہی بخش اور حکیم حسن اللہ خاں۔ محبوب علی وطن سے غداری کر رہے تھے اور انگریزوں سے ساز باز کئے ہوئے تھے۔ مگر نواب زینت محل کو انگریزوں سے دلی دشمنی تھی۔ اس لئے بہادر شاہ کو آمادہ کیا کہ وہ حریت نواز فوجوں کی سرپرستی کرے۔ غرض کہ بادشاہ کو بھی حریت نواز فوجوں سے دلچسپی ہونے لگی۔ ایک کونسل بنائی گئی اور وزیر جنگ جو ان بخت مقرر ہوئے۔ فوج کے کمانڈر مرزا مغل ہوئے اور دوسرے شہزادوں کو بھی فوج کے عہدے دئے گئے۔ ایک پلیٹن کی نگرانی نواب زینت محل کے سپرد ہوئی۔ عمائد شہر کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ بادشاہ کی رائے یہ ہوئی کہ میرٹھ پر حملہ کیا جائے اور تمام امرائے ہند کو بادشاہ نے مراسلے روانہ کئے چاروں طرف سے بوق بوق فوجی اور مجاہد آنے لگے۔ بریلی سے جنرل بخت خاں بھی آگئے۔ خط سلطان فوج لے کر انگریزوں پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جنرل بخت خاں ردھیلہ بڑا بہادر جنرل تھا اس کو لارڈ گورنر بنا یا اور اسلئے مشورہ بغیر بادشاہ کوئی کام نہ کرتے۔ یہ بات مرزا مغل کو کھٹکی اور آپس میں رنجش بڑھ گئی۔ بخت خاں نے انگریزوں سے چند مقابلے کئے جس میں انگریز مقابلہ پر شکست کھا گئے مگر مرزا صاحب

اور خاں صاحب کی کشمکش نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ خضر سلطان بخت کے ہمنوا تھے۔ جب بازی ہرتی ہوئی دیکھی بخت خاں نے بادشاہ سے کہا کہ میرے ساتھ یہاں سے نکل چلئے۔ یہاں اسی ہزار فوج بیکار جمع ہوئی۔ روہیلکھنڈ میں خدائی پکاس ہزار فوج جھنڈے تلے جمع کر دوں گا وہیں انگریزوں سے فیصلہ کن جنگ کر لی جائے گی۔ بادشاہ رضامند ہو چلے تھے۔ مگر مرزا الہی بخش نے نواب زینت محل کو ڈرا دیا کہ یہ روہیلہ نواب غلام قادر خاں کا قراہت دار ہے۔ بادشاہ کو آگے رکھ کر انگریزوں کو مار بھگا بیگا اور پھر خود ہندوستان کا بادشاہ بن جائیگا۔ یہ انگریزوں سے رجب علی کی معرفت بادشاہ کی صفائی کرائے دیتا ہوں۔ زینت محل نے بادشاہ کو سمجھا بچھا کر آمادہ کر لیا کہ وہ بخت خاں کو بھاری جواب دیدیں چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ بخت خاں اپنی فوج لیکر لکھنؤ چلتا ہوا۔ دلی پر انگریزی فوج قابض ہو گئی قتل عام ہونے لگا۔ بادشاہ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آگئے۔ سائڈرس ظالم ان کی گرفتاری کے لئے مقبرہ آیا۔ اس نے دھوکہ سے سب کے ہتھیار رکھوائے۔ مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان کو معہ بیس شہزادوں کے گرفتار کر کے کوٹوالی کے سامنے گوئی کا نشانہ بنایا اور ان کے سر کاٹ کر خوان میں بادشاہ کے آگے بھیج دیئے۔ بادشاہ اور زینت محل اور ہواں بخت زینت محل میں لے جا کر نظر بند کر دیئے گئے بادشاہ پر مقدمہ چلا۔ اس کے بعد انہیں رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں کلفت میں

ان کا انتقال ہو گیا۔

شہزادوں کی سڑک پر پڑی ہوئی لاشیں پھر دفن کر دی گئیں۔ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :-

نہال گلشن اقبال پائمال ہوئے گل ریاضِ خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور کیا زوال ہوئے کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے

جو عطر گل کو نہ ملتے ملے وہ مٹی میں

جو فرش گل پر نہ چلتے ملے وہ مٹی میں

نواب فضل حسین خاں والی فرخ آباد

پہلی جنگ آزادی کے مشاہیر انقلابیوں میں نواب فضل حسین خاں کی شخصیت بھی نمایاں ہے۔ انگریزی حکومت کو ختم کرنے میں مولوی عظیم اللہ خاں کان پوری مولوی احمد اللہ شاہ کے ہم نوا تھے۔

نواب فضل حسین خاں ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ خاندان ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں

ناصر جنگ ابن دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ

ابن امام خاں ابن نواب قائم خاں ابن نواب محمد خاں حفنفر جنگ

بگلس (تاریخ فرخ آباد ولی اللہ قلمی) نواب محمد خاں کے بد بگلسات

سے عہد فرخ میر میں ہند میں وارد ہوئے اس زمانہ میں نواب مرتضیٰ خاں کے جد بھی آئے۔ بہر دو ایک جدی تھے۔ مرتضیٰ خاں کے صاحبزادہ نواب مصطفیٰ خاں شیفہ تھے۔

بنگلہوں کے کارنامہ روہیلوں کے ساتھ مشہور ہیں نواب احمد خاں اور نواب قائم خاں کی امرائے ہند میں شخصیت امتیازی درجہ رکھتی تھی نواب تجمل حسین خاں بڑے نخلہ کے امیر تھے جو نواب تفضل خاں کے چچا تھے۔ ان کی داوود دہش کی بڑی دعوم تھی۔ دور دور کے اہل علم اور شعرا ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ منیر شکوہ آبادی بھی ان کے دربار کے شاعر تھے۔ نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب کو نواب نے فرخ آباد آنے کی دعوت دی تو مرزا صاحب جاتے جاتے رہ گئے مگر مرزا غالب نواب تجمل حسین خاں کے بڑے مداح اور انکی سخاوت کے معترف تھے فرماتے ہیں سے

دیا ہے نخل کو بھی تا اسے نظر نہ لگے

بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

حضرت منیر شکوہ آبادی نے نواب تجمل حسین خاں کے متعلق

زاد راہ بھیجے پر یہ قطعہ لکھا ہے

خطاب جن کا ظفر جنگ نام ہے اعلیٰ

نہ سپہر کرم فیض عام میں بیکتا

طلب کیا ہے کمال اشتیاق سے بخدا

امیر عہد تجمل حسین خاں نواب

زمانہ میں انھیں کہتے ہیں لوگ حشرت جنگ

انھوں نے شفق معہ صرف راہ بجا ہے

چلا ہوں لکھنؤ سے موئے فرخ آباد میں آج ہزاروں مسرتیں رنج و ملال ہیں ہیں صدرا
 فراق لکھنؤ سے ہے میری یہ — تاریخ بہشت ہند سے افسوس! ہاپے میں نکلا
 دوران قیام فرخ آباد میں میر نے ایک قصیدہ لکھ کر نواب کی خدمت میں پیش
 کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے

قلزم فیض کے کس کے ہوئے پیدا گوہر اپنے کوزوں میں لئے پھرتے ہیں دریا گوہر
 اہم نواب کی خدمت میں بڑھی ہے ایسی! بن گیا اختر تفتدیر ہمارا گوہر
 نواب نے اس قصیدہ کے حملہ میں ایک فطرت زریں اور زنجیر طلائی
 عطا کی۔ نواب نجل حسین کا انتقال ۱۸۴۷ء میں ہوا۔

نواب تفضل حسین خاں بھن سلطان عالیہ سے ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ تربیت نواب نجل حسین خاں کی آغوش میں پائی وہ لاہور
 تھے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد نواب تفضل حسین خاں جانشین ہوئے
 انتظام ریاست کو بڑے قابلیت سے انجام دیا گیا۔ برس انھیں
 حکومت کرنے ہوئے گزرے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی رونما
 ہوئی۔ نواب خاندان بنگلش کا وہ فرد محترم تھا جس کے باپ دادا تینوں
 کے سایہ میں پئے وہ خاموش کیت بیٹھا۔ یہ بھی وقت کے تقاضے
 سے رنگ لائے بغیر نہ رہ سکا۔ نجل حسین کمانڈر انچیف انگریزی حکومت
 سے بغاوت کر کے سینٹ پور سے پٹنوں اور توپخانہ کے ساتھ نواب کے
 علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دستگیری کی اور ہر قسم کی
 مالی اور مجاہد افغانوں اور اسلحہ جنگ سے مدد کی تمام حریت نواز

نواب کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ تاناراؤ پیشوا اور عظیم اللہ خاں سے نام و پیام پہلے سے تھے۔ چنانچہ نواب نے بھی وطن پرست امراء کے ساتھ اپنی خود مختار حکمرانی کا اعلان کر دیا اور بہادر شاہ کے پاس اپنا وکیل مطلق بھیجا۔ سات ماہ تک کامل ضلع فرخ آباد پر حکمرانی کی۔ انگریز افسر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انگریز فوج بگوش پٹھانوں سے مار کھا گئی۔

احمد یار خاں ناظم اور محسن علی خاں یہ آزاد فوج کے سردار تھے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ دہلی نے اپنی نہایت سلطنت منظور فرمائی۔ اور خلعت و سند سے نوازا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی) اور باغی علماء، انگریزی فوج سے دو چار جگہ معرکہ جنگ رہا۔ مگر دلی پر انگریزی قبضہ ہو جانے سے ان کے سامنے دغا دے گئے۔ انگریز نے پوری طاقت سے فرخ آباد پر یلغار کر دی۔ یہ رنگ دیکھ کر نواب نے ۱۸۵۹ء میں اپنے کو گورنمنٹ کے حوالہ کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمے قائم کر دئے گئے۔ مگر بیروز نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یورپین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر ہی اسپیشل کمشنر مقرر ہوا۔ اور حریت نوازوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ نواب پر جرم قائم کر کے پھانسی کا فیصلہ کمشنر نے دیا۔ ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں جنھوں نے مقابلہ پر انگریزوں کو شکست دی تھی وہ سزایاب ہوئے اور ان کو پھانسی دیدی گئی۔ منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ لکھا ہے

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب
 جوان قابل و فرزند قاص نصرت جنگ
 سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں
 ہر ایک دل میں جگہ اسکی جان سے بڑھ کر
 زمانہ اس کی مروت پر اس طرح شیدا
 وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول!

نہال پارغ کرم زریب مسند شوکت
 سلام آل نبی سرور قمر طلعت
 ریاست اور امارت کے واسطے زمینت
 ہر ایک زباں پر اس کا وظیفہ درجبت
 مشام روح ہو جس طرح عاشق نگہت
 عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت

مینر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ

ہوا شہید امیر اسیر باہمت

نواب اقبال مند خاں بہادر اور نواب غضنفر حسین خاں بہادر
 ہر دو نواب تفضل حسین خاں کے ساتھ شریک جنگ آزادی تھے۔
 چنانچہ انگریزوں نے ان دونوں کو باغی قرار دے کر دار پر چڑھا دیا۔
 اقبال مینر خاں و غضنفر حسین خاں دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
 دونوں جوان نیک مخیر و ذی حشم مقتول تیغ تیر فنا آہ آہ ہائے
 تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ مینر

دونوں شہید راہ مند آہ آہ ہائے

نواب تفضل حسین خاں نے اپنی گورنر جنرل کے یہاں کی مگر
 گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹا دی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ
 کے علاقہ سے کہیں دوسرے ملک میں جا کر بسیں اور اگر کبھی لوٹیں تو
 سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ نواب ۱۸۵۹ء کو بھارت پر عدن روانہ ہو گئے۔

اور وہاں سے حجاز جا کر مکہ معظمہ میں رہنے سہنے لگے۔ ان کا کل علاقہ فرخ آباد
 ضبط کر لیا گیا اور خاندان کے بڑے لوگوں کو پھانسی دیدی گئی چند کو سزائے
 قید ہوئی۔ ان کے اہل خاندان پر سخت مظالم کئے۔ نواتین دانہ دانہ کو
 محتاج کر دی گئیں۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تو
 نواب تفضل حسین خاں سے بھی ملے۔ نواب فقرا کی صفت میں کھڑے ہوئے
 تھے اور مثل گداگروں کے مٹنی ادا دتھے۔ نواب صدیق حسن خاں یہ
 حال دیکھ کر رو پڑے اور ان کو گے سے لگا لیا۔ اور اپنے قیام گاہ پر
 لا کر رکھا۔ ایک نیا جوڑہ بنا کر دیا (ماثر صدیقی) اور مالی مدد دی۔ آخر میں
 نواب نے بحالت کلفت ۱۲۸۶ھ میں انتقال کیا۔ مکہ معظمہ میں سپرد
 خاک ہوئے۔ یہ تھی وطن پرست کی روداد۔

مولوی حکمت اللہ خاں شہید فوجپور

فوجپور، ہسوا کا پور سے ۴۰ میل جانب الہ آباد واقع ہے۔ یہاں
 مسلمانوں کی زیادہ آبادی ہے۔ چھٹی پلٹن کے بچپاس سپاہی
 یہاں تھے۔ جج، مجسٹریٹ، کلکٹر واسسٹنٹ مجسٹریٹ انگریز تھے۔
 مولوی حکمت اللہ ڈپٹی مجسٹریٹ ڈپٹی کلکٹر ایک مسلمان افسر تھے۔ مولوی
 صاحب بڑے عبادت گزار اور صوم و صلوات کے پابند تھے مگر انگریز

حکام کی سخت گیریوں سے نالاں تھے۔ انگریزی حکام مالگذاری بڑے جوہر اور ظلم سے وصول کرتے تھے۔ زمیندار نے اگر مالگذاری میں دیر کی ہے تو اس کو درخت سے باندھ دیا اور بھوکا پیاسا بندھا ہوا ہے آخر اس کے عزیز زیور فروخت کر کے مالگذاری داخل کرتے اور زمیندار کی جان چھڑاتے۔ زمیندار کا اشتکاروں سے سختی سے لگان وصول کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر تنفس انگریز سے نفرت کرتا تھا۔ میرٹھ کے واقعہ سے اہل فچپور دلچسپی لے رہے تھے اور دانانگ رہے تھے کہ کانپور یا لکھنؤ سے حریت نوازوں کی فوج آجائے اور ان ظالم حاکموں کا قلع قمع کر دے۔ چنانچہ جو انگریز یہاں محکمہ نمک و اونیون کے افسروں میں سے تھے ان سے ان کے ملازمین تک بے رحمی کا برتاؤ کرتے۔ مولوی حکمت اللہ بھی اپنے بھائیوں کے دلوں کے حالات سے خوب واقف تھے۔ یہ کچھ زمانہ تک کانپور میں تحصیلدار رہے تھے۔ شہانہ دینا نماں دفعدار جو پلٹن میں تھا اور فتح پور میں عظیم اللہ نماں یہ خاص آدمی تھا وہ ان کا ملاقاتی تھا۔ وہ یہاں آکر ان سے روزانہ باتیں کیا کرتا تھا۔ مجسٹریٹ کو بھی شہر کی چہ مہیب گویوں کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس نے تمام انگریزوں کو اپنی کوٹھی پر جمع کیا اور باہمی مشورہ سے انہیں آبادیوں کو بھیجا۔ ۷ جون کو پلٹن نمبر ۵۶ اور دوسرا سالہ کانپور جاتے ہوئے گذرا۔ انہوں نے خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ چینی رجمنٹ کے ۵۰ سپاہی محافظ تھے۔ انہوں نے کہا کہ بھائیو یہ ہمارے لئے چھوڑو کہ

ہمیں بھی فرنگیوں سے مقابلہ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ فوجی ہنستے ہوئے کانپور چلے گئے۔ یہ دیکھ کر مجسٹریٹ وغیرہ ۸ بجوں کو رات کے وقت گھوڑوں پر فرار ہو گئے۔ بیج فتحپور میں رہا۔ آخر ش چھٹی رحمت نے بھی پادری کے مکان کو نذر آتش کیا کہ یہ عیسائیت کی تبلیغ کیا کرتا اور بزرگان دین کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ اس کی کوٹھی جلا کر بیج کو آکر گھیر لیا۔ اس نے گولیاں چلائیں کچھ نہتے مارے گئے جس پر فوجیوں نے گرفتار کر لیا اور بچوں کے سامنے پیش کیا گیا انھوں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ دئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پورے فتحپور پر حکمت اللہ اور ان کے ساتھیوں کا قبضہ تھا۔ یہ انتظار تھا کہ کانپور میں ناناراؤ نے جو حکومت قائم کی ہے اس سے تعلق کر لیا جائے۔ مگر کچھ عرصہ بعد رنگ دوسرا ہوا کہ ہیولاک مع فوج کے فتحپور آیا اور اہل شہر کو توپوں کے دہانہ پر رکھ لیا۔ حکمت اللہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔ ان کا مزار مولانا نجم الدین شاہ کی خانقاہ کے سامنے آج بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب روزانہ بعد نماز فجر اس مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ راقم السطور نے ۱۹۲۵ء میں زیارت کی۔

(تاریخ بناوٹ ہند صفحہ ۳۸۹ و ۳۹۲ و ۳۹۸)



لکھنؤ قیصر باغ - انگریزوں کی ہیما نہ ہر کتوں اور لوٹ مار کا ایک اور روح فرسا منظر

مرزا برجیس قدر بیکادر

مرزا برجیس قدر بہادر پیا جانِ عالم و احمد علی شاہ نواب لکھنؤ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ پہلی جنگ آزادی میں اس کم سن نواب زادے نے انقلابیوں کے پہلو پہ پہلو انگریز کی فوج سے مقابلہ کر کے اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پر قبضہ کیا اور چند ماہ حکمرانی بھی کی۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی اور مولوی عظیم اللہ کانپوری سربراہ کارناتا راؤ پیشوا۔ شہزادہ فیروز شاہ جنرل نخت خاں۔ جنرل مرزا مغل سی انقلابی ہستیوں کے ساتھ اپنے ملک کو..... آزاد کرانے میں برجیس قدر نے برابر کی شرکت کی۔ احمد اللہ شاہ اور عظیم اللہ کی پہلی جنگ آزادی کی اسکیم قبل از وقت مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہو گئی۔ عظیم اللہ نے بھڑور (کانپور) نانا راؤ پیشوا کو کانپور سے پونا تک مہاراجہ بنایا اور کانپور پر قبضہ کیا۔ انگریز نکال دیئے گئے۔ بہادر شاہ نے دلی میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا۔ تخت اودھ کا تاجدار کلکتہ میں نظر بند تھا۔ اس موقع پر لکھنؤ کی راہد معانی بلاتاج و تخت کے حریت نوازوں کو کھٹکی۔

مرزا علی رضا کو توال شہر اور راہہ جے لال سنگھ نصرت جنگ

ابن راجہ غالب جنگ رئیس الاحرار۔ میر نادر حسین۔ محمد قاسم خاں جو انگریزوں کے مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ ایک متفقہ رائے سے طے کیا کہ نواب ملکہ عہد کے بیٹے مرزا داراسطوت کو ان کے باپ کے تخت سلطنت لکھنؤ پر بٹھایا جائے۔ چنانچہ یہ حضرات نواب ملکہ عہد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کی کہ مرزا داراسطوت بہادر کو بادشاہ اودھ ہم لوگ بنانا چاہتے ہیں۔ اور تین لاکھ روپیہ نذرانہ کا آپ ہم کو نوازم شاہی کے لئے مرحمت فرمائیں گی۔ نواب ملکہ عہد نے جواب میں کہا۔ نواب شجاع الدولہ کمپنی بہادر سے تو مقابلہ کر سکتے تھے۔ ہم لوگ کمپنی بہادر کی زبردست فوج سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں۔ راجہ جے لال سنگھ وغیرہ یہاں سے رخصت ہو کر نواب خاں محل کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا، مرزا نوشیرواں قدر بہادر جو دلی عہد بہادر کے بڑے بھائی ہیں۔ ہم لوگ ان کو مسند نشین کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی گو مگو میں رہیں۔ اتنے میں شمشیر الدولہ بہادر محل میں آگئے اور ان سب سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ نواب مرزا برجیس قدر بہادر کو گولکسن ہیں مگر وہ اس تاج و تخت کا زیادہ مستحق ہے اور ہماری مرضی کے مطابق وہ امور سلطنت انجام دے سکے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ حضرت محل کے پاس پہنچے۔ وہ بڑی خاطر و مدارات سے پیش آئیں اور انھوں نے فرمایا کہ اب صاحبوں

کی جو رائے ہو وہ مجھے منظور ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے
 بطن سے جو بچہ ہے وہ اپنے باپ کو آزادی دلانے کے لئے سر بکھ
 میدانِ عمل میں آپ لوگوں کے ارشاد پر آ رہا ہے۔ نواب جمو خاں
 اس موطن میں پیش تھے۔ چنانچہ ۱۲ ذیقعدہ بروز یکشنبہ ۱۲۶۳ھ
 کو ۶ بجے شام قصر الخاقان میں مرزا رمضان علی خاں الملقب مرزا برجیس قدر
 اور امرائے شہر افسران فوج جمع ہوئے اور اس وقت مرزا برجیس قدر
 کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ نواب جمو خاں بہادر نے مرزا برجیس قدر کو
 تخت اودھ پر بٹھایا۔ شہاب الدین اور سید برکات احمد رسالدار اور
 راجہ جے نال سنگھ نے مندریں شاہی برجیس قدر کے سر پر رکھی۔ مبارکباد
 کا غلغلہ بلند ہوا۔ شعرائے لکھنؤ نے قیصر کے پڑھے۔ عمائد شہر اور
 ارکان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ جو نگر بخش صوبہ دار توپ خانہ
 فیض آباد نے افسر گولسنداز۔ دوست محمد خاں کو حکم دیا۔ انھوں
 نے ۲۱ ضرب توپ کی سنائی سرکی۔ نواب عالیہ حضرت محل حکومت
 کی نگراں مقرر ہوئیں۔ شرف الدولہ بہادر کو خلعت نیا بت عطا ہوا خلعت
 کو نوالی مرزا علی رضا بیگ کو ملا۔ میرزا درغی مہتمم رونم ہوئے۔ خلعت
 جرنیلی حسام الدولہ بہادر کو عطا کیا گیا۔ میرزا احمد علی خاں الملقب جمو خاں
 بہادر داروغہ دیوان خاص کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ اس کے
 بعد سب نے حضرت محل اور شاہ برجیس قدر کو پیر نذریں پیش کیں۔
 اس کے بعد تمام تعلقہ داران اودھ کے نام ضابطہ سے حکمانے

جاری کئے گئے۔

جنرل حسام الدین کو حکم دیا گیا کہ ۱۳ پلٹنیں نجیب کی بھرتی کریں۔
خان علی خاں پیارے صاحب ابن میر یوسف داروغہ مقرر ہوئے
میر صفدر علی محمد نقی خاں۔ میر نادر حسین۔ جواہر علی خاں۔ ہلال خاں۔
اعجاز علی خاں۔ قاسم علی خاں۔ بہادر مرزا۔ اصغر علی۔ محمد حسن خاں۔ ہر ایک
جدا جدا بٹالین کے افسر مقرر کئے گئے۔ (قبضہ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۳۳۷)
روزانہ قصر الخاقان میں شاہ برجیس قدر کا دربار ہوتا۔ پردے کے
پیچھے نواب حضرت محل تشریف رکھتیں اور عجلہ اراکین سلطنت شریک
ہوتے۔ لکھنؤ میں برجیسی تھانہ چوکی بٹھا دیئے گئے۔ مالگذاری
کی تحصیل کی جانے لگی۔

مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی فیض آباد کی جیل سے چھوٹ کر
آئے۔ ہزاروں مجاہدان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ گھاس منڈی
میں قیام فرمایا۔ انہوں نے آتے ہی نصف لکھنؤ پر قبضہ کر لیا اور اپنی
طرف سے تھانہ چوکی مقرر کر دیئے۔ شاہ صاحب کا اثر دور دور تک
پھیلا ہوا تھا اور ان کی ہی یہ اسکیم بھی جنگ آزادی کی بنائی ہوئی تھی۔
متمو خاں اور حضرت محل نے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری
دی اور عرض کیا کہ برجیس قدر آپ کی سرپرستی میں پیش کرتی ہوں
شاہ صاحب نے نوشنودی کا اظہار فرمایا۔ مگر یہ طے کر لیا کہ وہ دربار
میں شریک نہ ہوں گے اپنے پورے پر بیٹھے رہیں گے۔ آئندہ

امور سلطنت آپ کی رائے کے بغیر انجام نہ دیئے جائیں۔۔۔ مموخاں کو یہ بات کھٹکی۔ مگر شاہ صاحب کے اقتدار سے واقف تھا۔ اس وقت ہر بات منظور کر لی۔ مگر بعد کو اختلاف کرنے لگا۔

انگریزی فوج چاروں طرف سے سمت کزبیلی گارد میں جا چھپی تھی۔ تمام حکام انگریز لکھنؤ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

مولوی احمد اللہ شاہ نے فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور ۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو بیلی گارد پر حملہ کر دیا۔ مگر مموخاں نے اس وقت کمزوری دکھائی۔ شاہ صاحب کا پیر زخمی ہوا اور اس وقت مورچہ بیلی گارد فتح ہوا۔ ایک لاکھ فوج برہیس قدر کی جمع ہو گئی تھی۔ مرزا برہیس قدر خود فوج کی کمان لے کر انگریزی فوج کے مقابل ہوئے۔۔۔ کئی جگہ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ معرکہ عالم باغ میں راجہ مان سنگھ نے داد شجاعت دی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی۔ صرف گیارہ روز میں اودھ کے کسی ضلع میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کوئی حاکم نہ رہا تھا اور انگریزی عملداری خواب معلوم ہوتی تھی۔ کچھ عمائد شہر اور ارکان سلطنت میں سے انگریزی حکومت سے ساز باز کر گئے۔ اندرونی انتظام کے حال کی اطلاع دیدی گئی۔ چنانچہ سرکان کبیں خود فوج کانپور سے لے کر آیا۔ شاہ صاحب نے دو مرتبہ اس کو مقابلہ پر شکست دی۔ مگر جنرل اوٹرام کی سرکردگی میں نیپالیوں کی تازہ دم فوج آگئی۔ فریکس بھی تازہ دم فوج لے کر ایسی آگیا بغرض کہ لکھنؤ پر زبردست

حملہ ہوا۔ خان علی خاں نے مقابلہ کیا اور زخمی ہوئے۔ چو لکھی پورہ جیسی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور حضرت محل بر جیس قدر کی گرفتاری کے خوف سے ۶ مارچ ۱۸۵۸ء کو نیپال روانہ ہو گئیں۔

عبدالعلیم شرر لکھتے ہیں :-

ایک لاکھ کا مجمع بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے اس کے بعد ٹرائی جاری رکھ کر بر جیس قدر اور حضرت محل کے لئے آزادی کے ساتھ چلے جانے کا موقع دیا۔ پھر شاہ صاحب نے موقع کی نزاکت کا لحاظ کر کے خود بھی کھنڈوں سے ہٹ کر شاہجاں پور پہنچے۔ وہاں حضرت محل بھی آگئیں۔ بر جیس قدر ساتھ تھے۔ مگر اپنے ساتھیوں کی روش سے دل برداشتہ ہو کر پھر دریائے گھاگرا عبور کر کے مقام بوندی میں ماں بیٹے پہنچے اور وہاں سے نیپال چلے گئے۔

مرزا رمضان علی ناما کام
تاریخ روانگی جوہر جہلم

شد جانب کوہ چوں سبک تاز
نیپال مشتافت آمد آواز

حکومت نیپال نے حضرت محل اور بر جیس قدر کو اپنے یہاں پناہ دی۔ باقی ایک لاکھ فوج اور امرائے سلطنت بر جیسی معہ عمو خاں کے ہمالیہ کی گھاٹیوں میں جا چھپے یہ عمو خاں کی وجہ سے ہوا کہ اس کا خیال تھا کہ راجہ نیپال اس موقع پر ہماری مدد کرے گا اور اسکی رائے میں یہ لشکر یہاں تک آیا اور مولوی احمد اللہ شاہ کو چھوڑ آئے۔

۱۸۵۸ء تاریخ اور حصہ پنجم صفحہ ۸۶

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ناکام رہے اور انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور فوج کے سپاہیوں نے بھیس بدل بدل کر کسی نہ کسی طرف چلتے ہوئے اور ہزاروں جنگل ہی میں رہ پڑے۔ محمد خاں گرفتار ہو کر کالے پانی گئے۔ غرض کہ ماں بیٹے نبیال میں مقیم ہو گئے۔ راجہ کی طرف سے وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جس قدر جو اہرات ساتھ تھے وہ راجہ کے قبضہ میں گئے۔ ۱۸۵۹ء میں حضرت محسن انتقال کر گئے۔ وگوریہ کی جو بی بی پر برطانیہ نے مرزا برجیس قدر پر سے پابندی مٹائی۔ برجیس قدر کا گتہ آئے۔ واجد علی شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مرزا قدر کو حکومت نے ان کے اثاثہ کاروں مقرر کر دیا تھا۔ وہی وظیفہ پاسے تھے۔ برجیس قدر نے اپنے حق کا دعویٰ کیا اور انگلستان جانے کی تیاری کی کہ ان کے اہل خاندان نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی دعوت کی۔ وہاں کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ کھانے والوں کو دست و پا لگ گئے اور سب کی زندگی ختم ہو گئی۔

واجد علی شاہ نے اپنی منوی حرم اختریں مرزا برجیس قدر کا ذکر کیا ہے۔ جو وہ چو تھا شہزادہ ہے رشک بدر۔ اسے لوگ کہتے ہیں برجیس قدر۔ وہ ۱۴ برس کا ہے کچھ شک نہیں کہوں کیا کہ ہے وہ کہیں کا کہیں۔ تمام اس کی ماں کا کھلے بر محل سے لے گئی جیسے دریا کی موج بنا ہے اپنا آست بادشاہ

۱۸۵۹ء مشرقی ہندوستان کا آخری نمونہ سلطان منوی حرم اختر سنو ۱۸۵۹ء

واجد علی شاہ

واجد علی شاہ ابن امجد علی شاہ ۳۱ فروری ۱۸۴۷ء بمصر ۲۵ سال آبابی تخت پر متمکن ہوئے۔ نوجوانی کا عالم گو طبیعت میں رنگینی تھی مگر ملک کے نظام کی اصلاح کرنے کو آمادہ ہوئے فوج جدید طرز میں ترتیب دینا چاہی پر آئی وضع ترک کر کے توانا و مضبوط آدمی بھرتی کئے۔ حکومت ناراض ہو گئی نواب نے ارادہ ترک کیا لارڈ ولہوزی نے کرنل سپن کو اودھ دربار میں متعین کیا۔ اور اس کو خط کے ذریعہ آگاہ کیا کہ دو برس میں اودھ کا الحاق ہونا ضروری ہے۔ سلن نے ملک کا دورہ کیا۔ تمام مصارف و واجد علی شاہ کے ذمہ تھے اس نے رپورٹ پیش کر کے گورنر جنرل کو اودھ کے الحاق کی سفارش کی ادھر تک خوار ملازم نکال دئے گئے۔ اور تک حرام انعام سے نوازے گئے۔ سلین کے بعد ۵ ستمبر ۱۸۵۲ء کو اوٹ رم مقرر ہوا اس نے آتے ہی ۱۳ جنوری ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کو گورنر جنرل کا پیغام معزولی سنایا نواب نے بہت کچھ التجا سے کام لیا۔ مگر شنوائی نہ ہوئی۔ کلکتہ روانہ کر دئے گئے۔ فوجیوں کی برخواستگی نے اودھ کے علاقہ میں انگریز کے خلاف

ایک تحریک شروع ہو گئی دو پلٹنیں اودھ آرمی کی پارک پور روانہ کی گئیں۔ جنہوں نے وہاں فوجوں میں آزادی کے خیالات پھیلانا شروع کر دیئے۔ منگل پانڈے اس تحریک پر گولی کا نشانہ بنا۔ نواب اودھ کی معزونی کو ایک سال نہ گدرا تھا انقلاب ۱۸۵۷ء رونما ہوا تو واجد علی شاہ کو بھی فورٹ ولیم میں نظر بند کر دیا گیا۔

برس گذرا ہم کو جو اسے خوش سیر
کہ بلوائی کچھ جمع ہونے لگے
ہوئی خوب برگشتہ انگریزی فوج
میں سوتا تھا غفلت کا جاگکا ہوا
یکایک یہ نعل کان میں آ گیا
کوئی بولا کیا کئے اسے بادشاہ
جو کلکتہ کے قلعہ میں رہا
یہ قیدی ہوا بند جب سے ہنگامہ

یکایک جہاں ہیں اڑی یہ خبر
وہ کھا حقد کا دہرنے لگے
امنڈتی ہے جس طرح دریا کی موج
مقدر ادھر مجھ سے بھاگا ہوا
غضب ہو گیا ہے ستم چھا گیا
علی نقی خاں ہوئے قیدی آہ
توان لوگوں نے ساتھ میرا دیا
تو کی پرے والوں نے حالت تباہ

۱۸۵۷ء میں واجد علی شاہ نے ایک وفد ملک انگلستان کے پاس روانہ کیا۔ جناب عالیہ ملک کشور اور مرزا ولی محمد بہادر و مرزا سکندر عثمت اور مسیح الدین خاں کا کوری وغیرہ وفد میں شریک تھے۔ ملک و کشور یہ سے ملاقات کی اودھ انقلاب ۱۸۵۷ء ہوا عرضداشت قبول نہ ہوئی۔ جناب عالیہ ملک کشور کا فرانس میں انتقال ہو گیا۔

۱۸۵۷ء شہزادہ حزن اختر صفحہ ۶۳

مرزا سکندر حسمت بھی فوت ہوئے اور مرزا ولی عہد کلکتہ آ گئے۔
 آزادی کی تحریک ناکام ہوئی۔ انگریزوں کا تسلط برقرار رہا۔ واجد علی شاہ
 ٹیپا برج میں منتقل کر دیئے گئے۔ جہاں اپنی زندگی کے دن گزارنے
 لگے۔ شعر و شاعری کا شغل تھا۔ شعرا کا جھگڑا ساتھ تھا نظم و نثر میں کتابیں
 لکھ ڈالیں ۳۱ محرم ۱۸۶۷ء میں انتقال ہوا۔
 ماخذ۔ قیصر التواریخ۔ تاریخ اودھ پنجم نقی۔ تاریخ بغاوت ہند
 ڈاکٹر مکندر علی۔ پیا جان عالم۔

جنرل بخت خان و مہملہ

جنرل بخت خان سلطان پور کا رہنے والا تھا اور وہ بیکھنڈ اور
 نواب لکھنؤ سے قرایت قریب تھی۔ جنرل صاحب نے سرکاری فوج
 میں نوکری کر لی۔ بہت جلد ترقی کر کے رسالدار ہو گئے۔ کابل وار
 میں مسٹر رسل کے ساتھ کارہائے نمایاں کئے تو پ خانہ کے انچارج
 کر دیئے گئے اور صوبہ دار بنا دیئے گئے۔ واپسی پر چھاؤنی نصیر آباد
 رہے۔ بریلی آ گئے۔ نواب بہادر خاں جو حافظ الملک حافظ رحمت
 خاں کے پوتے اور صدر الصدور کے عہدہ پر ممتاز تھے ان سے
 تعلقات ہو گئے۔ انگریزوں کے طرز عمل سے جنرل صاحب

ان سے پینزار سے تھے میرٹھ سے انگریزی مظالم کے خلاف بغاوت کی صورت سے جنگ آزادی شروع ہوئی وہاں سید حسین علی بریلوی رسالدار فوجی عثمان وطن کے سرگروہ تھے۔ ملک میں انگریزوں سے منافرت پہلے سے تھی اور خفیہ طور پر مولوی احمد اللہ شاہ۔ ناناراؤ اور عظیم اللہ اور تانتیا ٹوپے انگریزوں سے بغاوت کی اسکیم چلا رہے تھے۔ جگہ جگہ ان کے نقیب فقرا کے جھنڈے میں انگریزوں سے منافرت پھیلا رہے تھے۔ جنرل صاحب نے نواب بہادر خاں کو آگاہ کیا کہ وہ بریلی کی حکومت کو ہاتھ میں لیکر روہیلکھنڈ کی فرمانروائی کریں اور سند حکومت کے لئے خود دہلی بادشاہ کے پاس پہنچنے کی ٹھانی۔

نانا صاحب نے اپنے بھائی لہار راؤ کو اپنا نمائندہ بنا کر نواب بریلی کے پاس بھیجا۔ جنرل صاحب نے لہار راؤ کو ساتھ لیکر پہلے بدایوں گئے اور توپ خانہ ساتھ لیا اور فوج ہمدانی اور دلی پہنچے یہاں جو میرٹھ سے فوج آئی ہوئی تھی اور کچھ دہلی کی فوج ان سب نے مرزا نعل کو اپنا کمانڈر بنا رکھا تھا۔ مرزا نعل بہادر ضرور تھا مگر فوج کی قیادت آسان کام نہ تھا۔ شہر میں لوٹ مار اور غارتگری کا بازار گرم تھا۔ جنرل صاحب دربار بہادر شاہی میں حاضر ہونے تبین لاکھ روپیہ پیش کیا۔ بادشاہ نے ان کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ یہ شخص فوج کی قیادت کا حقدار ہے لہذا ان کو تمام افواج کا کمانڈر انچیف کر دیا گیا۔ انہوں نے سب سے پیشتر شہر کا انتظام کیا۔ فوج جو غیر منظم حالت میں بھی اس کی

درستی کی۔ چاروں طرف سے قافلہ جانا بازی کے لئے چلے آ رہے تھے
نوسے ہزار فوج ان کے زیرِ کمان ہو گئی تھی۔

مگر مرزا منگل کو جنرل صاحب کی آمد سے ایک گونہ ملامت ہوا۔
اور وہ خود بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے ادھر بہادر شاہ
کے سدھی مرزا الہی بخش انگریزوں سے ساز باز کئے ہوئے تھے انھوں نے
شہزادہ کو درغللا رکھا تھا۔ جنرل نے انگریزوں سے خوب خوب
مقابلہ کئے۔ مگر جن مورچوں پر مرزا منگل کو مقرر کیا وہیں سے جنرل
کی اسکیم کو ناکامی ہوئی اس طرح جنرل صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر
کہ انگریزوں کا مہابی سے بڑھ رہا تھا اور بادشاہ قلعہ سے ہمایوں
کے مقبرہ آگئے تھے ان سے التجا کی کہ دہلی کے بجائے دوسری جگہ
مورچہ لگا کر انگریزوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں جو تدبیر کی جاتی
ہے آپ کے سامنے اس کی خبر انگریزی کیمپ کو دیتے رہتے ہیں
جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ آپ میرے
ساتھ تشریف لے چلیں۔ ہزار ہا روہیلہ آپ پر قربان ہونے کو تیار
ہیں۔ بادشاہ کچھ کچھ آمادہ ہوئے۔ مگر الہی بخش نے زینت محل کو
گھانٹ لیا اور بادشاہ کو بھی درغللا یا وہ اس کے پھندے میں پھنس
گئے آخر میں اپنی فوج اور توپ خانہ کو لیکر جنرل صاحب لکھنؤ چلے گئے۔
وہاں اپنی عزیزہ نواب سلطان بہو کے پاس ٹھہرے۔ حضرت محل
نے بڑی تواضع و مدارائے کی۔ بخت خاں نے مولوی احمد اللہ شاہ

کے ساتھ ہو کر لکھنؤ اور شاہجہاں پور کے تمام معرکوں میں شرکت کی آخر میں نیپال کی ترائی میں فقیر بن کر اپنی زندگی ختم کر دی۔ اگر بادشاہ جنرل کے کہنے پر چلتے تو انگریزوں کا خاتمہ ہو چکا ہوتا اور نوے برس پیشتر ملک آزاد ہو چکا ہوتا۔

رسالدار حسین علی بریلوی

رسالدار سادات لڑ محمد بریلی سے تھے حضرت سید پہلے شاہ کے پوتے تھے۔ میرٹھ کی فوج میں رسالدار تھے۔ ان کے بھائی سید فیض علی نواب بہادر خاں کے احباب سے۔ تھے ان کی شادی مولوی حسن رضا صدر الصدور آگرہ کے یہاں ہوئی یہ خاندان اجتماد شکوہ آباد سے تھے۔ حسن رضا بھی جنگ آزادی میں شریک تھے جس کی وجہ سے پھانسی پر لٹکائے گئے۔ فیض علی انقلاب کے عہد میں پیش پیش تھے۔ ناکامی پر بریلی سے آگرہ آئے عرصہ تک روپوش رہے۔ ۱۸۵۷ء میں بھر ۱۰ برس انتقال کیا۔ ملک

۱۸۵۷ء داستان غدر۔ غدر کی بھیج و شام۔ قیصر اتوار بیخ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ جنرل بخت خاں روہید از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (معنف علی گڑھ) و ۱۸۵۷ء کے ہیر و از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔

باقر علی بلوری آپ کے داماد تھے ان کی ایک دختر مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کو منسوب تھیں
 ماخذ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء اخبار روہیلکھنڈ بریلی
 ۱۶ اگست ۱۹۵۵ء۔

سردار غوث محمد خاں

سردار غوث محمد خاں ابن سردار نور محمد خاں نبیرہ امیر کبیر
 سردار خضر خاں رئیس سکندریہ راؤ غوث محرم کو نواب ولی داد خاں
 رئیس مالاکھیر کی دختر منسوب تھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں سردار غوث محمد
 خاں نواب ولی داد خاں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت و مردانگی دیتے
 رہے۔ انگریزی فوج کے مقابلہ میں ایک موقع پر ان کو دریا سے
 گزرنا تھا گھوڑہ پر سوار تھے ابھی عبور نہ ہوتے تھے کہ گھوڑے نے
 ٹھوکر کھائی نیچے آ رہے اور تیر دریا ہوئے ان کی اہلک کہ گورنمنٹ
 نے ضبط کیا۔

مسٹر سائیل ایک عیسائی تھا وہ بھی حریت نوازوں کا ہمنوا ہو گیا۔
 نواب ولی داد خاں سات معرکوں میں انگریز کے مقابل میں شریک رہا
 ۱۸۵۷ء مولوی ارشد علی خاں ایم ف۔ سے پرنسپل اسلامیہ میرٹھ کالج سے حالات معلوم ہوئے۔

پھر ان کے ذمہ شہد رہ سے مالگڈھ تک رسد کا انتظام سپرد کیا گیا۔ باخبت کے مذاقہ میں کرم علی خاں ڈپٹی کنکٹر سے مقابلہ ہوا اس میں سائل وطن پر قربان ہو گیا۔

نواب محمد علی ابن نواب جنگ بہادر خاں جو راجہ دادری کے برادر زادہ تھے۔ دہلی پر تسلط کے بعد ان کے گھر میں انگریزی فوج داخل ہوئی انھوں نے فوجیوں سے مقابلہ خوب کیا تین یورپیوں کو بندوبست کا نشانہ بنایا۔ آخر ش خود بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ میاں رہین صد حسب بھو جلا پہاڑی پر رہتے تھے۔ مشہور و معروف انشا پرداز تھے۔ انگریزی سپاہی ان کے گھر میں گھسے۔ انھوں نے گولی سے ایک کو ٹھنڈا کیا سنگینوں پر ان کو رکھ لیا۔ اس پر بھی اپنے قاتل کو مار کر جاں بحق ہوئے۔

رسالدار میجر سید ہدایت علی سردار بہادر ۵ دوسری متحضر اپنے عہدہ پر سرفراز تھے۔ چھوٹے لال خاں ہوائی کی جنگی سامان سے مدد کی۔ ان کے عہدہ جزد سے بابو رحمت علی اور پوتے بڑے دوست ڈاکٹر سید قمر علی اکبر آبادی ہیں۔

۱۰۰۰ عدد کا نتیجہ ۲۲ صفحہ قدر کی صبح و شام صفحہ ۸۸

علی محمد خان جمی گرن

علی محمد خان بریلوی نوابان روہیلکھنڈ کے خاندان سے تھے بریلی کالج میں تعلیم پائی عظیم اللہ خاں کے ہم سبق اور ہاسٹرم رام چند کے شاگرد تھے۔ پھر انجینئرنگ کالج میں داخل ہوئے اول درجہ پاس کیا مگر بعد از کمپنی کی طرف سے ہوئے۔ پھر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے ملازم ہوئے۔ ہمارا چہ بنگ بہادر والی نیپال گورکھ پور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا تھا انگلستان جانے کے لئے ایک لائسنس انگریزی داں سکریٹری کی ضرورت تھی۔ علی محمد کو رکھ لیا۔ ہمارا چہ کے ساتھ انگلستان گئے ایڈنبرا ہو کر ہندوستان آئے۔ پھر عظیم اللہ خاں کے ساتھ ولایت گئے وہاں سے بوٹ کمر بریلی کی پلٹن میں شریک ہوئے حضرت محل کی فوج کے چیف انجینئر مقرر ہوئے۔ آخر میں گرفتار ہوئے اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔

مولوی میر عمران علی ابن سید عاشق علی شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی امام عبید گاہ شاہی شاہزادوں کی تعلیم پر مقرر ہوئے۔ مرزا مغل کے ساتھ تھے۔ محلہ کلیان پورہ کی مسجد میں انگریزوں کی گولی کا نشانہ بنے۔ سید محمد فرقان علی مدنی یادگار سے ہیں۔

مفتی عنایت احمد

مفتی عنایت احمد کا کوری بعد تحصیل علمی سند حدیث شاہ محمد اسحاق سے لی۔ قانون پڑھ کر وکالت کی سند لی ان کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے گورنمنٹ نے ان کو منصفی کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

مفتی صاحب منصف ہو گئے تو ایک طرف طلباء اپنی کتابیں لے کر بیٹھتے رہتے تھے جب موقع ملتا سبق پڑھ لیتے۔ شہر میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا۔ گرانے جدید عہدہ کا کام شروع نہ کیا تھا کہ جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ آپ بھی علما کے ہمنا ہوا ہو کر انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لینے لگے۔ کوری کے قریب وجوار میں آپ کے وعظ نے آگ سی لگا دی۔ کثرت سے مسلمان بغرض بہادری لکھنؤ پہنچے اور مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے کے نیچے معرکہ جنگ میں شریک ہوئے۔ جب انگریز بھوٹانیوں اور نیپالیوں کی بدولت لکھنؤ پر قابض ہوا تو مفتی کے حالات سے باخبر تھا۔ ان کو پھر گرفتار کر لیا اور مقدمہ بغاوت ان پر چلایا گیا۔ آخر شہادت ان کے متعلق صحیح تھا۔

اور مفتی صاحب نے اقبال بھی کیا کہ میں نے لوگوں میں جہاد کی تلقین کی جو میرے فرائض میں داخل تھی۔ حاکم نے سزائے موت کے بجائے کالے پانی کا حکم دیا۔ آپ نے خوش دلی سے قبول کیا۔ جزیرہ انڈمان میں جا کر قیدیوں میں اسلامی تعلیم پھیلائی ایک انگریز جو جیل خانہ کا افسر تھا اس کو معلوم ہوا کہ عنایت احمد بٹہ عالم ہے۔ اس نے آپ سے کہا مولانا تقویم البلاوان کا ترجمہ آپ کو دیں چنانچہ مولانا نے اس کا ترجمہ کر کے انگریز کو دیا وہ بہت خوش ہوا اور اس نے آپ کی رہائی کے لئے حکومت کو لکھا چنانچہ مفتی صاحب انگریز کی سفارشات پر رہا کر دیئے گئے۔ اور ہندوستان نوٹ آئے۔ آخر عمر درس و تدریس میں گزار دی۔

سعادت خاں

سعادت خاں کے دادا ہلکڑ کے معزز عمدہ دار تھے۔ خان خاندانی رئیس اور بہادر تھا۔ یہ بھی اندور میں وطن پرستوں کا لیڈر تھا۔ نو عمری میں وہ داد شجاعت دی کہ دشمن بھی مداح تھے۔

۱۰ استاد العلماء از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی صفحہ ۹

مشریٹریٹورس سے مقابلہ ہوا سعادت نیاں زخمی ہوئے۔ مگر
 جہاں مقابلہ مشریٹریٹورس سے ہوا ان کو معلوم ہو گیا کہ بہادر
 سپاہی مقابل ہے۔ راجہ ہلکے اپنے آپ کو مروایا اور یہ بہادر فرد
 بھی کام آیا۔

انگریز قوم نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار
 کا بازار گرم کیا۔

سید اکبر زماں اکبر آبادی یہ بھی جنگ آزادی
 میں شریک رہے۔ کالا پانی کی سزا ہوئی۔ ایسٹ
 انڈیا کمپنی اور باغی علماء میں مفصل حال
 ہے۔

رکن الدین سہوان کے رہنے والے تھے چمن پورے میں
 مکان تھا۔ ۱۸۵۷ء میں یہ بھی شریک جنگ آزادی ہوئے۔
 ناکامی پر سہوان سے جان بچا کر بھاگے اور برودہ آکر فوج
 میں نوکر ہو گئے۔ پھر برودہ سے راج کوٹ آئے وہیں انتقال
 ہوا۔ آپ کے صاحبزادے وزیر الدین تھے جو پولیس سب انسپکٹر
 رہے۔

خان محمد خاں

خان محمد خاں گولنڈاز کے والد خان دوست محمد خاں افغانی
 واجد علی شاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ مسٹر بارلو افسر توپ خانہ نے
 ان کو اپنے توپ خانہ میں لے لیا۔ گولنڈازی کی مشق میں کمال
 حاصل کیا ایک ماٹری کے افسر کر دیئے گئے۔ ان کے صاحبزادے
 خان محمد خاں نے بھی گولنڈازی سیکھی۔ واجد علی شاہ ۱۸۵۶ء میں
 معزول کر دیئے گئے اور کلکتہ بھیج دیئے گئے۔ تمام فوج علیحدہ
 کر دی گئی۔ دوست محمد خاں بھی گھر بیٹھ رہے۔ کھانہ میں مرزا
 برجیس قدر تخت اودھ پر بیٹھے۔ تمام پرانے آدمی ان کے ارد
 گرد جمع ہو گئے۔ توپ خانہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے افسر
 دوست محمد خاں کے لئے اور خان محمد خاں مولوی احمد اللہ شاہ
 کے شریک ہو گئے اور توپ خانہ خاں صاحب کے سپرد ہوا۔
 بلی گارڈ پر حملہ ہوا تو خان محمد خاں نے شاہ صاحب کے ساتھ
 بڑی بہادری و جنگجوی دکھائی۔ اگر ممو خاں حماقت نہ کرتے تو
 بلی گارڈ کو محمد خاں توپوں سے اڑا چکا ہوتا۔ شاہ صاحب رنجی
 ہو کر لوٹ آئے۔ البتہ رصد گاہ جہاں انگریز پناہ گریں تھے اس کو

خان محمد خاں نے توپوں سے اڑا دیا۔ معرکہ عالم باغ میں بھی
محمد خاں نے داد شجاعت دی۔ برہیس توپ خانہ نے بھی بڑا
کام کیا۔ اس میں دوست محمد خاں انگریزی گولی کا نشانہ بن گئے۔
خان محمد خاں مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہر معرکہ میں
رہے۔ محمدی پور میں اسلامی حکومت احمد اللہ شاہ نے قائم کی
افسر توپ خانہ محمد خاں کئے گئے۔

جب شاہ صاحب شہید ہو گئے تمام انقلابی روپوس ہو گئے
تو یہ بھی حجاز جانے کے لئے کھمبات پہنچے۔ یہاں کارٹیس نواب
یاور علی تھا وہ ان کے کارنامہ سن چکا تھا اس نے اپنے پاس
رکھ لیا اور دوپہر اور رات کے بچے کی دو توپیں داغنے کی
خدمت سپرد کر دی اور اپنی مصاحبت میں رکھا۔ نواب کو شکار
کا شوق تھا ان کو بھی ساتھ لیجاتا۔ نشانہ بازی میں بڑے مشاق
تھے توپ کا نشانہ ایسا لگتے تھے گولہ کبھی خطا نہیں کرتا۔
عمر طبعی پا کر انتقال کیا۔

جناب فیض چاند محمد بی۔ اے مصنف مرات القرآن و
بولتا قاعدہ ان کے نواسہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے
یہ اقم اسطور کے دوست ہیں

شاہ نپ احمد

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ
موردی سہسوان میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے لئے لکھنؤ اور دہلی
گئے۔ فن فقہ اور حدیث کی تحصیل کی کچھ عرصہ دہلی میں رہے۔
مولانا عبدالباقی حیات العلماء ہیں لکھتے ہیں :-

”مولانا طلبہ کو درس دیتے اس کے ساتھ فون سپہ گری
و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہ سواری میں ان کو مہارت
تامہ حاصل کراتے۔“

مولانا نے سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور
شریک غزوہ ہوئے کفار و مشرکین سے جنگ سرحد پر کی پھر
وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی ذکر و فکر و
مجاہدہ میں لگ گئے۔“

مگر انگریز کے خلاف تلقین کیا کرتے سکھاء میں سہسوان
میں بھی حریت نواز انگریزی اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے
انگریزی فوج مقابلہ پر آئی خوب خوب مقابلہ کیا سب سے آگے
مولانا تھے آخر شہ گولی کا نشانہ بنے دست مبارک میں تسبیح اور

لب پر گلہ شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سید پیمبر
نیپا ز احمد کہ بود از آل احمد
جو روح پاک او در جنت اسود
و نول حسد تاریخش برآمد

محمد ابراہیم خاں لکھنوی

نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بہادر امرائے لکھنؤ
سے تھے۔ محمد علی شاہ کے زمانہ میں عمدہ وزارت پر مامور ہوئے
پھر امجد علی شاہ کے عہد میں ریزیڈنٹ کی سفارش سے اس جگہ
پر قائم رہے جب واجد علی شاہ سریر آرائے مسند ہوئے ان کی
دیوانی کا حق تھا مگر علی نقی خاں منہ گئے تھے وہ مدار الملہام کر دئے
گئے یہ منہ دیکھ کر رد گئے۔ اس پر لطف یہ کہ ان کو شہر بدر کا حکم
ہوا۔ مگر ریزیڈنٹ نے واجد علی شاہ کو سمجھا کہ ان سے تعلقات
کو ادیئے۔

شہر میں واجد علی شاہ تخت سے معزول کر کے کلکتہ
بجھادیئے گئے۔ ایک سال بعد ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف تمام

۵۲ حکایت اعلیٰ سنو ۵۲

ملک ہو گیا۔ برہیس قدر تخت اودھ پر بیٹھے نواب شرف الدولہ کو
 نیابت کا عمدہ عطا ہوا۔ انگریزی فوج سے جب برہیسی فوج نے
 مقابلہ کیا تو شرف الدولہ پیش پیش تھے جب حضرت محل نے لکھنؤ
 چھوڑا ان کے گھرائیں اور ہمراہ لیجانا چاہا لکھنؤ سے باہر قدم نہیں
 نکالا ایک دن رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے انگریزی
 فوج کے آدمیوں نے ان کو گھیر لیا اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور
 سے شہر پر قبضہ کرتا ہوا ادھر آ نکلا اس نے پوچھا یہ کون ہے ان
 سپاہیوں نے کہا نواب شرف الدولہ وزیر نواب برہیس و تدر
 اتنے میں نماز کا وقت آیا نواب نماز میں مشغول ہو گئے۔ کارنگی کے
 حکم سے گولی مار دی گئی اور عنایت علی سے کہا اس کی لاشیں
 خاکروب گڑھے میں دفن کر دیں۔ غرض کہ اس طرح یہ شہید وطن
 پیوند خاک ہوا۔

قلعہ تالیخ

صاحب خلق و حیا منصف و فیاض و حلیم
 شہر قتیل ستم لشکرِ غدارہ لیتیم

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمنام جلیل
 جوں بدر گاہ ضیا بار جناب عباس

شہرواں روح پلطفش سوئے فردوس مقیم
 کفن از علقہ بود غسل ز آبِ تسنیم

ماند بے گور و کفن جسم شریفش بر خاک
 آئے آئے شہدار از عنایات خدا

مشہور التواریخ صفحہ ۵۷

زمزم کعبہ ازیں واقعہ شد چشم پر آب پشت محراب دو تا کشت ازیں بیخ عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سیر پوش حرم از الیم ابراہیم

مولوی رضی الدین بدایونی

مولانا رضی الدین بدایوں کے رہنے والے تھے قبوت الاسلام
کے علی گھرانہ سے تعلق تھا۔ علمائے عصر سے اکتساب علوم عربیہ کا
کیا مولوی فیض احمد بدایونی سرشتہ نظامت سے گہرے تعلقات تھے۔
شغل درس و تدریس تھا۔ انگریز افسروں کو فارسی پڑھایا کرتے۔ بریلی
میں نواب خان بہادر خاں نے علم آزادی بلند کیا اور اپنی حکومت کا اعلان
کیا۔ قرب و جوار کے سربراہ آوردہ لوگ ہمنوا ہو گئے۔ مولوی رضی الدین
نے بدایوں کے حریت نوازوں کو ساتھ لیکر بدایوں کے علاقہ پر
خان بہادر خاں کی حکمرانی تسلیم کی اور جہاں انگریزی فوج سے تسادم
ہوا۔ دو دو ہاتھ مردانہ وارد کھائے۔ جب تک بریلی پر نواب حکمراں رہے
ان کا بدایوں میں طوطی بولتا رہا۔ انگریزی فوج نے بریلی پر قبضہ کیا
اس کے بعد بدایوں پر بھی تسلط ہو گیا۔ تو حریت نواز جو روپوش ہو سکے

سہ فیصلہ التواریخ صفحہ ۲۵۷

وہ ہوتے باقی گرفتار ہو گئے ان میں رضی الدین بھی تھے ان پر نجات کا مقدمہ چلایا گیا۔ جس عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہوا اس وقت حاکم مسٹر کارمیکل تھے۔ یہ مولوی صاحب سے فارسی پڑھ چکے تھے مولانا طفیل احمد منگلوری "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں لکھتے ہیں :-

جب کارمیکل نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے

عناون الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کارمیکل ہکیٹر کو چونک

اپنے استاد سے ہمدردی تھی اس لئے انہوں نے مقدمہ ملتوی

کر کے مولوی صاحب کو کلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو

پھوڑ دیئے جائیں گے مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر بھی مولوی

صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر ہکیٹر کو مجبوراً سزائے موت کا

حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس حکم کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے

کا وقت آیا ہکیٹر اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب

سے رو کر کہا اب بھی اگر شرکت ہنگامہ سزا سے انکار کر دیں تو

میں آپ کو موت سے بچا لوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے

بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور

اپنی عاقبت خراب کر لوں یہ کہہ کر بخوشی جان دیدی۔

یہ تھی ایک سچے مسلمان کی زندگی۔ ۱۹۰۷ء کی جنگ آزادی میں

شرکت مولانا نے ثواب سمجھ کر کی تھی اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض

۱۹۰۷ء مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۱۳۲

بجھتے تھے۔ چنانچہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ ورنہ جھوٹ بول کر جان بچا سکتے تھے۔ مگر حق بات کو چھپانا گوارا نہ ہوا اور اپنی جان پر کھیل گئے۔

نواب ولی دادخاں

نواب ولی دادخاں رئیس ماگلاہ ان کی ہمشیرہ زادی بہادر شاہ کے لڑکے کو بیاہی تھی۔ ہنگامہ سہ ماہی دلی گئے ہوئے تھے۔ دربار بہادر شاہی میں شریک ہوئے۔ صدر صوبہ داری لیکر اپنے علاقہ آئے۔ بلند شہر اور غیلڈھ کے صوبہ دار مقرر ہوئے انکے مشورہ میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور سیرنگلز، رعلی شریک تھے اسمعیل خاں و غلام حیدر و مہدی بخش و قاضی وزیر علی نے انگریزی فوج کے مقابلہ میں ولی دادخاں کی طرف داد شجاعت دی مگر قسمت کے چکر سے انھیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا نواب روپوش ہو گئے پھر یہ پتہ نہ بنا کہ زمین کھا گئی یا کیا انجام ہوا۔

شاہزادہ محمد عظیم دہلوی

شاہزادہ محمد عظیم ابن جهان اختر ابن شاہزادہ سنجہ بن احمد شاہ
 ڈرانی رہتک میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ بہادر شاہ کے اعلان
 شہنشاہی پر رہتک سے دلی گئے۔ مرزا مغل اور جنرل بخت خاں
 سے ملے اور ان سے ایک کمپنی فوج کی لیکچر رہتک آئے انگریز افسروں
 کی وہ پٹائی کی کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو رہتک پر قابض ہو کر اس کا
 انتظام کیا۔ انگریزی فوج نے دلی پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ بادشاہ
 ہمایوں کے مقبرہ آگے ان کو خبر لگی رہتک سے متفرج چلے گئے۔
 وہاں سے بریلی پہنچے اور حضرت محل کے ساتھ نیپال کی سرحد
 تک گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا کہ صحر چلے گئے۔

جہاد مولوی وزیر علی مراد آبادی سید وزیر علی بن قاضی عظمت اللہ
 اکابر علما سے تھے۔ جنگ آزادی میں شاہزادہ فیروز شاہ کے دست
 راست تھے۔ ان کے ساتھی مولانا منو برادر مولانا اسماعیل لہندی
 بھی تھے۔ ہمارے مکرئی دوست ڈاکٹر سید معین الحق صاحب۔ سید
 وزیر علی مغفور کے پر نواسہ ہیں۔

نواب مموخاں

میر واجد علی عرف مموخاں الملقب علی محمد خاں بہادر داروغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ مرزا برہیس قدر کو تخت اودھ پر بٹھانے میں مموخاں کی کار فرمائی کو زیادہ دخل ہے۔ بلکہ قیام حکومت برہیسی کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ مگر کہ جنگ میں پیش پیش رہے جب حضرت محل انگریزی فوج کے مقابلہ سے گھبرا کر شاہ جہاں پور گئی یہ ان کے ساتھ تھے پھر ماں بیٹوں نے نیپال کا رخ کیا۔ جنگ بہادر سپہ سالار نے ہردو کو نیپال میں داخل ہونے کی اجازت دی باقی ہر ایک کو رخصت کر دیا۔

نواب مموخاں نیپال کے سپہ سالار کے کیمپ کے قریب اس انتظار میں رہے کہ حضرت محل راہہ نیپال سے پروانہ داخلہ کا بھو آئیں گی۔ مگر ہم بہادر بہادر راہہ جنگ بہادر نے انگریزی فوج کے افسروں کو بلا کر ان کو گرفتار کر دیا ۱۷ اربسمبر ۱۸۵۹ء میں داخل کئے گئے مقدمہ پھانسی کی سزا بخویند ہوئی اپیل کیمپل جوڈیشل کمشنر کے پاس کی اس حکم پھانسی منسوخ کر کے کا سے پانی کر دیا چنانچہ دریائے شور جزیرہ انڈین بھج دیئے گئے وہاں دوکان کرلی

تھی یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔ وہیں انتقال ہوا۔ ۱۸۷۰ء

نواب مجو خاں مراد آبادی

نواب مجید الدین احمد خاں عرف نواب مجو خاں۔ خلف
نواب محمد الدین احمد خاں نبیرہ نواب قاضی عصمت اللہ فاروقی
خان بہادر عہد عالمگیری میں قاضی صاحب مختلف صوبوں کے
گورنر رہے۔ ۱۸۷۰ء

نواب مجو خاں مراد آباد کے جاگیر دار اور عمائد سے تھے
امارت کے ساتھ قہور و شجاع تھے روزانہ ان کے یہاں
شرفائے مراد آباد جمع ہوا کرتے۔ مخیر بڑے تھے ہر ہفتہ اعلیٰ
پیمانہ پر دعوت ہوا کرتی جس میں اہل علم اور عمائد شہر شریک
ہوا کرتے۔ ان کے بھائی نواب سعید الدین احمد خاں تھے مرزا
غالب مراد آباد گئے تو انھیں کے یہاں اقامت کی خود مرزا
نے ایک خط میں لکھا ہے۔

سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم
کی جو میرے ارس سے زیادہ تھی ۱۸۷۰ء

۱۸۷۰ء قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۶۸ ۱۸۷۰ء کاتب غالب از مولوی امتیاز علی خاں عثمی

نواب جو خاں کے مخلص دوست چودھری عبدالقادر عرب تھے جن کی کشتی گیری کی شہرت دور دور تک تھی۔ ۱۷۵۷ء میں حریت نوازوں نے انگریزوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ مراد آباد میں ان دونوں بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ کی ہر قسم کی مساندت کی نواب رام پور نے ملک اور وطن کے ساتھ غداری کی اپنی فوج رام پور سے بھیج کر انگریزوں کا اقتدار مراد آباد پر قائم کرایا۔ حکام نے تمام مجاہدین وطن کو گرفتار کر کے پھانسیوں پر لٹکا دیا۔ نواب صاحب نے خالوں میں روپوش ہو گئے مگر چودھری صاحب مع اہل خاندان کے محلہ اصالت پورہ میں مقیم تھے سرکاری فوج نے گھیر لیا۔ خود زمان خان سے برآمد ہو کر اپنے کو سپرد کر دیا۔ ان سے پوچھا نواب جو خاں کہاں ہیں چنانچہ نواب کے مکان پر جا کر کہا چودھری گرفتار ہو چکا اب تم بھی پردہ سے باہر آ جاؤ۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب باہر آ گئے حراست میں لے گئے۔ مقدمہ چلا اور شہرت ہے ان دونوں کو انگریز حکام میں۔ بولنے کی بھٹی میں زندہ جلا دیا اور جائداد ضبط کر لی۔ جو خاں کا گھیراب بھی مشہور ہے۔ ۱۷۵۷ء

مرزا ابیدار بخت دہلوی

مرزا ابیدار بخت بہادر ابو ظفر شاہ کے پوتے تھے۔ ذی علم اور
 ذی لیاقت۔ انگریزوں سے دلی دشمنی تھی سائے سے پہلے جو اخبار شائع
 ہوتے اس میں مرزا معرکہ کے مضمون لکھا کرتے۔ سائے کے انقلاب
 میں آپ نے ”پیام آزادی ہند“ اخبار نکالا۔ جس کے مضامین نے ملک
 میں سیاسی سرگرمی پیدا کر دی۔ مسٹر رسیل نامہ نگار لندن ٹامس جب
 دلی آیا اور ان سے ملا اور اپنے روزنامہ میں ان کا ذکر کیا اور ان کی
 گرمی تحریر کی تعریف کی۔ مگر مرزا الہی بخش اور حکیم احسان اللہ خاں
 کی غداری کی بدولت دلی پر دوبارہ انگریز قابض ہو گئے جہاں
 شہزادوں کو گولی کا نشا بننا پڑا۔ مرزا ابیدار بخت بھی ان کے ہاتھ لگ گئے
 ان کو ہندسٹن نے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ پھر جسم پر سوز کی چربی مل کر
 اور گائے کی کھال میں سلوا کر زندہ آگ میں جلا دیا۔ اس واقعہ کا ذکر
 بھی مسٹر رسیل نے اپنے روزنامہ میں کیا ہے۔

۱
 مسٹر رسیل انڈیا کمپنی اور باغی علماء

سیا لکڑی - جنرل نکلسن کا ظا لسا نہ حملہ



سعد اللہ خاں

سعد اللہ خاں سوات کے رہنے والے تھے انھوں نے انگریزوں کے وہ مظالم دیکھے تھے کہ ۱۸۶۳ء میں راولپنڈی تک ان کی فوج نے قبضہ کر لیا تھا اما زاتی قبیلہ نے قوم سے دغا کی۔ لیڈر انقلاب کو دھوکہ سے قتل کر دیا تو ساتھی منتشر ہو گئے تو سرحدیوں کے مکانات اور ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا وہ لوگ بے خانماں ہو کر پہاڑوں میں ردپوش ہو گئے مگر تھوڑے دن بعد پھر منظم ہو کر انگریزی فوج کو گھیر لیا وہاں ان کو شکست اٹھانا پڑی۔ چنانچہ سعد اللہ خاں نے رہبری کی اور جہاد کا اعلان کر دیا۔ سوات وادی میں کامیابی ہوئی۔ مگر قومی بھوٹ نے سرحد پہ انگریزوں کو فائدہ پہنچایا۔ انھوں نے قبائل کے سرداروں کو جاگیریں دیکر اپنا لیا۔ تحریک ختم ہو گئی۔

خان بہادر مولوی مفتی انعام اللہ خاں ابن مفتی محمد اسحاق گویا مولوی مفتی محکمہ شریعہ دہلی مولوی احمد اللہ شاہ کی مجلس علما کے رکن تھے۔
۲۲ سوال ۱۲۷۷ء میں انتقال کیا پہلے

۱۷۷۷ء - ریغ و طیت صنو،، از مشیلان مکہ انشائے بیخبر۔

نواب بہادر خواجہ سرمد اللہ بہادر

نوابان ڈھاکہ عرصہ دراز سے بنگال میں دولت و ثروت اور
 فیاضی کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ خواجہ سرسلیم اللہ
 کے مورث اعلیٰ خواجہ عبدالحکیم کشمیر سے ہندوستان آئے
 دربار مغلیہ میں اعزاز پایا۔ زوال سلطنت پر دلی سے سلطنت چھوڑ
 اور تجارت کی طرف توجہ شروع کی۔ بہت جلد کامیاب تاجر بنے
 اور ڈھاکہ۔ باریسال۔ پٹنہ۔ میمن سنگھ میں بہت سی آراضی و جائداد
 خریدی۔ ازاں بعد نواب عہد الغنی مرحوم کے زمانہ میں اس خاندان
 نے نمایاں عزت و اقتدار حاصل کیا اور نواب نے اپنے حسن
 انتظام سے جائداد کو بہت وسعت دی ۱۸۶۵ء میں نہایت
 عقلمندی سے مقامی شیعہ سنی کے اختلاف کو مٹا دیا ۱۸۹۶ء میں
 نواب کے انتقال پر نواب خواجہ سرمد اللہ جانشین ہوئے
 ان کے بعد خواجہ سرسلیم اللہ خاں جانشین ہوئے۔ سب سے پہلے
 محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کو ڈھاکہ میں مدعو کیا۔ نہایت فیاضی سے
 اخراجات کئے۔ انھیں کیوسرہستی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی
 بنیاد پڑی۔ تعلیم سے دلی شغف تھا۔ ۱۹۰۸ء کے امرتسر کے

ابلاس مھڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ علی گڑھ کالج کو ہمیشہ عطیہ دیئے۔ بنگال کونسل کے غیر سرکاری ممبر رہے۔ ۱۹۳۰ء میں نواب بہادر کا خطاب ۱۹۰۹ء میں نائٹ ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں جی۔سی۔آئی سے ممتاز کئے گئے۔

لارڈ کوزن نے تقسیم بنگالہ کا اشد شکر چھوڑا۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں اعلان کیا کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ کشمیری چٹاگانگ اور مین سنگھ کو صوبہ بنگال سے نکال کر آسام میں شامل کر دیا جائے۔ نواب دعا کہ بیٹھ گئے مگر بنگالیوں نے ہزار ہا جلسے کئے مسٹر گو کھلے میدان میں اتر آئے لاکھوں دستخطیں کرا کر عرضداشتیں بھیجیں تمام ملک میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ نواب صاحب کی بھی آنکھیں کھلیں کہ مسلمان صرف آلہ کار بنے مقصد کچھ اور تھا۔ چنانچہ مولوی طفیل احمد روشن مستقبل میں لکھتے ہیں کہ نواب سلیم الشرفاں نے فرمایا کہ :-
"یہ ایک وحشیانہ تجویز ہے"

۱۹۰۵ء میں عظیم الشان جلسہ میں لارڈ کوزن اور انکی بالیسی پر بلامت کی۔ لارڈ صاحب مشتعل ہو گئے اور بذات خود دُعا کہ پیچھے اور وہاں ایک جلسہ عام میں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تقسیم بنگالہ سے ان کا مقصد صرف یہ نہ تھا کہ بنگال کو گورنمنٹ کے انتظامی بار کو ہلکا کیا جائے بلکہ ایک اہللامی صوبہ بنانا تھا جس میں مسلمانوں کا غلبہ ہو۔

مگر گورنمنٹ کے خوشامدی لبیک کہہ اُٹھے۔ مگر نواب زادہ عتیق خاں اور سنٹرل مہڈرن ایسوسی ایشن کلکتہ کی طرف سے اس کے سکریٹری نواب امیر حسن خاں سی۔ آئی۔ اے۔ نے تقسیم بنگالہ سے اختلاف کا اظہار کیا۔ آخر ش گورنمنٹ ملک کے اجماعی ٹیشن کے مقابلہ میں جھک گئی اور منسوخی کا حکم ہو گیا۔ جو مسلمان حکام اعلیٰ کے آلہ کار بنے ہوئے تھے انھیں بے حد صدمہ ہوا۔ چنانچہ نواب صاحب پر بھی اثر پڑا۔ ۱۹ جنوری ۱۹۱۵ء کو کلکتہ میں انتقال ہوا۔

شمس العلامولانا شلی نعمانی

آپ ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد شیخ حبیب اللہ کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی ۱۸ سال کے قلیل عرصہ میں منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، تفسیر، حدیث شریف وغیرہ حاصل کی۔ حصول تعلیم کے کچھ دن بعد دیوانی عدالت کے وکیل رہے اور سمیع اللہ خاں کی سفارش سے سرسید مرحوم نے آپ کو کالج کی پروفیسری پر فائز کیا ۱۴ سال تک کالج کی خدمت نہایت خوبی سے انجام دی اور علی دنیا میں ایسی شہرت عظیم حاصل کی جو فی زمانہ قابل رشک ہے۔ دوران پروفیسری میں آپ

بلا و اسلامیہ قسطنطنیہ۔ مصر وغیرہ کتاب الفاروقی کا مواد بہم پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے ۱۸۹۲ء میں سلطان ترکی نے تمغہ مجیدی عنایت کیا اور ۱۸۹۲ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب گورنمنٹ برطانیہ سے عطا ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

سرسید کی رحلت کے بعد ۱۸۹۸ء میں آپ کالج سے سبکدوش ہو کر حیدرآباد سلسلہ آصفیہ میں مصنفین کے شعبہ میں مامور ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد لکھنؤ تشریف لے آئے اور وہاں قیام پذیر ہو کر ندوۃ العلماء کی دینی خدمات میں مصروف ہوئے لیکن ۱۹۰۳ء میں لوگوں کی تنگ خیالی سے مجبور ہو کر ندوہ کو خیر باد کہا اور اعظم گڑھ میں آکر دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی۔ آخری عمر میں تمام سلسلوں سے قطع تعلق کر کے سیرت نبوی کی تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔ افسوس کہ زندگی نے وفات کی اور سیرت نامہ رہ گئی نکل سیاست میں آپکا بڑا حصہ ہے۔

۲۸ مئی ۱۹۰۳ء کو مرض اسہال میں مبتلا ہو کر اپنے قدیمی وطن میں رحلت فرمائی۔

شیخ المند مولانا محمود الحسن

مولانا محمود الحسن ابن مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی ۱۸۵۱ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ مولانا یعقوب دیوبندی۔ مولانا محمد قاسم مولانا احمد علی سہارنپوری۔ محمد مظہر نالوتوی۔ عبدالرحمن پانی پتی شاہ عبدالغنی سے اکابر علمائے عصر سے علوم متداولہ کی کتابیں پڑھیں۔ سید عبدالرحمن بن سلیمان الدہلوی نیز شیخ احمد بن سلمان۔ اروادی الطرابلسی سے اجازت درس تدریس حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے ممتاز منصب پر فائز ہوئے۔

آپ کی سیاسی جدوجہد کا آغاز بلقان اور طرابلس کے دلدوز المناک واقعات سے ہوا۔ آپ نے دارالعلوم کو چند روزہ بند کر کے اپنے شاگردوں کے وفود اطراف و جوانب ملک میں روانہ کئے اور خود بھی دورے کئے۔ روپیہ فراہم کر کے ان ممالک کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا۔

جنگ عظیم میں حکومت ترکیہ اتحادیوں کے خلاف صف آرا ہوئی۔ مسلمان عثمانی خلیفہ سے دلی تعلق رکھتے تھے۔ انگریز خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ علمائے ہند میں از روئے فرعی

مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ مسلمان جو فوج میں ہیں وہ غم اسلام کے مقابلہ میں صف آراء نہ ہوں۔ انگریزوں نے مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی سے فتویٰ دلویا کیا کہ انگریز اور ترکوں کی جنگ مذہبی نہیں ہے۔ مولوی..... الہی رس فتویٰ کی توثیق کرانے کے سلسلہ میں اکثر علما کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سرکاری مولویوں نے توثیق کی مگر میرے استاد مفتی محمد رمضان مفتی شہر شاگرد مولانا عبدالحق لکھنوی نے انکار کر دیا۔ الہی صاحب بھی مفتی صاحب کے شاگرد تھے اسے بھی اکثر علما نے فتوے کو رد کیا۔ مولانا محمود الحسن نے بھی فتوے کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا حجاز مقدس چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ شریف حسین والی مکہ نے ایک فتویٰ مرتب کرایا جس میں ترکان آل عثمان کی تکفیر کی گئی تھی۔ آپ سے بھی فتوے پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ چند روز بعد جنوری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کر کے مصر بھیجا وہاں مقید رکھے گئے۔ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچا دیا گیا جہاں مولانا مارچ ۱۹۲۰ء تک مجبوس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں جنگ ختم ہو جانے کے بعد مع رفقاء کے پھوڑ دئے گئے مئی ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے اور یہاں کی سیاسی تحریکات میں حصہ لینے لگے۔ جامع ملیہ کالج بنیاد آپ نے ہی اپنے ہاتھوں سے رکھا ۱۹۲۱ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔

حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں ہوی

حکیم صاحب کے مورث اعلیٰ بابر کے ساتھ کاشغر سے ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد سے حاجی محمد قاسم و محمد حسین مشائخین سے تھے جن کے مزارات اورنگ آباد میں مرجع عام و خاص ہیں حضرت خواجہ عبداللہ جراری اس سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں یہ خاندان آگرہ آباد ہوا۔ ملا علی قاری ایسے بزرگ پیدا ہوئے جو آسمانِ شرع میں ستارہ بن کر چمکے جن کے علم و فقر کی اکبر اعظم قدر کرتا ان کے بیٹے ملا علی داؤد دربار اکبری کے رکن تھے۔ ان کے خلف محمد فاضل نے فن طب میں کمال حاصل کیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں محمد فاضل کے صاحبزادہ حکیم واصل خاں تھے جو دلی آکر رہے ان کے بیٹوں حکیم اکمل خاں و اجمل خاں اول کو پٹنہ عظیم آباد میں دو لاکھ کی جاگیر اور سہ ہزاری منصب ملا۔ حکیم محمد اکمل خاں کو اکمل المحققین خطاب عطا ہوا ان کے ہی صاحبزادہ حکیم محمد شریف خاں اشرف الملک و تھے۔ پانی پت و سونی پت میں آٹھ گاؤں شاہ عالم کی طرف سے مرحمت ہوئے جس میں سے تین گاؤں حکیم صدیق علی خاں تک معافی میں رہے۔ حکیم اجمل خاں کے والد حکیم محمود خاں دلی کے نامور طبیب تھے اور عمائد شہر تھے۔

علیم اجمل خاں علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ رکھتے تھے۔ عربی فارسی کے ادیب اور شاعر تھے جہاں علم و فضل تھا سیاسی دل و دماغ بھی رکھتے تھے۔ مذاقت میں اور طبی معلومات میں یدِ طولیٰ تھا۔ ایورویڈک اور یونانی کالج قائم کیا۔ یونانی طب جو مردہ تھی اس میں جان ڈالی۔ تمام راجہ اور نواب آپ کا احترام کرتے تھے۔ علیم صاحب کے سامنے ۱۹۰۶ء سے ولی میں سیاسی لہر سٹھ کے بعد سے پیدا ہوئی تھی۔ آپ کے پاس کے رہنے والے سید حیدر رضا تھے جنہوں نے آفتاب اخبار نکالا اور جوشیلی تقریر میں ان کی شہرت تھی ۱۹۰۷ء سے ۱۹۰۸ء تک لالہ لاجپت رائے اور جیت سنگھ کی نظر بندی سے دلی پر بھی اثر پڑا۔ ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ کے جلوس پر ہم پڑا اور ۱۹۱۳ء میں مقدمہ سازش چلا یہی زمانہ تھا ڈاکٹر انصاری دہلی آئے اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے کامریڈ اور ہمدرد جاری کیا۔ ان میں سے ہر فرد علیم صاحب کے علمی دربار میں شریک ہوتا تھا وہ حکام سے کبیدہ بھی ہوتے اور ان سے ملتے جلتے بھی رہتے۔ ۱۹۱۴ء میں ماتا گاندھی اور گوکھلے دلی آئے۔ یہ وقت تھا کہ ترکی کے خلاف انگریز میدان جنگ میں آگیا تھا۔ مسلمان رہنما مولانا ابوالکلام مولانا محمد علی مولانا شوکت علی و غمیرہ انگریز کے خلاف سرکف میدان میں اتر آئے تھے۔ ان کو آخرش حکومت نے نظر بند کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں ہوم رول کی ایک شاخ دلی میں قائم ہوئی ۱۹۱۶ء

میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد کرنے کے لئے دعوت دی۔

۱۹۱۸ء میں دہلی میں کانگریس کا اجلاس پنڈت مدن موہن مالوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مسٹر آصف علی اور پنڈت نیکی رام شرما کی زبان پر پابندی لگا دی مگر انھوں نے توڑ دی جس کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا مگر ہر دو بری ہو گئے۔ صدر کے جلوس پر پابندی لگا دی ڈاکٹر انصاری کا استقبالیہ خطبہ ضبط ہوا۔ ان واقعات نے حکیم صاحب پر بڑا اثر ڈالا۔ وہ کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ مگر ان کی اس شرکت نے لیڈران کانگریس میں تقویت پیدا کر دی۔ دہلی کے ہندو مسلمانوں میں سیاسی بیداری بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مولانا عزیز حسن بھائی مولانا عارف مہسوی مولانا امداد شاہ بریلی وغیرہ سے لوگ کانگریس کے ورکر پیدا ہو گئے۔ گورنمنٹ نے سیاسی اٹھان دیکھتے ہوئے رولٹ بل جاری کیا۔ مہاتما گاندھی نے زبردست آواز اٹھائی۔ ۳ مارچ ۱۹۱۹ء میں تمام ملک میں زبردست ہڑتال ہوئی اس میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے۔ دہلی میں ہندو مسلم ہجوم پر حکومت نے گولی چلا دی کچھ لوگ زخمی ہوئے۔ اس دن جو جامع مسجد میں جلسہ ہوا تو سوامی شرودھانند جی کو بکسر پر مسلمانوں نے جگہ دی اور ان کی وہاں پر ہوش تفریق ہوئی۔ گھنٹہ گھر پر ہجوم پڑا فوج نے گولیاں چلائیں۔ اس کے

خلافت بطور پروٹسٹ شہر میں اٹھارہ روز تک ہڑتال رہی۔
 ۱۶ کو پھر ہڑتال کی گئی۔ ایک جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ آدمی
 شریک ہوا۔ حکیم صاحب اب ہر کام میں پیش پیش تھے۔ اس سال
 خلافت کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا جہاں گاندھی اس میں شریک
 ہوئے اور جہاں جی نے عدم تشدد اور بائیکاٹ کی تحریک پیش
 کی۔ اب گاندھی جی۔ مولانا ابوالکلام۔ حکیم اجمل خاں۔ مولانا محمد علی
 ملے جیلے اس تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے

۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کا پھر اجلاس ہوا جس میں سرکاری
 ملازمین چھوڑنے۔ اسکول کالجوں۔ عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے
 سرکاری خطاب ترک کرنے اور میس بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
 حکیم صاحب نے سرکاری خطاب حاذق الملک کا واپس کر دیا اور
 مسٹر آصف علی نے وکالت ترک کر دی۔ ڈیوک آف کنات دلی
 آئے ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اجمل کیپ کی ترویج ہوئی۔ گاندھی جی
 نے بھی پسند کی ان کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں
 سیاسی تحریک نے ہل چل ڈال دی جس کا نتیجہ یہ ہوا ۲۵ ہزار آدمی
 دکن پرست خوش دلی سے جیل چلا گیا۔ مسلمان کا اوسط ۵ فیصدی تھا۔
 ۱۹۲۱ء میں احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس تجویز ہوا اسکے
 صدر سی۔ آر داس منتخب ہوئے مگر ایک ماہ قبل ان پر ایک تفریق
 کی بنا پر مقدمہ چل گیا اس وجہ سے شریک اجلاس نہ ہو سکے انکی

جگہ حکیم صاحب نے صدارت فرمائی۔ سی۔ آر۔ واس کا صدارتی خطبہ مسز سروجنی ٹائیڈو صاحبہ نے پڑھا۔ یہ اجلاس عام اجلاسوں سے زیادہ اہم تھا۔ تحریک ترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو شریک تھے۔ اس اجلاس میں گاندھی جی اور مولانا حسرت موہانی میں سوراخ کی وضاحت کے متعلق اختلاف رائے پیدا ہوا جس کی وجہ سے مولانا حسرت کانگریس سے الگ ہو کر مسلم لیگ کے ہمنوا ہو گئے۔ اس اجلاس کے زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی حکومت صرف چند دن کی جمان ہے۔

جامعہ ملیہ کے قیام میں حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری کی سعی کو بڑا دخل ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کی ہمیشہ حکیم صاحب نے حمایت کی اور فرقہ وارانہ بلوروں کی روک تھام میں بھی حصہ لیا۔ جب آگرہ میں ۱۹۲۲ء میں بلوہ ہوا اور پرامن شہریوں نے افسروں سے فریاد کی۔ تو انگریز افسر نے کہا کہ اپنے گاندھی کو بلاؤ۔ حکیم اجمل خاں آگرہ گئے مولوی انعام اللہ خاں کے یہاں ٹھہرے۔ بلوہ فرو کر دیا۔ اس کے بعد گاندھی جی نے ینگ انڈیا میں ایک مضمون میں لکھا کہ افسر تو مجھے بلا رہے مگر مجھ سے بہت بہتر آدمی پہنچ گیا۔

۱۹۲۶ء میں خلافت کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے

۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اکسٹھ برس کی عمر میں رہگزار سے عالم جاودانی ہو گئے
(حیات اجمل)

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

مولانا علمائے فرنگی محل سے تھے تحریک خلافت میں
سرگرمی دکھائی۔ صاحب فضل و کمال تھے آثار الاول تفسیر قرآن
وغیرہ تالیف سے ہیں آپکی سوانح عمری شائع ہو چکی ہے۔
(تذکرہ علمائے فرنگی محل)

مستر مظہر الحق قریشی بانکی پور

مستر مظہر الحق ۲۱ دسمبر ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے
دادا مولوی سخاوت علی خاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پانچ برس کی عمر
میں تعلیم پانے لگے اردو فارسی حاصل کر کے ۱۸۸۲ء میں
کالج میں داخل ہوئے ۱۸۸۷ء میں کنگ کالج میں داخل ہو گئے

۱۸۸۸ء میں انگلستان گئے۔ زیادہ وقت برٹش میوزم وڈل ٹیل
 لائبریری میں گزارتے تھے۔ لندن میں انجمن اسلامیہ قائم کی اور
 وہیں سے سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ۱۸۹۱ء میں انگلینڈ سے
 واپس آکر کلکتہ ہائیکورٹ کے ایڈووکیٹ ہو کر بانکی پور میں پریکٹس
 شروع کی مئی ۱۸۹۲ء مسٹر دوراب سروویم برکیٹ جو ڈیشنل کمشنر
 اودھ نے منصفی پر مقرر کر دیا چھ ماہ بعد مستقل ہو گئے۔ ایک سال
 بعد شمال کازکورٹ کی ججی کے اختیارات مل گئے۔ ۱۸۹۶ء میں
 خود مستعفی ہو کر چہرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۸۹۷ء میں سکریٹری
 کی حیثیت سے قحط فنڈ میں سرگرم سعی رہے۔

۱۸۹۹ء میں میونسپل کمشنر منتخب ہوئے پھر وائس پریسیڈنٹ
 منتخب ہوئے اور ۲۰ ہزار کی لاگت سے میونسپل مارکٹ تعمیر کرایا۔
 ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ میں شریک ہو کر مسٹر حسن امام کے ساتھ اسکی
 اصلاح کرنا چاہی۔ ۱۹۰۷ء میں بانکی پور آکر وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۰۸ء
 میں بہار میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ قائم کی اور بہار پراونشل
 کانفرنس ہندو مسلم قائم ہوئی اس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔
 پھر ۱۹۱۱ء میں اس کے صدر ہو گئے ہنگامہ کانپور میں آپکی خدمات
 مشہور ہیں ۱۹۱۲ء میں کانگریس ڈپوٹیشن کے ساتھ ولایت جا کر نارڈ
 کریوزیر ہند سے ملے۔ وہاں بڑا اعزاز ہوا۔ واپسی پر قسطنطنیہ ہو کر
 ہند لوٹے۔ ترک موالات میں بیرسٹری ترک کر کے ایک

صداقت آشرم بنایا اور اس کو ترقی دی۔ ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔

ہمارا جہ سر محمد علی محمد خان بہادر

۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ امیر الدولہ سعید الملک ممتاز جنگ بہادر راہہ سر محمد امیر حسن خاں صدیقی والد تھے۔ ہمارا جہ صاحب نے علوم رسمی معقول طور سے حاصل کئے۔ ساحر شخص تھا مرتبہ گوئی سے ذوق رکھتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں نوبوانا، ہندوستان کی حمایت میں مصروف رہے۔ علی برادران کے چھوڑنے میں کوشاں رہے۔ کانگریس سے مل کر بھوتہ میں پیش پیش رہے۔ گورنر خلات ہو گئے۔ لیکن مطلقہ ۱۹۱۰ء نہ کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے۔ لاکھوں روپیہ قومی تعلیمی سیاسی امور میں صرف کیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ میڈیکل کالج ایسوسی ایشن تعلقہ داران۔ امیر الدولہ ہائی اسکول۔ امیر الدولہ پارک لائبریری مستقل اعانت کی ممنون ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں پینتیس ہزار روپیہ سائنس کی تعلیم کے لئے دیا۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام میں سر آغا خاں کے ساتھ آپ کی مساعی کو بڑا دخل ہے۔ مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے حصول چارٹر میں توائف اور باقی لازم کی ترتیب میں گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلیمی ممبر سے پوری سرگرمی

کے ساتھ حصہ لیا۔ وائسرائے اور صوبہ کی لوکل گورنمنٹ کی کونسلوں میں بحیثیت مسلم نمائندہ کئی مرتبہ نشست کی۔ مسلم یونیورسٹی کے سر سے پہلے وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں ہوم ممبری کے معزز عہدہ سے مسلسل تین سال کی خدمات کے بعد سیکرٹری مشن ہوئے۔ ہمارا جبہ کے خطاب سے نوازے گئے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ رنگون ۱۹۰۹ء کے صدر منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ سے انسلاک تھے۔ آخری عمر تک قومی خدمات میں لگے رہے۔ آپ کے خلع راجہ امیر حسن خاں نے مسلم لیگ میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

شیخ غلام حسین ہدایت شاہ

شیخ غلام حسین ہدایت شاہ جنوری ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم شکار پور ہائی اسکول اور ڈی۔ بی سندھ کالج میں پائی اور پھر قانونی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ لا اسکول میں داخل ہو گئے۔ بمبئی یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کئی سال تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء سے سیاست میں حصہ لینے لگے۔ حیدرآباد سندھ ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کے پہلے غیر سرکاری صدر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔

۱۹۱۲ء میں لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۲۵ء تک غیر سرکاری ممبر رہے جنوری ۱۹۳۱ء میں وہ حکومت بمبئی کے وزیر منتخب ہوئے اس کے علاوہ بمبئی کے لیجسلیٹو کونسل کے صدر اور گورنر بمبئی کے اگزیکٹو کونسل کے نائب صدر بھی رہے۔ حکومت ہند کی طرف سے دو مرتبہ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں سندھ کی علیحدگی کا اعلان ہوا تو سندھ کی مشاورتی کونسل کے صدر بنا دئے گئے اس کے بعد وہ سندھ اسمبلی کے ممبر بنے شملہ کانفرنس کی بات چیت میں اہم حصہ لیا ۱۹۴۶ء میں حزب وزارتی مشن کی تجویزوں پر بحث شروع ہوئی تو انھوں نے اس بات چیت میں بھی اہم حصہ لیا۔ مسلم لیگ نے خطاب واپس کرنے کا اعلان کیا تو اپنا سر کا خطاب واپس کر دیا ۱۹۴۲ء سے برابر سندھ کے وزیر اعظم کے عہدہ پر برقرار رہے ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان قائم ہوا قائد اعظم نے انھیں سندھ کا گورنر مقرر کر دیا آخر وقت تک اس عہدہ پر فائز رہے ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دن ابجے کراچی میں گورنر کی کونٹھی میں انتقال کیا۔

سرمحمد شفیع بیرسٹریٹ لا

۱۸۶۹ء میں موضع باغبانپورہ (لاہور) پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم قرآن پاک سے شروع کی موضع کے ورنائیو لور اسکول کی تعلیم ختم کر کے سنٹرل ماڈل اسکول لاہور میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۸۷ء میں کامیابی کے ساتھ میٹرک کیا۔ اس کے بعد کرسچین کالج میں ڈیڑھ سال تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں لندن گئے ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کا ڈپلومہ لیکر واپس آئے فیلچ ہوشیار پور میں پریکٹس شروع کی ۱۸۹۵ء میں چیف کورٹ لاہور میں آکر پریکٹس کی۔ ۱۸۹۹ء میں بار ایسوسی ایشن کے سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۰۸ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۹ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں نشست ملی ۱۹۱۲ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں وزیر تعلیم ہوئے۔ آخر ۱۹۲۲ء تک پہلک ہیلتھ و ممبر تعلیمات کا آفس زیر نگرانی رہا۔ ۱۹۲۵ء تک صوبہ پنجاب کی پروانشیل مسلم لیگ کے انچیف جنرل سکریٹری رہے۔ کانگریس کی ماڈریٹ پارٹی کے تائید میں تھے۔ ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڑھ کے صدر رہے تھے۔

۱۹۲۸ء میں مسلم یونیورسٹی کے ٹریسٹی مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں سر ولیم وینسٹ کی اسبکدوشی پر موصوف انتظامی کونسل وائسرائے کے صدر بنائے گئے۔ جون ۱۹۱۶ء میں سی۔ آئی۔ ای اور جنوری ۱۹۲۲ء میں سی۔ ایس۔ آئی کے خطابات ملے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ایل ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی۔ گئی گول میز کانفرنس میں بحیثیت مسلم نمائندہ صوبہ پنجاب لندن گئے۔ ۱۹۳۰ء میں انتقال ہوا۔

مولانا محمد فاخر الہ آبادی

مولانا محمد فاخر الہ آبادی ابن سید شاہ محمد زاہد عرف شاہ حاجی جان ابن شاہ محمد جان قدسی نواسہ شاہ محمد اہل خان بہادر مفتی اسد اللہ قاضی القضاات کے قرابتدار اور دائرہ شاہ اہل کے رکن رکین۔ علمی اعتبار سے آپ کا گھر انالہ آباد میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ نواب اودھ تک آپ کی دہلیز پر حاضری دے گئے مولانا نے معاصر علما مولانا امیر الدین۔ مولانا عبدالشہ بنجالی مولانا احمد حسین کانپوری و مولانا محمد حسین سے علوم عربیہ کی تکمیل کی خلافت کی تحریک میں آپ نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ بڑے

انتھک سیاسی عالم تھے ۱۹۱۹ء کا المناک سال تھا ترکی کی وجہ سے مسلمان مضطرب تھے اور حکومت سخت گہر پالیسی اختیار کرتی جا رہی تھی۔ گاندھی جی نے اس کا جواب سٹیہ گروہ نکالا تھا۔ علماء نے خلافت کمیٹی کی بنا ڈالی تھی اور اسکی شاخیں تمام ہند میں پھیلا دی گئیں تھیں۔ ڈاکٹر سٹیہ پال اور ڈاکٹر کچلو کونا معلوم جگہ گرفتار کر کے بھیجا تھا۔ ان کو بھی ایک سال کی قید ہوئی تبلیغ کے کام میں بھی مساعی جمیلہ ہیں۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق ہے تخلص بیخود ہے اپنے چچا محمد بشیر بشیر کے شاگرد تھے۔ جذبات بے ریا اور زندہ جاوید تصنیف سے ہیں ۵ جولائی ۱۹۳۰ء روز شنبہ کو وصال ہوا۔

مولانا عبدالماجد بدایونی

مولانا خاندان مقتدری کے رکن رکن اور خلافت کمیٹی کے سرگرم کارکن تھے۔ سحر البیان واعظ اور علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ انکے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی صدر جمعیت علماء پاکستان ہیں مسلم لیگ کے سرگرم کارکنوں سے ہیں۔

مولانا محمد علی

محمد علی ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ پورے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ انکے والد فوت ہو گئے۔ تربیت کا بار آپ کی والدہ کے دوش پر پڑا۔ آبادی بانوں نے پہلے بریلی کے اسکول میں اور پھر علی گڑھ کالج میں تعلیم کے لئے بھیجا جہاں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد آپ ریاست رامپور کی طرف سے آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان کے لئے ولایت چلے گئے تین سال رہے۔ مگر گھوڑے کی سواری کے امتحان میں نہیں کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان چلے آئے۔ اور کچھ عرصہ کے لئے ریاست رامپور میں سرشہ تعلیم کے ڈائریکٹر ہو گئے۔ پھر ہمارا جہ برودہ کی طلبی پر وہاں چلے گئے۔ اور کئی سال تک کمشنری کے ممتاز عہدے پر داد النساں دیتے رہے۔

۱۹۱۲ء میں انہوں نے اپنا مشہور اخبار کامریڈ کھلتے سے نکالا۔ فی الحقیقت کامریڈ کی پالیسی نہایت معتدل تھی۔ وہ گورنمنٹ پر نکتہ چین تو ضرور تھا مگر یہ نکتہ چینی دوستانہ ہوتی تھی۔ اس لئے گورنمنٹ دار حکام اس لطیف تنقید کو برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ سے کامریڈ اور اس کے فاضل ایڈیٹر کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

لیڈی ہارڈنگ۔ لارڈ ہارڈنگ۔ سر میز۔ سر جیمس سٹن۔ سر کلیونیلڈ
جیسے اصحاب نہایت شوق سے کامریڈ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

اس اثنا میں مسٹر محمد علی سرآغا خاں راجہ صاحب محمود آباد
نواب وقار الملک مرحوم کے ساتھ مسلم یونیورسٹی کے قیام کی سعی میں
مصروف ہو گئے۔ ان کی توجہ سے تھورے ہی عرصہ میں بتیس لاکھ
کی بیش بہا رقم جمع ہو گئی۔ مگر گورنمنٹ کی غیر معمولی سخت شرائط کی
وجہ سے چارٹر نہیں لیا گیا۔

دہلی کے پایہ تخت ہو جانے کے بعد مولانا محمد علی کلکتہ سے دہلی
تشریف لے آئے۔ یہاں ان کی طبیعت کارنگ بالکل بدل گیا تھا۔
اب وہ ایک خالص قومی خادم تھے۔ چنانچہ بلقان کی جنگ میں انھوں
نے اپنی مساعی سے ڈاکٹر انصاری کا طبی مشن بھیجا۔ واقعہ کانپور کے
متعلق انھوں نے سر جیمس سٹن کو سمجھانے کی بہت کچھ سعی کی۔ مگر
جب وہ راہ راست پر نہ آئے تو وہ سید وزیر حسن کے ساتھ انگلستان
چلے گئے اور وہاں انھوں نے ذمہ دار حکام کو حقیقت حال سے
مطلع کیا جس پر وزیر ہند نے والسبرے کو اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔

جنگ فرنگ کے شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اپنے
بھائی مولانا شوکت علی کے ساتھ پھر دہلی میں نظر بند کئے گئے۔
اس کے بعد وہ نیس آؤن اور پھر چھنڈ واڑہ میں نظر بند کئے گئے۔
۱۹۱۵ء کے اخیر میں وہ بھی آزاد کئے گئے۔ ان کی آزادی یہ

اہل ہند نے ہر جگہ جو شاندار استقبال کیا۔ وہ صرف بادشاہوں کو ہی نصیب ہو سکتا ہے۔

سلاطین کے شروع میں وہ وزرائے انگلستان تک مسئلہ خلافت کی صحیح حقیقت لے جانے کے لئے مولانا سید سلیمان اور سید حسین کے ساتھ یورپ چلے گئے اور وہاں انھوں نے وزیر اعظم سے نہایت قابلانہ طریق پر مسلمانان ہند کے جذبات کی نمایندگی کی۔ نیز لندن پیرس اور روما میں تقریریں فرمائیں۔

اس کے بعد ہندوستان میں آکر انھوں نے نیشنل علمی گڑھ یونیورسٹی کو قائم کیا۔

سیاست ہند نامی کتاب میں لکھتا ہے کہ مولانا نے انگلستان سے ناکام لوٹ کر پرانے وہابی عقیدہ کی تبلیغ کر کے کہ ہندوستان پر کفار کی حکومت ہے۔ جہاں ایماندار مسلمان زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ انھوں نے افغانستان کو ہجرت کرنے کی ترغیب دی اس آواز پر بلبل کھتے ہوئے ہزار ہا مسلمان تیار ہو گئے۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں سیکڑوں خاندان نے اپنی آراضی اور املاک کو فروخت کر دیا اپنے دنیاوی معاملات کا تصفیہ کر لیا۔ اپنے بیویوں بچوں گاڑی میں بٹھا دیا۔ درہ خیبر کی سمت روانہ ہو گئے۔ صرف سلاطین میں ایک ماہ میں ۱۸ ہزار آدمیوں نے افغانستان کی طرف حرکت کی افغانستان اتنی آبادی کا متحمل نہ ہو سکا۔ اس ہماجر میں واپس ہونے لگے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت کی تحریک میں انحطاط پیدا ہو گیا اور وہ آہستہ آہستہ بالکل نفعم ہو گئی اور قبروں کی صورت میں وہاں یادگاریں چھوڑ آئے یہ لارڈ ریڈنگ نے وائسرائے ہونے کے بعد ان پر اور ان کے گراں قدر بھائی پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا۔ مگر پھر اسے ایک بہانہ سے ملتوی کر دیا۔ آخر ستمبر ۱۹۳۱ء میں انھیں گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ساتھ مولانا شوکت علی۔ سوامی شنکر اچاریہ۔ ڈاکٹر کچلو۔ مولانا حسین احمد پیر غلام مجدد اور مولانا نثار احمد پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا محمد علی نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ ان کے مذہب کے احکام کے مطابق تھا اور حکومت اعلان شاہی کے مطابق انھیں اس امر سے منع نہیں کر سکتی۔ مگر جج نے قانون شاہی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے شنکر اچاریہ کے سوا سب کو دو دو سال کی سزا دیدی۔

مولانا محمد علی نے خلافت کی تحریک کو بڑا کامیاب بنایا۔ گاندھی جی کو خلافت کے سر پایہ سے تمام ہندوستان میں لئے پھرے جس سے وہ بڑے بیڑ بن گئے اردو میں ان سے تقریریں کرائیں مولانا کانگریس کے رکن خاص تھے۔ مگر متعصب ہندوؤں کی ذہنیت سے متاثر ہو کر ۱۹۳۶ء میں علیحدہ ہو گئے اور مسلمانوں کی تنظیم میں لگ گئے آخر شش ۱۹۳۱ء میں لندن گئے وہیں انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ مولانا نے مرنے سے پہلے فرمایا تھا کہ:-

”میں ہندوستان میں جو کہ غلام ملک ہے نہیں جاؤں گا“ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی اور مولانا کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔

ڈاکٹر ایم۔ اے انصاری

یوسف پور ضلع غازی پور (یو۔ پی) میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری
 ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بنارس میں ہوئی الہ آباد سے
 ایف۔ اے پاس کیا اور نظام کالج حیدرآباد سے بی۔ اے کی ڈگری
 لی۔ انگلستان جا کر ڈاکٹری کی درجہ اول کی سند حاصل کی۔ اور وہاں
 ہاؤس سرجن اور ریڈینٹ میڈیکل افسر رہے ۱۹۱۱ء میں ہندوستان
 واپس آئے۔ ۱۹۱۲ء میں میڈیکل مشن لیکو ترکی گئے۔ ۱۹۱۸ء میں
 دہلی میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوئے ہوم رول
 کی تحریک میں اور رولٹ بل کے خلاف ابھی ٹیشن میں نمایاں حصہ لیا۔
 ۱۹۲۲ء میں خلافت دیپوٹیشن کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے
 وائسرائے ہند سے ملے ۱۹۲۲ء میں انھوں نے آل انڈیا کانگریس
 کمیٹی کی طرف سے تمام ملک کا دورہ کیا اور سول نافرمانی کی تحقیقاتی
 کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے رپورٹ پر دستخط کئے۔ گیا میں انھوں نے
 خلافت کانفرنس کے جلسہ کی صدارت کی ۱۹۲۳ء میں سوراج پارٹی
 اور مرکزی کانگریس پارٹی میں سمجھوتہ کرانے کے لئے دہلی میں مولانا
 ابوالکلام آزاد کی صدارت میں کانگریس کا جو خاص اجلاس ہوا اسکی

استقبالیہ کمیٹی کے صدر ڈاکٹر انصاری تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی کی حیثیت سے انھوں نے ۱۹۲۲ء کی ہونی کانفرنس کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ جہاں تا گاندھی نے جب انگریزوں کے ساتھ برت رکھا تو ڈاکٹر انصاری ہی روزانہ ان کا ڈاکٹری معاوضہ کرتے تھے۔

۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر انصاری نے مدراس میں کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور صدر کانگریس کی حیثیت سے ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کانفرنس کی صدارت کی جو نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں کانگریس کے ڈیپٹی کی حیثیت سے ڈاکٹر انصاری گرفتار ہو گئے اور ۱۹۳۲ء کی تحریک میں بھی اس حیثیت سے گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد جب وہ جیل سے نکلے تو داخلہ کونسل کے حامی بن چکے تھے پڑا پنچ انھوں نے ۱۹۳۲ء میں سوراج پارٹی کے پیام میں مدودی انھیں کانگریس اسمبلی کی ممبری کے لئے نامزد کیا جائے والا تھا۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا ۱۹۳۵ء میں ولسلی میں کانگریس کی گولڈن جوبلی کا افتتاح ڈاکٹر انصاری نے کیا ۱۹۳۶ء میں رام پور سے دہلی آئے ہوئے انھیں دل کا دورہ پڑا اور ٹرین پر ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ڈاکٹر انصاری اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر اور سیاسی لیڈر ہی نہیں بلکہ مہذب، خوش اخلاق اور مہمان نواز انسان تھے ہر سال ان کا ہزاروں روپیہ مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا۔

سید چھوٹانی

سید چھوٹانی بمبئی کے مشہور و معروف تاجر گورنمنٹ کے بڑے ٹھیکہ دار لاکھوں روپیہ کا کاروبار آپ کا تھا۔ خلافت کی تحریک سے متاثر ہو کر آپ نے ہندوستان کی پبلک زندگی میں ۱۹۲۰ء سے حصہ لینا شروع کیا اور اس وقت سے آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی کی صدارت کے فرائض سرانجام دے کر ۱۹۲۱ء میں لارڈ چیمس فورڈ وائسرائے ہند کے ایما پر جو وفد خلافت کا انگلستان روانہ ہوا۔ آپ اس کے ایک سربراہ اور رکن تھے انگورہ فنڈ میں ۵۰ ہزار روپیہ کی رقم عطا کی۔ خلافت فنڈ آپ کے پاس ہی جمع رہتا تھا۔ آپ کے اس سیاسی انہماک نے گورنمنٹ کو بدظن کر دیا۔ ٹھیکہ ختم کر دیئے گئے۔ لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا۔ آخر شش اس رنج و غم میں دنیا سے چل بسے۔

مولوی سید ظفر حسن واسطی ایم۔ اے۔ ایڈووکیٹ بن مولوی عیاشی حسین مراد آبادی نمبرہ مخدوم سید شرف الدین نقوی واسطی شاہ ولایت مراد آباد میں مسلم لیگ کے صدر رہے۔ بیونس کیشنر رہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکن رہے۔ تین برس ۱۹۲۳ء تک جیل میں رہے۔ ۱۹۲۸ء میں کراچی آگئے۔ نائب صدر لیجو کیشنل کانفرنس ہیں۔

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

۱۸۷۵ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر سیالکوٹ کے اسکول میں داخل ہوئے۔ میٹرکولیشن پاس کر کے اسکاتش مشن کالج میں نام لکھا یا۔ جہاں عربی فارسی کے عالم سید میر حسن کے زیر تعلیم و نگرانی میں اعلیٰ قابلیت حاصل کی اور شعر و شاعری و ادبیات کا ذوق ان میں پیدا ہوا انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں اول درجہ آئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا پھر ایم۔ اے کر کے ۱۹۰۸ء میں انگلستان گئے۔ کمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کے زیر تعلیم مغربی فلسفہ پڑھا وہیں پروفیسر برون انگلش اور سارلی سے استفادہ کا موقع ملا۔ اخلاقیات میں ڈگری حاصل کی۔ جرمنی گئے میونخ میں کچھ عرصہ تک رہ کر اپنا مضمون متعلق بہ فلسفہ ایران تیار کیا۔ میونخ سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری لی۔ پھر پیرسٹری کی سند حاصل کی۔ انگلستان سے وطن آئے ۱۹۲۲ء میں درجہ نائٹ ہڈ (سرا) کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے۔ آپ نے بھی سیاست ملی میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ پاکستان کے قیام میں آپ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ آپ مفکرین

اسلام سے تھے۔ نوجوان مسلمانوں میں اسلامی زندگی پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔

مولانا شوکت علی

علی گڑھ کالج سے تکمیل تعلیم کے بعد محکمہ ایفون میں منسلک ہو گئے اور ایک عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد پٹنہ سے وطن آئے پھر۔ رام پور سے دلی آ گئے خدام کعبہ کی تشکیل کی ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد علی کے ہمراہ نظر بند کئے گئے ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے مولانا محمد علی وفد لے کر ولایت گئے تو آپ ہندوستان میں مسند خلافت کے متعلق کام کرتے رہے۔ ترک موالات کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے ہاتھ باندھنے کے ساتھ تمام ملک کا دورہ کیا اور ملک میں جا بجا خلافت کیڈیاں قائم کیں خلافت فنڈ میں بڑی رقم فراہم کی گئی جس میں مہاجرین اور مظلومین سمرنا کی امداد کی گئی ستمبر ۱۹۲۰ء میں مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور فدائیان ملک و ملت کے ہمراہ کراچی میں ان پر مقدمہ چلا سزایاب ہوئے۔ ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر کچلو مولانا نثار احمد کانپوری۔ مولانا سعید احمد اور عجلت گرو شکر چاریہ

مولانا محمد علی ۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو فیصلہ ہوا دو دو سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ مولانا محمد علی کے پہلو پہ پہلو علی سیاست میں شرکت کرتے رہے ۱۹۳۲ء میں مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ زندگی کے آخری وقت تک سیاست ملی میں لگے رہے۔ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ نومبر ۱۹۳۸ء میں انتقال ہوا۔

مولوی انعام اللہ خاں اکبر آبادی

مولوی انعام اللہ خاں ابن خان بہادر مولوی نصر اللہ خاں صدر الصدور آگرہ کے مشاہیر سے تھے علم و فضل کے ساتھ سیاسی دماغ پایا تھا۔ ان کے بڑے بھائی مولوی احسن اللہ خاں نایب مدیر قندپارسی فیلولہ آباد یونیورسٹی پروفیسر گوالیار کالج تھے ۱۹۱۲ء میں ضلع کانگریس کمیٹی میں خان بہادر سید آل نبی اور راقم السطور کے ساتھ شامل ہوئے۔ پنڈت موتی لال ہرو حکیم اجل خاں مولوی صاحب کی اثابت رائے کے معترف تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد آگرہ آتے تو ان کے یہاں مقیم ہوتے تھے۔ مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا کے بعد ان کے یہاں روزانہ اہل علم کی

صحبت رہا کرتی۔ مولانا سعادت اللہ اسرائیلی صدر شعبہ عربی و صفا کہ
یونیورسٹی۔ مولوی زیارت علی خاں مجسٹریٹ۔ مولوی علی احمد خاں وکیل
مولوی عبدالغنی صاحب ارغوان آصفی۔ یعقوب علی خاں کوکب بی۔
اے وکیل۔ مقدس حسین بی۔ اے وکیل۔ مولوی عبدالحمید خاں پروفیسر
جامع عثمانیہ حیدرآباد۔ مولوی عبدالحمید پروفیسر مشن کالج پشاور۔ مولوی
عابد حسن قادری پروفیسر۔ مولوی علی احمد خاں امیر بدایونی۔ مولوی
نظام الدین شاہ دلگیر سید ذاکر علی ممبر اسمبلی سے حضرات کی
شرکت رہتی۔ راقم سطور روزانہ شریک صحبت رہتا۔ خاں صاحب
نثر اردو میں میرے استاد تھے۔ پہلی خلافت کمیٹی کے وہ سکریٹری
مقرر ہوئے اور صدر کمیٹی مولانا ضیاء اسلام خلیفہ جامع مسجد
راقم سطور نائب سکریٹری تھا۔ آگرہ میں سیاسی تحریک کی باگ
مولوی صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ ۵۷ فیصدی مسلمان جیل کی نذر
ہوئے۔ یعقوب علی خاں کوکب کو قید فرنگ ہوئی۔ ڈاکٹر کشمی دت۔ سید
محمد ٹونگی۔ مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عارف ہسوی آگرہ آئے
قید ہوئے کچھ عرصہ بعد چھوٹے جیل تحریک کمزور ہوئی اور شدید سنگھٹن کا فتنہ اٹھا
تو اسلامی تبلیغ کا مرکز آگرہ بنا۔ مولانا عرفان خاں مولوی بیگ شاہ
کشمیری مولانا غلام بھیک نیرنگ سے حضرات کے ساتھ تبلیغ کا کام
انجام دیا سنگھٹن میں باتیں سوسائٹی کی طرح دائرہ معارف قرآنیہ
قائم کیا۔ ڈاکٹر سیف الدین۔ پھلو۔ سر رحیم بخش۔ رشید احمد صدیقی ایم۔ اے۔ علیہ

سر عبدالقادر۔ نواب نصیر حسین خیالی۔ سید یعقوب حسن پروفیسر سید
عبدالقادر ایم۔ اے۔ مولوی محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی۔ مولوی ضیاء الرب امر دہوی بی ایس سی
قاضی جلال الدین مراد آبادی۔ پروفیسر ابرار حسین ایم۔ اے۔
ازہری گوپا موی۔ مولوی یاور حسین عمری گوپا موی۔ خان بہادر ڈپٹی محمد
یوسف۔ سید نصرت علی بی۔ اے۔ محسن حسین جنیدی۔ بی کام۔ مولانا
محمد طاہر فاروقی ایم۔ اے۔ محمد اسمعیل امر دہوی بی۔ اے۔ ایل ایل
بی۔ مولوی سعید احمد مارہروی۔ بانی شعبہ اورینٹل کالج۔ خان بہادر
سید آل نبی سے حضرات دائرہ کے ارکان تھے۔ دائرہ کی طرف
سے تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں ۷۷ کتابیں شائع کیں جن میں
معلومات قرآن۔ کلید قرآن۔ انشائے بخت۔ مشاہیر اولیائے ہند۔
خواجہ غریب نواز۔ غوث الاعظم۔ مہلاب دقمر۔ الصحابہ۔ اکبر اعظم۔ نور جہاں
اور جہاں گیر۔ زیب النساء اور عالمگیر۔ مردم دیدہ۔ یو۔ پی میں اردو۔
حیات شہید۔ قرآن نمبر پیشوا شاہ ولی اللہ نمبر پیشوا۔ شاہ اسمعیل نمبر پیشوا۔
نجیب الدولہ نمبر پیشوا۔ دائرہ کی طرف سے مرتب کئے گئے
راقم سطور نے یہ تمام کتابیں مرتب کر کے دائرہ کی طرف سے شائع
کیں۔ عربی اردو حروف کا نقشہ۔ سرزمین قرآن کا نقشہ انعام اللہ فاں اور
انظام اللہ کے نام سے شائع ہوا۔ فاں صاحب نے قرآنی قاعدہ
کے چار حصے مرتب کئے تھے جو طباعت سے محروم رہے۔
۱۷ رمضان ۱۳۳۲ھ میں انتقال کیا۔ (شاعر آگرہ نمبر جون جولائی ۱۳۳۶ھ)

قائد اعظم محمد علی جناح

قائد اعظم محمد علی جناح کراچی میں کرسمس کے دن ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ایک مالدار خوب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مالدار خاندان اعلیٰ تعلیم اور خود ان کی ذاتی اہلیتوں نے انکی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ زمانہ کے رواج کے مطابق ان کے والدین نے بھی یہ ہی فیصلہ کیا کہ ان کو ایک بیئر سٹر بنایا جائے۔ وہ ۱۸۹۲ء میں بیئر سٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان گئے۔ انگلستان میں انھوں نے نیشنلسٹ انڈیا سوسائٹی میں شرکت کر لی اور اکثر و بیشتر سوسائٹی مذکور کے مباحث میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیتے رہے۔ انگلستان میں انکی ملاقات دادا بھائی نوزوجی سے ہوئی جو ملک کے مشہور نیشنلسٹ اور آزادی وطن کے زبردست علمبردار تھے۔ مسٹر جناح زبردست قوت ارادی کے مالک تھے۔ جب وہ انگلستان سے واپس ہوئے تو ان کے خاندان کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی، لیکن اس ناز و نعم میں پلے ہوئے انسان پر ان مالی مشکلات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جوانی کا جوش۔ شباب کے ولولہ والے عزمیاں،

ہمتیں، بلند ارادے اور اعلیٰ مقاصد نے ان کی زندگی کی رہنمائی کی اور انہوں نے حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنی زندگی کو آپ ہی سنوارنے کا عزم باجزم کر لیا۔ انہوں نے بمبئی میں مستقل قیام کر لیا اور زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ خوش قسمتی نے ان کا ساتھ دیا اور ایڈووکیٹ جنرل سر جارج اونڈسن کی پیہر میں وود منتخب ہو گئے۔ دادا بھائی نوروجی کا مسٹر جناح پر گہرا اثر ہوا دادا بھائی نوروجی نے مسٹر جناح کو کافی امداد دی۔ مسٹر جناح جلد ہی ترقی کر گئے اور تھوڑے سے عرصہ میں ہی آپ کا شمار بمبئی کے بہترین ایڈووکیٹوں میں ہونے لگا۔ ان کی بحث کا انداز سچ اور جوری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی انکی وکالت کا شہرہ سارے ملک میں ہو گیا۔

مسٹر جناح بہت دلیر اور بے خوف تھے اس لئے جج ان کے متعلق کچھ کہنے سے گھبراتے تھے۔ ایک دفعہ وہ عدالت میں ایک مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے کہ جج نے کہا کہ مسٹر جناح آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کے سامنے نہیں بول رہے ہیں۔ مسٹر جناح نے فوراً جواب دیا کہ آپ کے سامنے بھی کوئی تھرڈ کلاس وکیل نہیں۔ مسٹر جناح کی قانونی قابلیت مسلمہ تھی۔ وکالت نے انہیں کامیاب اسپیکر اور بہترین ترجمان بھی بنا دیا۔ ان کی فصاحت اور دادا بھائی نوروجی کے قرب نے انہیں سیاسی میدان میں کھڑا کر دیا۔ اسکے بعد

شادی ہونے کی وجہ سے ان کا سیاست کے ساتھ گہرا واسطہ ہو گیا۔ مسٹر جناح کانگریس میں شامل ہو گئے۔ ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں وہ سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں شامل ہوئے۔ نوجوان جناح نے وہاں تقریر کی۔ جس سے کانگریسی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ برطانوی امپریلزم کے خلاف سرکاری کا دلیرانہ اظہار تھا۔ کانگریس حلقہ اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ اس وقت کانگریس میں گوپال کرشن گوکھلے کا دور دورہ تھا۔ جناح پر ان کی اس شخصیت کا بہت کافی اثر ہوا۔ مسٹر گوکھلے نے مسٹر جناح کو مبارکباد دی۔ اس بنا پر ان کے خیالات غیر فرقہ وارانہ تھے انہوں نے پیشین گوئی کی مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے پیامبر ہوں گے۔

منٹو مارلے اسٹیکم میں ہندوستان میں فرقہ وارانہ نیابت کا زہر بویا گیا تھا۔ مسٹر جناح نے اس کی مخالفت کی کسی تقریریں کیں جن میں کہا کہ اس شرارت کا مقصد ہندوستان کی تحریک آزادی کو ختم کرنا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں الہ آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اس میں قائد اعظم مسٹر جناح نے فرقہ وارانہ نیابت کے خلاف رزولوشن پیش کیا۔ اور اس کے حق میں جو تقریر کی وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ کانگریس نے ایک وفد ۱۹۱۲ء میں اور ایک وفد ۱۹۱۶ء میں برطانیہ روانہ کیا۔ مسٹر جناح دونوں وفدوں کے ممبر تھے۔ مسٹر جناح کی صحبت دن بدن ترقی کرتی چلی گئی۔ ۱۹۱۶ء میں

انھیں امپیریل کونسل کا ممبری کے حلقہ سے رکن مرتب کر لیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۱۳ء میں جس قابلیت کے ساتھ وقف بل کونسل میں پیش کیا اس نے شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ مسٹر جناح بہت مقبول ہو گئے اور وہ ساری عمر ایک ہی حلقہ سے منتخب ہوتے رہے ہیں۔ اس انتظار میں مسٹر جناح کو تحریک کی گئی کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ کیونکہ مسلم لیگ نے گورنمنٹ کی وفاداری کا مسئلہ ترک کر کے سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ مسٹر جناح مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

قائد اعظم نے لارڈ لنگڈن کی الوداعی تقریب کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ممبری کے کانگریس بھون کو "جناح ہال" بنا دیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں جب کہ مسٹر جناح کی قانونی قابلیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ انھوں نے بال گنگا دھر تلک اور مسٹر مارلین کے خلاف بغاوت کے مقدمہ کی وکالت کی۔ یہ قانونی قابلیت کا بہترین نمونہ تھا۔ مسٹر جناح ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے ترجمان تھے۔ اس زمانہ میں لکھنؤ میں ایک پبلیٹ ہوا جس پر مسٹر جناح نے لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے دستخط کئے۔ یہ پبلیٹ ۱۹۲۱ء کے آئین میں داخل کر لیا گیا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ گاندھی جی کے کانگریس میں داخل ہوتے ہی

مسٹر جناح کانگریس سے الگ ہو گئے۔ مسٹر جناح کی علحدگی کی کئی وجوہات تھیں۔ مثلاً کانگریس جی کی عدم تعاون سے وہ متفق نہ تھے مسٹر جناح نے عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت میں کئی تقریریں کیں۔ اور فیصلہ کر لیا کہ وہ کانگریس سے علحدہ ہو جائیں۔ بالآخر مسٹر جناح ہندوستان کی سیاست سے تنگ آ گئے۔ انھوں نے انگلستان جا کر پارلیمنٹ کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی لڑنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ انگلستان چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں بھرے رہے۔

جب ۱۹۲۵ء کے ایکٹ کا مسودہ تیار ہوا۔ تو مسٹر جناح نے اس کے فیڈرل حصہ کی پر زور مخالفت کی۔ لیکن اس مخالفت کی بناء پر یہ تھی کہ مسٹر جناح وائسرائے کے غیر معمولی اختیارات اور مطلق العنان والیان ریاست کی فیڈریشن میں شمولیت کے خلاف تھے۔ ان کی اسمبلی کی تقریروں سے صاف ظاہر نظر آتا تھا کہ ان کے سیاسی اعتراضات وہی تھے۔ جب مسٹر جناح ہندوستان واپس پہنچے تو انھوں نے مسلم لیگ کی ازبیر تنظیم کی اور اس کے لئے لیڈرشپ سنبھالی علامہ اقبال مرحوم اس وقت اچھا تھے۔ اگرچہ وہ سیاست دان سے کہیں زیادہ شاعر تھے۔ تاہم مسٹر جناح اور اقبال سے مشورہ رہے۔

اس کے بعد ۱۹۳۷ء کے انتخابات آئے۔ یہ مسٹر جناح کے امتحان کا وقت تھا۔ ان انتخابات میں لیگ پنجاب سندھ اور بنگال میں خاصی کامیاب ہو گئی اور یہاں سے کانگریس اور لیگ میں وسیع

پیمانے پر تلخیاں شروع ہو گئیں۔ قائد اعظم کی سیاست مسلم حقوق کے تحفظ کا رنگ اختیار کر گئی۔ انھوں نے کانگریس کی پالیسی پر مختلف اعتراض شروع کر دیئے۔ ان کی طاقت اس وقت بہت بڑھ گئی۔ جب مسٹر فضل الحق اور سردار سکندر حیات خاں ان کے ساتھ مل گئے مسلم لیگ اس وقت بم عروج پر پہنچ گئی۔ جبکہ اگلے انتخابات میں مسلمانوں کی بڑی تعداد نے انکی حمایت کی۔

۱۹۳۵ء میں اتحادیوں اور نازیوں کے درمیان یکا یک جنگ شروع ہو گئی جس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انگریزوں نے ہندوستان سے جنگی خدمات چاہیں کانگریس نے من حیث الجماعت گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا فیصلہ کیا۔ اور بالآخر یہ مخالفت اس قدر نازک مرحلہ پر پہنچ گئی کہ کانگریس وزارت ختم ہو کر ان کی جگہ گورنر راج ہونے لگا۔ وائسرائے نے سرکاری طور پر مسلم لیگ سے تعاون کی درخواست کی اور اب لیگ نے موقع غنیمت جان کر اس تعاون کو قبول کر لیا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی ورنہ افلاس لوگوں کو فوج میں داخل ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

قائد اعظم نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلم عوام کی تنظیم کرنا اور اس میں سیاسی بیداری پیدا کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ اس لئے انھوں نے پورے ہندوستان کا دورہ کرنا شروع کیا اور مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں۔ انھوں نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش

کی کہ ایشیا میں اخلاقی اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے اسلام کا مستقبل
ہندوستانی مسلمان کی تنظیم بہتر ہی منحصر ہے۔
ہندوستان میں علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہنے کے لئے
ان کو متحد اور منظم رہنا چاہئے۔

قائد اعظم کی زیر قیادت پرائونٹیشن ڈسٹرکٹ اور پرائمری مسلم
لیگ کی داغ بیل پڑی اور انکی تنظیم جمہوری بنیادوں پر کی گئی۔ لیگ
جو اس وقت تک مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں تک محدود تھی اس کے
دروازے عام مسلمانوں پر بھی کھول دئے گئے۔ اس وقت وہ لیگ
کے قائد تھے اور ملت اسلامیہ نے ان کی جلیل القدر خدمات
کے صلہ میں ان کو قائد اعظم کہہ پکارا۔

اس کے بعد لیگ نے میدان سیاست پر چھوٹا شروع کیا اور
بلاشبہ اسے بڑی حد تک کامیابی نصیب ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں
قائد اعظم نے پاکستان کے قیام کی تجویز پیش کی۔ جس کا مطلب
عوام کے سامنے اس طرح بتایا گیا کہ ہندوستان ان صوبوں کو
جہاں کہ مسلمان کی اکثریت سے ملا کر ایک آزاد و خود مختار ریاست
قائم کی جائے۔

پاکستان کی اسکیم بہت زور شور سے جاری رہی اور
مسلمانوں میں ایک زندگی کی لہر پیدا ہو گئی
البتہ کانگریسی مسلمان مخالف تھے اور پاکستان

نا قابل عمل سمجھا جس کا ثبوت مل گیا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ قائد اعظم نے پہلے تو اسلامی ریاست کے خیال کو تشہیر کیا اور ۱۹۴۷ء میں لاہور میں اس برعظیم کے دو ٹکڑے ہندوستان اور پاکستان کو دینے کا مطالبہ کر دیا۔ مسٹر جناح جو لیگ کے مستقل صدر منتخب تھے انہوں نے اپنی تمام توجہ سیاست کی طرف منقطع کر دی اور قانون کی پریکٹس کو بالکل ترک کر دیا۔ حصول پاکستان ان کے رگ و ریشہ میں پوہست ہو چکا تھا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں برطانوی کابینہ کے وزیر ہند مسٹر ایل۔ ایس ایمری نے دارالعلوم میں بیان دیا کہ ہندوستان کے معاملات جنگ ختم ہونے کے بعد فیصل کئے جائیں گے ۱۹۴۷ء میں پہلی بار کریس پیشکش میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ سر زمین کا دعوہ صحیح تسلیم کیا گیا۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جو دوران جنگ میں ہونا ناممکن تھے۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں شروع ہوئے۔

علحدہ انتخابات کا طریقہ اس وقت رائج تھا۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں سے پاکستان کے نام پر ووٹ حاصل کئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی اسمبلی میں لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی اور صوبائی اسمبلیوں کی ۲۸۲ مسلم نشستوں میں سے ۲۲۷ پر لیگ کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۹۴۷ء میں کیبنٹ مشن کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کانفرنسیں جاری رہیں۔ مسٹر جناح اپنی رائے پر قائم رہے۔ تاہم وہ باہمی سمجھوتہ کے لئے تیار اور متفکر تھے۔ اور اسی جذبہ کے ماتحت

انہوں نے مشن پلان کو قبول کر لیا۔

بدقسمتی سے کیبنٹ مشن پلان ختم ہو گیا۔ اب انگریزوں نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ایک دلچسپ پیش کش کی اس کا نام ہے "لارڈ مونت بیٹن پلان"۔ آخری وائسرائے لارڈ مونت بیٹن نے میز پر اس پلان کو کچھ اس انداز میں رکھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی نظریں خیرہ ہو گئیں اور اسے من و سلوی سمجھ کر دونوں نے قبول کر لیا۔ خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے ہندوستان کی تقسیم ایک حقیقت بن کر سامنے آئی۔ لارڈ مونت بیٹن ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل اور قائد اعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بننے کا بھی اعلان ہو گیا۔ تقسیم کے انتظامات ہونے لگے۔ لیگ نے پاکستان کا دارالسلطنت کراچی منتخب کیا۔ مسٹر جناح ۱۷ اگست کو دہلی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر کراچی چلے گئے۔ ۱۴ اگست کو ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ مونت بیٹن نے شہنشاہ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے نئے ملک کے نئے دارالسلطنت میں پہنچ کر اختیارات منتقل کئے اور مونت بیٹن اسی دن دہلی واپس آ گئے۔

۱۵ اگست کو ہندوستان اور پاکستان کی نوآبادیاتی حکومتوں کا افتتاح ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے گورنر جنرل پاکستان کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف لیا۔ اس طرح قائد اعظم کی عمر کے سترویں سال پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ تمام دنیا کے ممالک سے

ہندوستان کو مبارکبادی کے پیغامات وصول ہوئے۔ اس وقت سے آج تک ملک کے اندر کئی اہم واقعات رونما ہوئے جن کو سلجھانے میں قائد اعظم نے اپنی بہترین قابلیت کا مظاہرہ کیا اور کہا جاتا ہے کہ ستر سال کی عمر میں ان پر کام کا دباؤ اتنا بڑھ گیا تھا کہ جوانی کے عالم میں بھی شاید اس قدر نہ ہوا ہو۔ لیکن انہوں نے ہمت اور استقلال کا دامن نہ چھوڑا اور وہ پاکستان کی سیاسی گتھیوں کو سلجھاتے رہے ان کی دن اور رات پاکستان کی تعمیر کے لئے گزرتی تھیں۔ کبھی وزراء کو مشورہ دینا۔ کبھی عوام کو خطاب کرنا۔ کبھی پاکستانی صوبوں کے دورے۔ کبھی لیگ کی تنظیم گورنر جنرل ہونے کے علاوہ پاکستان کانسٹیٹیوٹ اسمبلی کے صدر بھی تھے۔

آخر ابرسمبر ۱۹۴۸ء کو نصف شب سے ذرا دیر قبل اور پاکستان کی تین غیدیں دیکھنے اور دو جشن آزادیوں کو خطاب کرنے کے بعد انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ کے والد کا نام رام سنگھ اور دادا کا نام
 چیت رائے ابن گلاب رائے تھا ۱۶ محرم ۱۲۸۹ء بمقام
 جیانوالی (ضلع سیالکوٹ) پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان معزز سکھ
 خاندان تھا۔ بحالت یتیمی پیدا ہوئے۔ والدہ اپنے میکہ میں آئیں
 مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی فوت ہو گئیں۔ ماموں نے کفالت کی جو ضلع
 ڈیرہ غازی خواں میں پٹواری تھے۔ ۱۸۷۸ء میں جام پور کے
 اردو مڈل اسکول میں تعلیم پائی ۱۸۸۴ء میں الفاقیہ تحفۃ الہند مرتبہ
 مولوی عبید اللہ نو مسلم دیکھنے میں آئی۔ اس کے بعد تقویت الایمان
 کا نسخہ کسی ہندو دوست سے مل گیا۔ پھر احوال الاخرہ (پنجابی)
 مل گئی اس سے نماز سیکھ لی۔

۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے اظہار
 اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا اور مصنف تحفۃ الہند کے نام پر اپنا
 نام رکھا۔ کوئٹہ مغلاں کے ایک رفیق عبدالقادر کے ساتھ کوئٹہ
 رحم شاد ضلع مظفر شاہ پہنچے اور وہاں۔ یہ سندھ گئے اور حضرت
 حافظ محمد صاحب (بسرچوٹھی والی) کی خدمت میں رہے۔

ان کی فیض صحبت سے بڑا نفع ہوا۔ حافظ صاحب کے خلیفہ غلام محمد بھاول پور کی دیہاتی مسجد میں رہتے تھے۔ ان سے ابتدائی عربی درس کی کتابیں پڑھیں پھر خانپور سے شوال ۱۳۰۵ھ میں کوئٹہ رحم شاہ گئے کچھ عرصہ مولوی خدا بخش سے پڑھتے رہے۔ صفر ۱۳۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند آگئے۔ مولانا حکیم محمد حسن کے درس میں بیٹھے صرف و نحو کی تکمیل کی معقولات کی تحصیل کے لئے۔ مولانا احمد حسن کاپوری کے مدرسہ میں چلے گئے۔ پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ میں مولوی ناظر الدین سے تعلیم پائی۔ صفر ۱۳۰۵ھ کو دیوبند وٹ آئے مولانا حافظ احمد صاحب کے درس میں بیٹھے پھر مولانا شیخ الہند کے درس میں شامل ہوئے۔ رمضان ۱۳۰۶ھ میں اصول فقہ پر ایک رسالہ لکھا۔ شوال ۱۳۰۶ھ میں مولانا رشید احمد صاحب کے پاس گلگوہ معاصر ہوئے۔ پھر دہلی گئے۔ یہاں مولوی عبدالکریم پنجابی سے حدیث پڑھی اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے درس حدیث میں شامل ہوئے۔ رجب ۱۳۰۸ھ میں مولانا محمود الحسن نے اجازت نامہ تحریر کر کے ان کے پاس بھیجا یا ۱۳۰۸ھ میں دیوبند آئے۔ پھر امرت گئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور ایک پریس جاری کیا۔ مولانا راشد اللہ صاحب العلم المراجع نگران رہے۔ شیخ الہند نے ۱۳۰۲ھ دیوبند بلا یا یہاں جمیعتہ الانصار قائم کی مولانا محمد صادق سندھی۔ مولانا ابو محمد احمد لاہوری۔ مولوی

احمد علی آپ کے شریک کار تھے ۱۹۳۱ء میں دلی آکر نظارۃ المعارف قائم کیا۔ حکیم اجمل خاں۔ نواب وقار الملک سرپرست بنے۔ ڈاکٹر انصاری۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی سے تعلقات قائم ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں شیخ المنذر کے حکم سے کابل گئے وہاں پہنچ کر انھوں نے جرمن اور ترکی مشن سے جو انعامستان آیا ہوا تھا مل کر امیر کابل پر برطانیہ کے خلاف زور ڈالا۔ اسی سال ستمبر میں مولانا محمود الحسن مکہ معظمہ گئے وہاں انھوں نے غالب پاشا کا دستخطی اعلان مولوی محمد میاں کے ہاتھ مولانا عبید اللہ کے پاس کابل بھیجا جس میں برطانیہ کے خلاف جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ سات سال کابل رہے امیر حبیب اللہ خاں کے کہنے سے کانگریس میں شامل ہوئے ۱۹۲۱ء میں عہد امیر امان اللہ میں کانگریس کمیٹی کابل کی تشکیل کی۔ ڈاکٹر انصاری کی سعی سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے الحاق ہو گیا۔ کابل سے نکلے پہنچے سوویت یونین نے اپنا معزومہان بنایا ۱۹۲۲ء میں نہر انقرہ گئے۔ تین سال وہاں رہے۔ ۱۹۲۴ء میں مکہ معظمہ گئے ۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی سعی سے یلم نومبر ۱۹۳۷ء واپسی وطن کی اجازت ملی ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء حج لائن کے مشہور جہاز المدینہ کے ذریعہ ہندوستان آئے۔ خان بہادر اقدر بخش وزیر اعظم سندھ سے استقبال کیا۔ پھر لاہور ہوتے ہوئے دیوبند پہنچ گئے یہاں ہندو مسلم

اتحاد کی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۳۹ء کو دہلی آئے۔ یہاں ہر جماعت نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ پھر آپ نے یکسوئی سے حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف پر نظر ڈالی اور اس پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ مولانا نے سرگرمی سے اپنے سیاسی اور مذہبی افکار و تجربات کی اشاعت شروع کر دی۔ نگر ملک نے ان خیالات سے بے اعتنائی برتی۔ آخر صحت نے جواب دیدیا اور کام کرتے کرتے ۲۸ اگست ۱۹۴۴ء میں انتقال کیا۔

منفی کفایت اللہ ابن شیخ عنایت اللہ

اپنے وطن شاہجہاں پور میں ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے دیوبند میں تعلیم پائی ۱۳۱۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور ۵ سال مدرسہ عین العلوم میں درس دیا۔ آپ اپنے عہد کے فقہ میں امام تھے ملک نے منفی اعظم کا خطاب دیا۔ راقم سطور سے مولانا احمد سعید صاحب دیوبند کی وجہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۳۳۲ھ سے ہوتا ہے جب آپ حج کو گئے شیخ المند کے ہمراہ مدینہ منورہ میں گرفتار کر لئے گئے ۱۳۳۵ھ میں قانون شکنی کے سلسلہ میں چھ ماہ کی سزا بھگت چکے تھے ۱۹۲۲ء میں جمعیت العلماء

کے اجلاس کے صدر رہے پھر ۱۹۳۹ء تک مستقل صدر کی حیثیت
فرائض صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۳۸ء میں آپ نے سلطان ابن سعود کی موثر اسلامی میر
شرکت کی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہمنوا تھے۔ مدرسہ اعلیٰ میں
درس و تدریس کا مشغلہ تمام عمر قائم رہا ۱۹۳۱ء دسمبر ۱۹۳۳ء میں انتقال
ہوا۔ دینی درس تعلیم اسلام کے چند حصہ تصنیف سے ہیں۔

مولانا محمد سجاد بہاری

مولانا سجاد نے مولانا عبدالوہاب اور مولانا عبدالکافی
الہ آبادی سے درسی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث
کے درس میں شریک ہوئے۔ فارغ التحصیل ہو کر سیاسی میدان
میں نکل آئے اور تمام ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا
کلکتہ میں مولانا کی زیر صدارت ۱۹۲۶ء میں جمعیتہ العلماء نے
کامل آزادی کارروائیوں میں پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں سول فرمانی
میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۹ء میں وصال ہوا۔

سیٹھ یعقوب حسن

سیٹھ یعقوب حسن مدرسی اصل وطن دلی ہے۔ آپ کے بزرگ مدراس جا رہے۔ انگریزی تعلیم حاصل کر کے انگلستان گئے پیرسٹری پاس کر کے مدراس آئے اور وکالت شروع کر دی۔ اوائل عمری سے سیاسی ذوق تھا آپ مسلم لیگ اور کانگریس کے مسئلہ لیڈر تھے۔ جنگ یورپ کے بعد انگلستان گئے وہاں مسئلہ خلافت کی نیابت کی۔ ایک ترک خاتون سے شادی کر لی۔ ترک موالات کے سلسلہ سے پیرسٹری ترک کی۔ خلافت کی تحریک میں مدراس کی طرف آپ کے کارنامے مشہور ہیں۔ نومبر ۱۹۲۱ء کو بغاوت کے جرم میں دو سال کی قید محض ہوئی جیل خانہ قرآن مجید کا غائر مطالعہ کیا۔ بصورت بتویب کثافت الہدرا مرتب کر کے ملک میں پیش کیں۔ یہی آپ کا علمی کارنامہ فلاح دارین کے لئے کافی ہے۔ ایک عرصہ تک مدراس کونسل کے وزیر رہے۔ چار پانچ برس ہوئے انتقال ہو گیا۔

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی

حسرت ۱۸۷۳ء میں سید ازہر حسین نیشاپوری کے یہاں پیدا ہوئے۔

کیوں ہوں اردو میں حسرت فہم نظیری کے نظیر

ہے تعلق ہم آخر خاک نیشاپور سے

ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی ۱۸۹۲ء میں رومڈل پاس کیا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول فتح پور ہسودہ میں داخل ہوئے۔ مولانا سید ظہور الاسلام اور حافظ نیاز احمد بریلوی کی صحبت سے متاثر سخن کرنے لگے۔

۱۸۹۹ء میں انٹرنس کیا۔ پھر علی گڑھ آئے۔ ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کیا۔ سیاسی سرگرمی کی وجہ سے کالج سے نکالے گئے رسالہ اردو معنی نکالنا۔ نشاط النساء بیگم سے ۱۹۰۸ء میں شادی کی ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء میں وہ وفات پا گئیں۔ لیکن آپ نیشنلسٹ تھے ۱۹۲۱ء میں مولانا نے کانگریس کا اجلاس احمد آباد میں آزادی کامل کی قرار داد پیش کی جس سے ملکی سیاست میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے ۱۹۲۴ء میں

کل ہند مسلم لیگ کے اجلاس احمد آباد کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال گرفتار ہوئے احمد آباد جیل میں رہے۔ ۱۹۲۲ء میں رہا ہوئے تو مسٹر سی۔ آر۔ واس کی پارٹی میں شامل ہوئے ۱۹۳۱ء تک سازی کی تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۴ء میں مولانا لیگ میں شامل ہوئے ۱۹۳۷ء اجلاس لیگ لکھنؤ میں مولانا کی تحریک سے کامل آزادی کی قرارداد منظور کی گئی۔ ۱۹۵۰ء ماہ نومبر میں حج کیا ۱۳ اگست ۱۹۵۱ء ۳ بجے دن فرنگی محل لکھنؤ میں انتقال کیا۔ آپ کی سوانح عمری مسٹر عبدالشکور ایم۔ اے نے شائع کی ہے۔

اشفاق اللہ خاں

محمد اشفاق اللہ خاں حسرت شہید شاہجہاں پور کے رئیس خاندان کے فرد تھے۔ بچپن میں سواری اور تیراکی کا شوق تھا۔ انکو وطن سے محبت تھی۔ بین پوری بغاوت کے مقابلہ میں پنڈت رام پرشاد مصر بسمل کے نام وارنٹ جاری ہوا۔ یہ بھی شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ اشفاق اللہ خاں کو بھی علم ہوا۔

جب شاہی اعلان کے ذریعہ سیاسی قیدی چھوڑ دئے گئے

تو رام پر شاد و بسمل قید سے آزاد ہو کر شاہجہاں پور آئے اشفاق اللہ ان سے ملے اور کچھ عرصہ بعد ان کے ساتھی ہو گئے ۱۹۲۱ء میں پھر گاندھی جی وغیرہ گرفتار کر لئے گئے تو انقلابی جماعت نے نیا راستہ اختیار کیا۔

شری چندر ناتھ سانیاں۔ بولیش بابو۔ رام پر شاد نے ایک پارٹی بنائی اس میں بھی اشفاق اللہ شریک ہو گئے۔ اس پارٹی نے ہتھیار اکٹھا کرنے شروع کئے۔ مگر پیسہ نہ تھا جو آگے کا بڑھتا چند ماہ تک نہیں سکتے تھے اور یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بلا انگریزوں پر ہاتھ صاف کئے یہ ہندوستان سے نہ جائیگا ۹ اگست ۱۹۲۵ء کو کوری اسٹیشن پر یہ جماعت ریل میں بیٹھ کر پہنچی۔ اشفاق اللہ رام پر شاد۔ چند شیکھر آزاد۔ روشن سنگھ۔ راجندر لاری وغیرہ نے سرکاری خزانہ پر قبضہ کیا۔ ۲۶ ستمبر کو سب شہروں میں ایک ساتھ گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ چند ساتھیوں نے بھی مخبری کر دی ۸ ستمبر ۱۹۲۶ء کو دلی میں اشفاق اللہ بھی پکڑے گئے۔ اسپیشل مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اشفاق اللہ افغانی سفیر سے پاسپورٹ لے کر بھاگ جانے والے تھے۔ غرضکہ لکھنؤ لائے گئے شہری چندر ناتھ نجی کے ساتھ ان پر علیحدہ مقدمہ چلا۔ آخر میں پانچ جرم لگا کر ان کو پھانسی کی سزا دیدی گئی۔

عدالت نے انھیں رام پر شاد کا لفٹنٹ اور ان کا دایاں ہاتھ

قرار دیا تھا۔ آخرش آخری دن یہ شعر ورد تھا سہ
کچھ روز وہیں رہے آرزو تو یہ ہے
رکھ دے کوئی ذرا سی خاکِ وطن کفن میں

فیض آباد جیل میں جتنے دن رہے دن و رات عبادت میں
گزارتے تھے۔ ایک صبح $۶\frac{1}{2}$ بجے ان کو پھانسی کے پاس لے جایا
گیا۔ قرآن شریف کا بستہ کا ندھے میں لٹکا تھا۔ نہادھو کر خوش
خوش مثل حاجیوں کے لبیک کہتے ہوئے کلمہ پڑھتے ہوئے پھانسی
کے تختہ پاس گئے تختہ کو جو سہ دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر
کہا۔ میرے ہاتھ انسانی خون سے نہیں رنگے۔ میرے اوپر قتل
کا الزام لگایا وہ غلط ہے خدا کے یہاں میرا انصاف ہوگا۔ آخر
میں یہ شعر پڑھا سہ

تنگ آکر ہم بھی ان کے ظلم سے بیدار سے
جلد یے سوئے عدم زندان فیض آباد سے
پھر پھانسی کا پھندا پنا اور دنیا سے کوچ کر گئے سہ
وطن ہمیشہ رہے شاد کام اور آزاد
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

صا جزادہ آفتاب احمد خاں بی۔ اے کبنت پیر سٹریٹ لا
سی ۱۸۶۷ء میں گنجپورہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئے آپ کے والد
نواب غلام احمد خاں احمدی ممبر کونسل گوالیار مشہور و معروف

روشن خیال، علم دوست باوقار اور وضع بزرگ تھے جنھیں گورنمنٹ نے ۱۸۹۲ء اصلہ حسن خدمات و قدردانی نواب کا خطاب دیا۔ ۱۸ اپریل ۱۸۹۱ء کو رملت فرمائی۔ صاحبزادہ اور ان کے بھائی صاحبزادہ سلطان احمد خاں کی تعلیم علی گڑھ کالج میں شروع ہوئی۔ سرسید آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انٹرنس پاس کیا۔ ۱۸۹۸ء لارڈ ڈفرن کالج میں آئے تو انھوں نے تقریر عمدہ کی جس پر انعام حاصل کیا ۱۸۹۱ء میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگلستان گئے وہاں تاریخ میں بی۔ اے آ کر کیا۔ ۱۸۹۲ء میں قانونی تعلیم سے فراغت پا کر ہندوستان آئے سرسید نے علی گڑھ میں رہنے کے لئے کہا یہیں کے بسا ہو گئے۔ کالج کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ ۱۸۹۷ء میں سرسید نے مدرسۃ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کیا۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد سرسید میموریل فنڈ کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۰۲ء میں بلڈنگ ڈپارٹمنٹ کے انچارج ٹرسٹی بنائے گئے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے انریری جوائنٹ سکریٹری رہے۔ سلطان جہاں منزل کانفرنس کے لئے جناب عالیہ بیگم بھوپال سے پچاس ہزار کے صرف سے بنوائی اور حضور نظام سے کانفرنس کی امداد کے لئے حیدرآباد کا سفر کر کے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ کا اقدار

عظیمہ حاصل کیا۔ ۱۹۰۶ء میں کانفرنس سے سبکدوش ہوئے تو بارہ ہزار سالانہ کی مستقل آمدنی چھوڑی کتب خانہ بھی آپ کا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ کانفرنس کے کمپاؤنڈ کی عمارات مولوی سید الطاف علی بی۔ اسے بریلوی مصنف حیات حافظ رحمت خاں سپرنٹنڈنٹ کانفرنس کی سعی بلیغ کا نتیجہ ہے۔

۱۹۰۴ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی رہے ۱۹۰۹ء میں قسمت مرہٹہ آگرہ کی طرف سے صوبہ کونسل کے ممبر منتخب ۱۹۰۹ء میں پچرس کانفرنس قائم کی ۱۹۱۲ء میں تعلیمی حقوق کی حفاظت کا رزولوشن پاس کرایا ۱۹۱۷ء میں انڈیا آفس لندن سے تعلق رہا۔ ۷ سال میں ہندوستان واپس آئے مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری پر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی کی پچاس سالہ جوبلی آپ ہی کی شاندار کوششوں سے منائی گئی۔ اپنے والد کی یادگار میں ایک اذہ ہوں کا اسکول کھولا۔

۱۹۲۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس منعقدہ علی گڑھ کے صدر ہوئے۔ مسلم لیگ کے کاموں سے بھی دلچسپی رہی۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء کو فالج میں مبتلا ہوئے طویل علالت کے بعد ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔

مولانا نورشاہ کشمیری

۲۷ شوال ۱۳۵۲ھ کو موضع دودھوان علاقہ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد معظم کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ ۱۳۱۳ھ میں دیوبند گئے۔ ۱۳۱۴ھ میں شیخ الہند سے حدیث کی تکمیل کی مولانا رشید احمد گنگوہی سے فیض باطنی حاصل کیا۔ مولوی مشیت اللہ نے بجنور بلا لیا۔ ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ اعلیٰ دہلی کے صدر مدرس ہو گئے۔ چار سال کے بعد وطن چلے گئے۔ ۱۳۲۳ھ میں حج کیا واپس آ کر بارہ مولہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ ۱۳۲۸ھ میں دیوبند آ گئے۔ شیخ الہند نے ۱۳۳۱ھ میں اپنا جانشین کیا۔

دارالعلوم میں صدر مدرس کے فرائض ادا کرتے تھے مولانا ابرار حسین کاروقی گوپاموی۔ مولانا یاور حسین عمری گوپاموی۔ مولانا آغا رفیع بنڈھری سے مشہور علما کو الکی شاگردی کا فخر ہے۔ ۱۳۳۴ھ میں جامع اسلامیہ ڈابھل گئے۔ ۲۱ صفر ۱۳۵۱ھ کو دیوبند میں وفات ہوئی۔

سیاست میں آپ شیخ الہند کے ہم نوا تھے مگر کوئی عملی حصہ نہ لے سکے علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ شخصیت کے حامل تھے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ آپ کی سوانح عمری نغمۃ الغیریہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

اپنے وقت کے اکابر علما سے تھے۔ درس و تدریس میں عمر بتا دی۔ انگریزوں سے دلی نفرت رکھتے تھے۔ درس حدیث سے دلی شغف تھا۔ مدرسہ مظہر العلوم کے سرپرست تھے ان کے دامن تربیت سے ملک کے مشہور علما مولانا احمد حسین کانپوری، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا ہدایت اللہ سے حضرات فیض یاب ہوئے مولانا احمد حسین کے بھی صاحبزادے مولانا نثار احمد مفتی شہر آگرہ تھے جنہوں نے تحریک خلافت میں بڑا حصہ لیا اور جیل کاٹی۔ مولانا محمد علی کے ساتھیوں میں سے تھے۔ میرے استاد مولانا سعادت اللہ امرتلی سنبھلی پروفیسر عربی ڈھا کہ یونیورسٹی۔ مولانا احمد حسین کانپوری کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ مولانا احمد علی کے شاگردوں نے علوم دینیہ کی اشاعت اور تبلیغ اسلام میں بڑا حصہ لیا۔ چند کتب حدیث کی صحت کو کے ان کو شائع کرایا۔

مفتی حافظ محمد رمضان اکبر آبادی

مفتی محمد رمضان کے والد کا نام مولوی بصر علی بیگ تھا۔ آپ کا اصلی وطن قصبہ لیدری خطیب ضلع فتح پور ہمسوہ تھا مولانا عبداللہی فرنگی محلّی کے شاگرد اور مولانا سلامت اللہ کے مرید تھے۔ جامع مسجد آگرہ کے مفتی مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس تھے۔ رقم مطور نے سند حدیث حضرت مفتی صاحب سے لی۔ جس زمانہ میں مولانا سے بخاری کا درس لے رہا تھا ہمارے ہم جماعت مولوی امام الدین الہی مولانا عبداللہی حقانی کا فتویٰ کہ برطانیہ اور ترکی کی جنگ مذہبی نہیں ہے بیکر توثیق کرائے مفتی صاحب کے پاس آئے مفتی صاحب نے دیکھا ٹاک کے اکابر علما کے دستخط اس پر ہیں مفتی صاحب نے مولوی صاحب سے کہا یہ میری شاگردی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اگر جسم میں جان ہوتی تو دیکھتا سر بکف میدان حمل میں آتا۔ دستخط نہیں کئے۔ مولوی صاحب بھی وہ فتویٰ واپس کر آئے اور بہانہ کر دیا۔

۶۶ برس کی عمر میں ۶ رزیع الاول ۱۳۳۴ھ کو انتقال کیا پنج کھوں میں دفن ہوئے۔ ترجمہ تفسیر ابن عباس آپ کی یادگار ہے۔

قائد ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں شہید

نواب زادہ لیاقت علی خاں ابن رکن الدولہ نواب بہادر رستم علیخان
شمشیر جنگ رئیس کرناٹک۔

نواب زادہ کے مورث اعلیٰ نواب غلام محمد خاں تھے جن کے
بیٹے نواب جلال الدین خاں ان کے صاحبزادے نواب محمد خاں
جن کے بیٹے نواب احمد علی خاں جن کے نواب محمد عظمت علی خاں
نواب رستم علی خاں۔ نواب محمد عمر دراز خاں تھے۔ نادر شاہ
نے ان کے بزرگوں کو جاگیر عطا کی تھی یہ نوشیروانی منڈلوں قبلہ
افغانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لارڈ لیک نے تبادلہ علاقہ جات
منظور کر کے کرناٹک میں ۲۸ ہزار مالیت کے ۶۳ گاؤں دیے
نواب عظمت علی خاں لا ولد تھے اپنی جائداد وقف کر دی۔ رکن الدولہ
نے اپنے حسن لیاقت سے حکومت میں اقتدار پایا و درباری تھے
نواب زادہ لیاقت علی خاں کو رسمی تعلیم دلا کر الہ آباد اور علی گڑھ
کالج میں تعلیم دلانی اور ولایت بھجوا جہاں ایم۔ اے (اکن)
کیا اور بیرسٹری کی سند لیکر وطن لوٹے قومی خدمت کا جذبہ
شروع سے رکھتے تھے لیکن مزاج میں انقلاب پسندی اور ہنگامہ آفرینی

نہ تھی۔ آئینی طریقہ پر ملک اور قوم کی خدمت میں لگ گئے کانپور انکواری کمیٹی کی معرکہ آرا رپورٹ۔ کونسل میں ممبر ہو کر اپنی ریاست کا سکہ بٹھایا۔ وائس پریسڈنٹ کونسل صوبہ متحدہ رہے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور قائد اعظم کی ذات گرامی سے ایسے منسلک ہو گئے کہ تمام ان کے سیاسی کارناموں میں دست راست کا درجہ رکھتے تھے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۲۶ء میں صدر منتخب ہوئے۔ انجمن اسلامیہ آگرہ کی طرف سے راقم سطور کی دعوت پر اجلاس منعقد ہوا تھا۔ انجمن کے سکریٹری منشی ریاض الدین احمد تھے جو جناح کالج کراچی کے بانی ہیں۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایشیا کی سر زمین میں قائد اعظم کی سعی سے ایک نئی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور نواب زادہ اس کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے ان کی اصل طبعی صلاحیتیں بروئے کار آئیں اور قدرت نے ان میں ایک سنجیدہ فکر سیاسی مدیر بننے کی جواہریت رکھی تھی وہ ظہور میں آئی۔ جنانچہ قیام دولت پاکستان سے لیکر شہادت کے وقت تک یعنی چار سال کی مدت میں انھوں نے اپنی عمدہ اور جہاں صلاحیتوں کا وہ عملی ثبوت دیا جسکی مثال ملنا مشکل ہے۔ عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے قدم احتیاط سے

اٹھاتے تھے۔ مگر جب ایک مرتبہ اٹھا لیتے تھے تو پھر اسے واپس نہیں لیتے تھے۔ ان کے کیرکٹر کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ شدید اشتعال کی حالت میں بھی وہ اپنے دماغی توازن کے شیرازہ کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے۔ انکار و آلام کے ہجوم میں بھی ان کے چہرہ پر مسکراہٹ اور اطمینان کی کیفیت کھیلتی رہتی تھی۔ وزارت عظمیٰ ان پر سمجتی تھی۔ ۱۶ اکتوبر کی شام کو چار بجے کے قریب راولپنڈی میں ایک عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے سفاک کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی

مولانا فضل الرحمن کے فرزند ارجمند تھے ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد ضلع بجنور میں انسپکٹر مدارس تھے۔ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں پائی حدیث کی سند شیخ المندس ۱۳۲۵ھ میں لی۔ عنفوان شباب میں ہی اسلامی علوم و فنون کے تبلیغ النظر بصر بن گئے۔ ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے اس کے بعد مدرسہ عالیہ فنجپوری کے صدر مدرس رہے۔ ۱۳۳۰ھ میں موٹرالانصار انجمن کے تاریخی جلسہ منعقدہ مرادآباد میں

الاسلام کے عنوان پر مقالہ پڑھا جس کی دھوم مچ گئی شیخ الہند کے مائے میں نظر بند ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک سہارنپور، غازی پور، لکھنؤ، بنارس، کانپور، علی گڑھ، دہلی وغیرہ کے اجتماعات میں شیخ الہند کے ترجمان کی حیثیت سے تقریریں کیں گوشہ گوشہ میں عظمت و برتری کا سکہ بیٹھ گیا۔ "العقل والنقل" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا۔ علمی و دینی حلقوں میں بڑی شہرت ہوئی ۱۹۲۸ء میں داہیل گئے چند سال بعد وطن آئے۔ دارالعلوم کے صدر مہتمم کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ سات ماں بعد مستعفی ہو کر ۱۹۳۶ء میں کراچی چلے آئے۔ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ قائد اعظم بڑی قدر کرتے تھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بھاول پور میں دو روز علیل رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ کراچی لایا گیا۔ جہاں علم و فضل کا یہ پہاڑ سپرد خاک کر دیا گیا۔ شیخ الہند کے ترجمہ قرآن مجید پر حواشی و فوائد اور صحیح مسلم کی فتح الملہم یادگار سے ہے۔ مصر کے اکابر علم نے فتح الملہم کی داد دی ہے۔

آصف علی مرہوم

۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اینگلو عربک اسکول اور سنٹ اسٹیفن کالج میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد انگلستان میں بیرسٹری کی تعلیم پائی۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء تک وہاں مقیم رہے۔ اختتامِ تعلیم کے بعد دہلی آکر وکالت شروع کر دی۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۵ء تک وہ تمام سیاسی تحریکوں کے روح رواں بنے رہے، ہوم رول لیگ کانگریس کمیٹی ۱۹۱۸ء کا اجلاس کانگریس رولٹ ایکٹ کے خلاف ایچی ٹیشن خلافت کمیٹی، والمنٹیرز کور اور پھر عدم تعاون کی تحریکوں میں انھوں نے زبردست حصہ لیا۔

۱۹۱۸ء کے شروع میں وہ پہلی بار گرفتار ہوئے لیکن جلد ہی رہا کر دیئے گئے۔ بعد میں ۱۹۱۲ء میں ان کو ۱۱ سال قید کی سزا ہوئی، ۱۹۲۸ء میں انھوں نے ارونا دیوی سے شادی کر لی اس کے بعد انھوں نے کئی مشہور مقدمات کی پیروی کی مثلاً بھگت سنگھ کا مقدمہ ۱۹۳۱ء میں وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۲ء تک وہ سیاسی تحریکوں میں

سزایاب ہوئے ۱۹۳۲ء میں وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ ۱۹۳۱ء-۱۹۳۲ء کی تحریکوں میں وہ ۴ سال نظر بند رہے، ۱۹۳۰ء اور ۳۲ء میں صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر رہے۔ ۱۹۳۵-۳۶ء آزاد ہند فوج کی دفاعی کونسل کے کنوینر رہے۔

۱۹۳۶ء میں جمہوری حکومت میں وہ ہند کے ریلوے سٹریٹجی

لیکن فروری ۱۹۳۷ء میں ان کو امریکہ میں ہندوستان کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۳۸ء تک وہ اس عظیم ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ان دنوں وہی اقوام متحدہ میں ہندوستان کے مندوب رہے، اکتوبر ۳۸ء میں ان کو اٹریسہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ مئی ۳۵ء تک وہ اس عہدہ پر رہے۔ اس کے بعد

ان کو سوئٹزر لینڈ، روم اور آسٹریا میں ہندوستان کا سفیر مقرر کیا گیا اس عہدہ پر وہ آخر دم تک مامور رہے۔ یہاں تک کہ یکم اور ۲ اپریل کے درمیان ان کی وفات ہو گئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ وہ دہلی کی تہذیب اور کلچر کا صحیح نمونہ تھے اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ جرنلزم سے ان کو دلچسپی تھی۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ان کی تقریریں سامعین پر گہرا اثر ڈالتی تھیں۔ وہ بہت مخلص اور نیک طبیعت انسان تھے۔ ۵۴ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی

ڈاکٹر عبداللہ المامون ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔
 بیرسٹریٹ لا اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے
 ہیں۔ ولایت قانونی تعلیم کے لئے گئے۔ ۱۹۰۳ء میں اسلامی
 سوسائٹی کی بنیاد رکھنے کے علاوہ اسلامیہ مشن سٹی فنڈ کی بھی
 بنیاد رکھی۔ ۱۹۰۷ء سلطان ٹرکی کی خدمت میں باریاب ہوئے
 اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے۔ آپ دہوا موافق نہ آئی
 کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۱۱ء میں آپ
 ٹیگور لاکے پروفیسر مقرر ہوئے، انجمن ہلال احمر کی تحریک
 آپ نے ہی چلائی۔ چنانچہ آپ ہی کی طرف سے سب سے پہلا
 مشن ہلال احمر یورپ۔ ٹرکی وروالیہ گیا۔

آپ کلکتہ یونیورسٹی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ مگر آپ کی منتقلی پر گورنر جنرل
 ان کونسل نے ۱۹۱۲ء میں بلحاظ پالیٹکس اعتراض کیا جس پر آپ نے
 استعفیٰ دیدیا۔ آپ چند کتابوں کے مصنف ہیں ۱۹۱۲ء میں شاہ ایران کی طرف
 سے آپ کو افتخار الملک کا خطاب بھی مل چکا ہے۔ اب بھی سیاست ملی سے
 دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں سنہ ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے وطن کوٹ مریضہ پنجاب ہے ابتدائی تعلیم وزیر آباد اور پٹیالہ میں پائی۔ پھر علیگڑھ کالج میں داخل ہو کر بی۔ اے کیا۔ بمبئی گئے اور ایک سال تک نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری رہے معرکہ مذہب و سائنس کا ترجمہ کیا۔ مولانا شبلی بمبئی آئے ان کے ایسے سے حیدر آباد گئے۔ مولوی عزیز مرزا کی وساطت سے ہوم آفس میں مترجم ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یو۔ بی۔ ایٹو کو نسل کے رجسٹرار ہو گئے۔ سن ۱۹۰۶ء میں فسانہ ماہوار نکالا۔ دکن ریویو ان کی ادارت میں نکلا۔ مولوی محفوظ علی خاں کے ساتھ شمالی بینڈ گئے واپسی پر بمبئی آ کر دکن ریویو جاری کیا۔ پھر حیدر آباد واپس گئے۔ مرزا داغ کے شاگرد ہوئے وہاں سازشیں چل رہی تھیں۔ جس کا شکار ان کو بھی ہونا پڑا ۱۲۵ روپیہ ماہوار پنشن لیکر وطن آ گئے سنہ ۱۹۰۹ء میں آپ کے والد مولانا سراج الدین بانی زمیندار کا انتقال ہو گیا تو آپ نے زمیندار کو نگرانی میں لیا۔ ناہور میں مستقل قیام رہنے لگا۔ ۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو اخبار کاروانہ ایڈیشن جاری کیا۔ طرابلس

کی جنگ چھڑ گئی اس کے لئے اور بلقان کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کر کے ٹرکی بھیجا۔ ۱۹۱۲ء میں زمیندار کی ضمانت ضبط ہوئی ۱۹۱۲ء میں دس ہزار کی ضمانت طلب ہوئی۔ مولانا ولایت میں تھے۔ جس کا بڑا حصہ قوم نے دیا۔ ولایت سے آنے کے بعد تقریریں کیں جو آتش بیان ہوتی تھیں۔ گرم آباد میں نظر بند کئے گئے۔ تین سال گرم آباد رہے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۱۲ء کو دوبارہ اخبار جاری کیا ۱۵ ستمبر ۱۹۱۲ء کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے قانون تحفظ ہند کے ماتحت وارنٹ پیش کیا۔ آپ اس کے ساتھ ہوئے اور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا کا حکم ہوا۔ اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد چھوٹ گئے۔ پھر قومی کاموں میں لگ گئے۔ پنجاب اسمبلی کے ممبر مقرر ہوئے۔ پہلے کانگریس کے سرگرم رکن تھے مگر پھر مسلم لیگ کے حامی ہوئے اور قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا اور ممبر اسمبلی ہیں۔ کثیر التعداد کتب کے مصنف و مترجم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محب وطن کو تادیر سلامت رکھے۔

(مردم ریدہ از انتظام اللہ صفا)

مولوی رضوان اللہ ابن مولوی سحان اللہ تعلقہ دارگورکھپور۔ صوبہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ تمام قومی کاموں میں پیش پیش رہے۔ اب دہخن اسلامیہ کے صدر ہیں۔

ڈاکٹر محمد عالم

ڈاکٹر محمد عالم سرگودھا کے مشہور و معروف بیرسٹر اس کے علاوہ ولایت سے ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔ ترک موالات کے سلسلہ میں وکالت ترک کی اور قومی کاموں میں منہمک ہو گئے۔ پنجاب میں سیاسی بیداری پیدا کرانے میں مولانا ظفر علی حساں لالہ لاجپت رائے ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر محمد عالم کی خدمات پیش پیش ہیں۔

خان عبدالغفار خاں

غفار خاں کے والد بہرام خاں اتمان زئی قبیلہ کے سردار تھے۔ اتمان زائی کا گائوں ہندوستان کی سرحد پر پشاور کے ضلع میں واقع ہے۔ آپ کا گھرانہ امیرانہ ہے۔ بچپن ناز و نعم میں بسر ہوا۔ تعلیم کے لئے علی گڑھ یونیورسٹی میں آئے۔ اللہ لال اخبار نے خان کو آزاد سیاسی مسلک کی طرف متوجہ کر دیا۔ انہوں نے

مضامین لکھنے شروع کئے۔ جو نیا نصب العین لئے ہوئے تھے۔ علی گڑھ سے وطن گئے تو جدید تاثرات لیکر گئے تھے عوام کی تنظیم شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء کا سال ہندوستان کے لئے المناک تھا ایک طرف اقتصادی تکالیف دوسری طرف معاہدہ ٹرکی کی شرائط کے متعلق مسلمانوں کے اضطراب اور اس خوف نے کہ کہیں دستوری اصلاحات کو ملتوی کر کے ان میں قطع و برید نہ کر دی جائے۔ مجموعی طور پر ملک میں ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جس میں بجلی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ حکومت نے رولٹ بل پیش کر کے جس کا مقصد گورنمنٹ کے خیال میں انقلابی تحریکات کا استیصال کرنا تھا۔ مگر اس پر وہ میں مضمیر ہندوستانوں کی آزاد رائے اور ان کے اٹھان کو کچلنا مقصود تھا مگر ملک بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ رولٹ بل کے آنے ہی فضا اور بھی زیادہ آتشگیر بن گئی۔ گاندھی جی نے ستیہ گره کی بنیاد ڈالی۔ تمام ملک ہمنوا تھا۔ سرحدی علاقہ بھی اثر لئے بغیر نہ رہا۔ خان عبدالغفار خاں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف مساعی شروع کر دیں۔ آپ کم عمر تھے ہی مگر اثر اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آپ کے جلسوں میں ہزار ہا لوگ شریک ہوتے۔ حتیٰ کہ ایک جلسہ میں آپ کے نوے سالہ بوڑھے والد بھی شریک ہوئے حکومت نے

خانگی سرگرمی کو دیکھ کر ان کو گرفتار کر لیا۔ لطف یہ کہ بغیر کسی مقدمہ چلائے قید کر دیئے گئے۔ پوئیس کا افسر اعلیٰ ایک وفد لیکر ان کے پاس آیا کہ ہنگامہ خیز افعال سے اجتناب کریں، مگر خاں اپنے خیالات اور عمل میں اٹل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے والد ماجد جو پہلے انگریزوں سے ملے جلے ہوئے تھے گرفتار کر لیا۔ وہ اپنے بیٹے سے زیادہ انتہا پسند بن گئے۔ جیل میں خان کے ساتھ غیر معمولی سختیاں کی گئیں مگر جواں مرد نے خنداں پیشانی سے بھیلیں۔ اور اس میں ہی فرقہ وارانہ اتحاد کی اردگرد کے لوگوں میں تبلیغ شروع اور جیل ہی میں قرآن مجید اور گیتا کے نظریات کی وضاحت کئے کئے جماعتیں کھول دیں جہاں خود تسلیم دیتے۔

سب آپ رہا ہوئے تو عدم تعاون اور خلافت کی تحریکیں پورے عروج پر تھیں۔ خان نے ان تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا اس زمانہ میں قومی نعیم کی طرف توجہ کی اور حاجی ترنگ زئی کے ہمراہ تمام سرحدی صوبہ میں قومی مدارس کا ایک جال پھیلا دیا۔

۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی سے صوبہ سرحد کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔ آپ کے بھائی ڈاکٹر خان دست راست تھے۔ چنانچہ خان برادران کی سچی بہیم شہر آور ہوئی۔ تمام صوبہ ان کے ساتھ تھا۔ وہ سرحدی جوتلوار سے کھیلنے والے ٹڈے اور سینہ پر گولیاں کھاتے ہوئے بلا مزاحمت کے جیل

میں چلے گئے۔ عدم تشدد کی پالیسی کا صحیح مظاہرہ سرحد کے
 جوان مردوں نے دکھا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ حکومت کیلئے
 ناقابل برداشت تھا اور صوبہ ان کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔
 خوف و دہشت کا دور دورہ ہو گیا۔ وہاں جو مظالم کئے جا سکتے
 تھے وہ سب روار کھے گئے۔ غرض کہ جبر و تشدد کی داستان
 نون چکان پیشاور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ میں موجود ہے اس
 کمیٹی کے صدر مسٹر وٹھل بھائی پٹیل تھے آپ نے مرکزی اسمبلی
 سے استعفیٰ دے کر تحقیقات کی اور رپورٹ مرتب کی مگر وہ
 حکومت نے ضبط کر لی اور وہ کتابیں جن میں سرحد کے خونی
 حالات تھے وہ بھی بحق سرکار ضبط کی گئیں۔

پھر خان برادران جیل میں وقت گزاری کر رہے تھے
 گاندھی ارون سمجھوتہ کی رو سے خان برادران کو حکومت
 نے رہا کیا۔ مگر ان کا خوف حکام سرحد پر اس قدر غلبہ کئے
 ہوا تھا کہ چند ماہ بعد پھر ان کو گرفتار کر لیا۔

گاندھی جی گول میز کانفرنس کے سلسلہ سے انگلستان گئے
 ہوئے تھے۔ فرنیچر آرڈی ننس نافذ کر دیا گیا۔ اس کی رو سے
 گرفتار کئے گئے تھے۔ مقدمہ چلایا گیا انعام آپ کے خلاف
 ثابت نہ ہو سکا۔ تو یہ کہا گیا کہ دونوں بھائی حاجی ترنگ زئی
 سے مل کر حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنا چاہتے تھے۔

لیکن غیر ملکی حکومت کا مقابلہ جنگجو پٹھان عدم تشدد سے کر رہے تھے اور یہ مظاہرہ حکومت کے الزام کی بہترین پیرایہ میں ترمیم کرتا تھا۔ اس سے تمام ملک میں ہوجان پیدا ہو گیا۔ آپ کے بھائی بہنیں بیٹے اور برادر زادہ۔ غرض کہ آپ کا تمام خاندان آپ کی تقلید میں جیل چلا گیا۔

خان عبدالغفار خاں ہندوستان کے معاصر لیڈروں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں فلسفہ عدم تشدد کے معلم اول ہیں انھوں نے عملی طور پر تمدن اور جنگجوئیوں کو عدم تشدد کی ایسی تعلیم دی جس کی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے اس کے علاوہ رضا کاروں کی تنظیم کی جو سرخ قمیص والے کہلاتے تھے جو فدائی خدمتگار کر کے مشہور ہیں۔

خان کو چند مرتبہ گانگریس کی صدارت پیش کی گئی مگر آپ نے سپاہی رہنا منظور کیا۔ گاندھی جی کے دست راست تھے تقسیم ہند کے مخالف تھے سرحدی صوبہ پر آپ کا کلی اثر تھا۔ وزارت کی تبدیلی پر آپ نے صبر و سکون سے کام لیا۔ پنجاب کی طرح خضر حیات خاں کی پالیسی نہیں برتی گوشہ گیر ہو گئے اور پھر فقیر اسے۔ بی بی پی سے مل کر بھانستان بنانا چاہا جو بے سود رہا۔ ملک کے وفادار ہیں پاکستان میں پیام ہے بڑی سادگی وضع کے ہیں۔ نیک طینت، خلق بڑھا ہوا ہے انقلابوں میں ایک امتیازی درجہ کے حامل ہیں۔

سر آغا سلطان محمد شاہ آغا خاں جی سی ایس آئی

اسمعیلی فرقہ سے تعلق ہے بنی فاطمی ہیں۔ اسلاف عرصہ تک
مصر کے حکمران رہے زوال حکومت پر مشرقی ایران آگئے۔ سر
آغا خاں کے جدی الحسینی عرف آغا حسن علی شاہ کی شادی فتح علی
قاچار شاہ ایران کی دختر سے ہوئی تھی گران میں بغاوت ہوئی
آغا حسن نے سن تدبیر سے فرو کر دیا۔ تو انھیں صوبہ کرمان کا
گورنر کر دیا گیا۔ پھر کچھ سیاسی الجھنوں سے ایران کی سکونت ترک
کر کے افغانستان ہو کر سندھ آگئے۔ جنرل نثر سے تعلقات
ہو گئے۔ بیٹی اور پوتوں میں سکونت اختیار کی۔ گورنمنٹ نے
دس ہزار روپیہ ماہوار کی پنشن دے کر ہر ماہ پنشن کا خطاب
دیا۔ آغا حسن نے ۱۸۸۱ء میں انتقال کیا ان کے خلف آغا علی
شاہ جانشین ہوئے جو بمبئی کے یجسٹیٹو کونسل کے ممبر مقرر
ہوئے۔ فرقہ اسمعیلی کے پیشوا تھے ۱۸۸۵ء میں انتقال ہو گیا۔
ان کے جانشین سر آغا خاں ہوئے۔

ولادت ۱۸۷۵ء میں بمقام کراچی ہوئی اعلیٰ تعلیم حاصل
کی۔ فارسی مادری زبان ہے۔ انگریزی کی اعلیٰ تعلیم مشرقیان کے

کننے سے حاصل کی ۱۸۸۶ء میں ہنری ہائمنس کا خطاب عطا ہوا ۱۸۹۸ء
 میں سی۔ آئی۔ ای ۱۹۰۲ء میں جی۔ سی۔ آئی۔ ای اور دربار وہلی
 ۱۹۱۱ء میں جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے معزز خطابات سے ممتاز
 ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں رائل کراؤن کا پرنسپل آرڈر ملا اور بلنٹ
 اسٹار آف زنجبار کا اعزاز بھی پایا۔ لاکھوں مرید ہیں۔ ہندو بھی
 اس سلسلہ میں ہیں جو شمسی کہلاتے ہیں۔

اگرچہ ان کے قبضہ میں کوئی ملک نہیں مگر مرتبہ اول درجہ
 کے فرمانروا کا تسلیم کیا جاتا ہے۔ گیارہ توپوں کی سلامی دیجاتی ہے۔
 قومی اور ملکی کاموں میں نہایت فراخوصلگی سے چندہ دیتے
 ہیں۔ ہندو یونیورسٹی کو پچاس ہزار روپیہ دیا۔ لندن مسجد فنڈ میں
 مالی مدد دی۔ مسلم یونیورسٹی کے لئے تمام ہندوستان کا
 دورہ کر کے چندہ فراہم کیا ۳۶ لاکھ گرانقدر رقم جمع کی سب سے
 بڑی دلچسپی ہے ۱۹۰۶ء میں آپ کی سرکردگی میں
 آپ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے لئے سپریم کونسل میں جداگانہ
 نیابت کے واسطے لارڈ سنٹو کے پاس وفد گیا۔ آل انڈیا مسلم
 لیگ کے قیام میں بھی آپ کا ہاتھ ہے۔ اس صدر ۱۹۰۶ء
 سے ۱۹۱۳ء تک برابر رہے اور اس ادارہ مالی معاونت
 کرتے رہے۔ چند سال ہوئے تھلوان جواہرات سے ہوا۔
 زیادہ وقت یورپ میں گذرتا ہے مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر ہیں۔

۱۹۱۷ء میں داؤد شاہی کے موقع پر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا تو ہیراٹنس پھر اس کے صدر منتخب ہوئے تھے مگر موصوف کی غیر متوقع عدم شرکت کی وجہ سے خطبہ صدارت نواب عماد الملک سید علی بلگرامی نے پڑھا۔ ۱۹۲۹ء میں بمقام دہلی مسلمانوں کے متفقہ میڈر تھے۔ اسی طرح گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں آپ کل مسلمانوں کے متفقہ اسپوک میں آخر تک رہے۔

امام التمد مولانا ابوالکلام آزاد

فاضل تبحر عالم اسلامی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہندوستان میں بعد مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے دوسری شخصیت اس بلند پایہ کی پیدا نہیں ہوئی۔

محمی الدین احمد نام۔ آبائی وطن دہلی۔ آپ کے والد مولانا خیر الدین جمید عالم اور مولانا فضل حق اور مفتی صدر الدین خاں آزرہ کے ہم صحبت اور ان سے علمی استفادہ اٹھائے ہوئے مشائخ میں ملک کی تباہی و بربادی سے دل برداشتہ ہو کر حجاز چلے گئے۔ ہزار ہا ان کے مرید۔ مولانا ابوالکلام ~~۱۸۸۵~~ ۱۸۸۵ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ حجاز و جامع ازہر مصر میں تعلیم پائی

پندرہ سال کی عمر میں جید عالم ہو گئے۔ یہ موروثی اثر تھا۔ کیونکہ آپ کا خاندان صدیوں سے گوارہ علم و فضل رہا۔ اکبر اعظم کے عہد میں شیخ جمال الدین اور جابگیر کے عہد میں شیخ محمد زبردست عالم و صوفی گزرے ہیں۔ شاہجہاں حضرت شیخ محمد سے مشرف بیعت تھا۔ مولانا کے نانا مولوی منور الدین شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کے عہد میں وزیر تعلیمات تھے۔ مولانا خیر الدین نے ۱۹۰۷ء میں ہندوستان آکر انتقال کیا۔ مولانا نے ہندوستان آنے کے بعد کلکتہ میں بودوباش اختیار کی کچھ عرصہ وکین اخبار کو مرتب کرتے رہے پھر رسالہ ندوہ کی ایڈیٹری کی۔ مولانا شبلی نعمانی کی علمی صحبت سے استفادہ کیا۔

۱۹۱۲ء میں ایک اردو جریدہ اللہلال نکالا۔ اس اخبار نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ صحافت میں نئی راہ پر اخباریں رہا تھا۔ خواص تو خواص عوام تک اللہلال سے اثر پذیر ہو رہے تھے۔ قرآن مجید سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اور مسلمانان ہند میں سیاسی بیداری ہونے لگی۔ انگریزی حکومت بے چین ہو گئی۔ شہر کے بعد سے مسلمانوں کو اپنے کارندوں کی معرفت جس رنگ میں رنگا تھا اس کے پرچہ اڑانے لگے۔ اوجہ جنگ عظیم کا نشانہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ حکومت کے لئے موقع تھا قانون دفاع ہند نافذ کر دیا گیا۔ اس وقت فرق اللہلال ہی ایک ایسا

اخبار تھا جو بدستور حکومت کی حکمت عملی پر بلا خوف و خطر نکتہ چینی کر رہا تھا۔ سرکاری راستے کے ترجمان اخبار پابلیشر آلہ آباد کو اللہ لال کی تحریروں نے جو اس پاختہ کر دیا، دارالعوام میں استفسارات کئے گئے۔ آخر کار جو پیدہ کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔ اور دس ہزار روپیہ کی نئی ضمانت مانگی گئی۔ اللہ لال بند ہو گیا۔ آپ نے دوسرا اخبار البلاغ جاری کر دیا۔ اس سے حکومت کے صبر کا پیمانہ بے ریز ہو گیا۔ پنجاب، دہلی، صوبجات متحدہ، سی۔ پی اور بمبئی اور آپ کے صدر دفتر بنگال میں پانچ کی ضمانت کر دی گئی۔ انجام کار ۱۹۱۱ء میں راجھی (بہار) کے مقام پر نظر بند کر دیا۔ اور مولانا پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اس واقعہ نے مولانا کی طاقت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور مسلمانوں میں اس سے انقلابی سرگرمی بڑھ گئی۔ نظر بندی کے چند ہی ماہ بعد کانگریس اور مسلم لیگ میں بھونٹہ ہو گیا۔ اور اس سال لکھنؤ کا مشہور کانگریس مسلم لیگ بھونٹہ مرتب کیا گیا۔

چار سال نظر بند رہے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں رہا کر دیے گئے۔ خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ شہزادہ ویلز کی آمد ایران کے مقاطعہ کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ اور جنوری ۱۹۲۱ء کو سی۔ آر۔ داس کے ساتھ دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ ایک سال کی قید ہوئی ۱۹۲۳ء

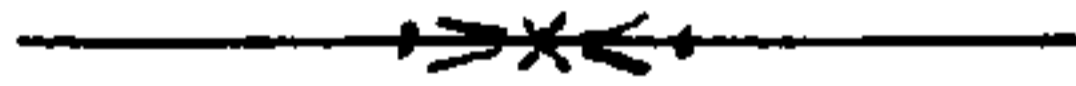
کے اوائل میں رہا ہوئے۔ انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کر لیا۔ اس سال ستمبر میں کانگریس کے خاص اجلاس دہلی کی صدارت کی۔ عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔ آپ سے پیشتر کوئی رہنما اتنی عمر میں اس بلند پایہ جماعت کا صدر نہیں بنا۔ کانگریسی صدارت میں بلند ترین حیثیت حاصل رہی۔ اور ہندو مسلمانوں کے متحدہ ہندوستان کے علمبردار رہے۔ ۱۹۲۱ء سے گاندھی جی کے سرگرم معاون اور دوست رہے۔ معمر سیاستدانوں میں آپ سب سے زیادہ انتہا پسند ہیں اور ان میں آپ سب سے زیادہ سماجی فلسفہ کو سمجھتے ہیں۔ "تشکیلی دولت بھارت پر آپ وزیر تعلیم بنائے گئے۔ آج تک اس عہدہ پر ممتاز ہیں۔"

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

ڈاکٹر سیف الدین کچلو ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ کالج میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی اور بعد ازاں انگلستان جا کر دارالعلوم کیمبرج اعلیٰ تعلیم حاصل کی بیرسٹری کی ڈگری بیکر جرمی گئے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی فلسفہ میں کیا۔ چھ ماہ

فرانس میں رہے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان آئے۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں سنٹیہ گروہ کی مشہور تحریک شروع ہوئی اور امرتسر میں بھی رولٹ بل کے جلسے ہوئے ان کو کامیاب بنانے میں آپ پیش پیش تھے۔ تحریک خلافت سے متاثر ہو کر ہیر سٹری ترک کی۔ قومی کاموں میں لگ گئے۔ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے سکریٹری منتخب ہوئے اور مولانا شوکت علی اور مہاتما گاندھی کے ہمراہ تمام ملک کا دورہ کیا۔ پنجاب میں سیاسی اُٹنگ کے باعث آپ ہی ہیں۔

آپ کی تقریروں نے نملکہ چا دیا تو حکومت نے زبان بندی کر دی۔ پھر ماہ ستمبر ۱۹۲۱ء میں علی برادران پر مقدمہ چلا تو اس سلسلہ میں شملہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ کراچی کی عدالت میں بغاوت کا مقدمہ ان پر چلا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں دو سال قید مشقت کی سزا دی گئی۔ اس وقت سے ۱۹۴۷ء تک ملک کی تحریک میں برابر شریک رہے۔ اب گوشہ گیر ہیں۔ دائرہ معارف قرآنیہ آگرہ کے رکن ہیں۔



مولانا حسین احمد مدنی

مولانا حسین احمد بانگر مؤلف اناؤڈ میں ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن ٹانڈا ہے ۱۳ سال کی عمر میں دیوبند آئے اور مولانا محمود الحسن کی خدمت میں رہے جنوری ۱۹۱۷ء سے مارچ ۱۹۲۱ء تک مالٹا میں امیر فرنگ رہے۔ کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔ ایک عرصہ تک مشغلہ مسجد نبوی میں درس و تدریس کا رکھ۔ جمعیتہ العلماء ہند کے اجلاس ۱۹۲۳ء کے صدر منتخب ہوئے۔ مدنی فارمولا ۱۹۲۵ء میں آپ نے پیش کیا۔ جس کو سر کرپس نے سراہا۔ مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنا کر مسلم لیگ کے الگشن کو کامیاب بنایا۔

زبردست محب وطن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ۹ مئی ۱۹۲۷ء کے جمعیتہ العلماء کے صدر منتخب ہوئے پھر چار سو نائندے شریک ہوئے۔ بمبئی کے اجلاس ۱۹۲۸ء کی صدارت کی۔ آج بھی قوم کی قیادت فرما رہے ہیں

نواب محمد اسماعیل خاں پارلیٹ لا

نواب حاجی محمد اسحاق خاں پنشنر ڈسٹرکٹ وکیشن جج کے صاحبزادہ اور نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی تعلقہ دارجاگیر آباد کے پوتے نواب اسحاق خاں ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت زیر نگرانی مولانا عالی ہوئی۔ آگرہ کالج سے امتحان انٹرنس پاس کیا اول درجہ پاس ہوئے۔ ڈسٹرکٹ جج وکیشن جج کے عہدہ سے پنشن لی۔ ۱۸۹۶ء میں رام پور میں مدار الملہام ہوئے ۱۹۱۱ء میں جج کیا۔ ۱۹۱۳ء میں آنریری سکریٹری کالج ہوئے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس علی گڑھ کے صدر ہوئے۔ کلیات امیر خسرو کی نشر و اشاعت آپ کا علمی کارنامہ ہے۔ مسجد کالج کی موجودہ ترمین اور درستی آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی ۱۹۱۷ء میں حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال ہوا۔

نواب اسماعیل خاں ۱۸۸۶ء میں بمقام آگرہ ماشاء اللہ خاں سول سرجن خان بہادر کے مکان واقع گلی حکمان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم محمدن کالجیٹ اسکول میں ہوئی۔ ولایت گئے بیرسٹر

ہو کر آئے مگر وکالت کے پیشہ پر قومی خدمت کو ترجیح دی۔ عرصہ تک اسمبلی کے ممبر رہے۔ صوبہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ مسلم رہنمایان قوم میں آپ ہی ایک ایسے بزرگ ہیں جن کا دامن ہر قسم کی آلائش سے پاک و صاف رہا۔ درجنوں کانفرنس اور جلسوں کے صدر رہے۔ ایک عرصہ تک آنریری ٹریژرر مسلم یونیورسٹی رہے پھر پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی رہے یہ سب میں قیام ہے۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید ہلوی

مولانا خواجہ یوسف ہمدانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے بزرگ کشمیر سے دلی آئے۔ ابتدا میں گوٹہ کناری کی تجارت مشغول تھا۔ رسمی تعلیم پائی تھی مگر مفتی کفایت اللہ کے درس میں بیٹھ کر درسیات کی تکمیل کی۔ وعظ گوئی میں کمال ہے سحرالبیان ہیں۔ جمعیتہ العلماء کی تشکیل آپ کی ہی سعی کا نتیجہ ہے۔ ایک زمانہ تک اس کے ناظم اعلیٰ رہے پھر نائب صدر رہے۔ ۹ بار جیل بھگتی۔ تحریک آزادی میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے جیل میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جنت کی کنجی۔ دوزخ کا کھڈکا بڑی معقول کتابیں ہیں۔ کلام پاک کا ترجمہ فصیح زبان میں کیا ہے۔

موترا المصنفین بھی قائم کی۔ سیکھنے میں فسادات کے موقع پر مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں۔ کانگریس سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ آج بھی قوم کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ راقم سطور سے بے حد مانوس تھے۔ اور خصوصیت سے مدارات فرماتے۔ آپ کی سوانح عمری مرتب کر کے مولوی محمد سعید صاحب ملک دینی بک ڈپو دہلی کو ۱۹۵۵ء میں دے آیا ہوں۔ اب بہت ضعیف ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ سلامت رکھے مولانا کا دم مفتنات سے ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاری

سیوہارہ ضلع بجنور میں ۳ جنوری ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے علوم شرقیہ کی تعلیم دیوبند میں پائی۔ انگریزی تعلیم بقدر ضرورت پرائیویٹ حاصل کی۔ تین سال دارالعلوم میں درس پھر تبلیغی مشق پر مدراس گئے۔ ایک سال بعد جامعہ اسلامیہ داہمیل ضلع سورت میں آگئے اور وہاں حدیث و تفسیر کے پروفیسر کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں سے آپ کو کلکتہ بلا لیا گیا اور انجمن دعوت تبلیغ کا ناظم مقرر کیا جو مولانا ابوالکلام

آزاد کی زیر سرپرستی قائم تھی۔ دو سال اس کے فرائض انجام دیئے مگر آپ کو ملکی سیاست سے دلی لگاؤ تھا۔ عملاً بھی شریک تھے۔ پہلی بار آپ رولٹ ایکٹ کے ماتحت گرفتار ہوئے پھر نیک کے سلسلہ میں جیل ہوئی۔ مولانا آزاد کے ہمراہ جیل میں رہے سات ماہ کی قید دھائی سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی تھی ۱۹۳۱ء میں جمعیتہ العلماء ہند کی مجلس عاملہ میں لئے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے ۱۹۴۲ء میں دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت گرفتار کیا گیا۔ مراد آباد اور بربلی جیل میں رکھے گئے۔ اس کے بعد جمعیتہ العلماء ہند کے سکریٹری یو۔ پی۔ پراونشل کانگریس کمیٹی کے نائب صدر اور دستور ساز کی اقلیتی کمیٹی کے رکن ہوئے۔

۱۹۴۷ء کے فسادات میں بڑی خدمات انجام دیں اس سے قبل آپ کا مشغلہ تصنیف و تالیف کا بھی رہا ندوۃ المصنفین کے مقدر رفقا سے ہیں۔ قصص القرآن۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے آپ مصنف ہیں آج بھی آپ جمعیتہ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے قومی و ملی کاموں میں منہمک ہیں۔ آپ کے مخصوص احباب اور رفیق کارمندی عتیق الرحمن ناظم ندوۃ المصنفین دہلی اور مولوی سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے۔ پرنسپل ونرلی کالج کلکتہ ہیں۔ راقم سطور کو بھی عرصہ سے آپ کے رفقا میں شامل ہونے کا فخر ہے۔

مفتی عتیق الرحمن عثمانی

بانی ندوۃ المصنفین دہلی

مفتی صاحب ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے مفتی عزیز الرحمن مفتی اعظم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں علمی ماحول میں آنکھ کھولی دارالعلوم میں درسیات کی تکمیل کی۔ جمعیتہ الطلبة کے عظیم الشان نظام کی بنیاد ڈالی جس نے ملکی سیاسی تحریکوں میں بالخصوص خلافت کے دور میں شاندار کارنامے انجام دیئے۔ ۱۹۲۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ کچھ عرصہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دی اور ۱۹۳۳ء میں دارالافتا میں باقاعدہ طور سے لے لے گئے۔ جب دارالعلوم کے نظام میں اصلاح نظم کی تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے نمایاں طور پر اس میں حصہ لیا اور زبردست خدمات انجام دیں اس کے بعد جامعہ ملیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے جہاں پانچ سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور ساتھ ہی عمدہ افتا بھی ان سے ہی متعلق تھا۔ موصوف شروع ری سے آزادی کی تحریک سے وابستہ رہے آپ نے دلی آکر ۱۹۳۸ء میں ریسرچ اکیڈمی ندوۃ المصنفین

لام سے قائم کی جس کے رفقاء نے ملک میں صحیح لٹریچر پیش کیا۔
 مفتی صاحب کے رفیق کاروں میں مولانا حفظ الرحمن مولانا سعید
 احمد اکبر آبادی ایم۔ اے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ازراہ قدردانی
 قائم کو بھی اپنی جماعت میں منسلک کر لیا ہے۔ اس ادارہ سے
 ۶ کے قریب بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

رفقاء ندوۃ المصنفین

مولانا حفظ الرحمن۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ انتظام اللہ
 مابی اکبر آبادی۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی۔ مولانا بدر عالم
 زنی۔ مولانا محمد ظفر الدین۔ مولوی محمد تقی۔ ڈاکٹر میروالی الدین
 ایم۔ اے۔ مولانا عبدالرزاق بیچ آبادی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔
 استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی۔ قاضی زین العابدین۔ مولانا سعید
 ناظر حسن گیلانی۔ مولوی علیم الدین صدیقی۔ مولوی عبدالرحمن خاں
 مداحیدر آباد اکیڈمی و سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ سعید
 بازالدین رفعت ایم۔ اے لکھنؤ اورنگ آباد کالج۔ ڈاکٹر
 لام ربانی۔ ایم۔ اے۔ مولوی سید منت اللہ شاہ رحمانی۔ مولانا
 راجہ عبدالحمی فاروقی استاد تفسیر جامعہ ملیہ دہلی۔ اسرار احمد
 صاحب آزاد۔

مولانا محمد میاں مراد آبادی

جمعیتۃ العلماء ہند کے ناظم مولانا سید محمد میاں مراد آبادی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں۔ پہلے مدرسہ شاہی مراد آباد میں مدرس تھے۔ جمعیتۃ العلماء کے دوسرے بزرگوں کی طرح آپ بھی کئی بار آزادی وطن کے لئے قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر چکے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ علمائے حق آپ کی گراں قدر مطبوعات ہیں۔ آپ جمعیتۃ العلماء ہند کے شعبہ نشر و اشاعت کے انچارج اور انچارج الجمعیت کے نگران ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ

شیخ محمد عبداللہ جنہیں عام طور پر شیر کشمیر کے لقب سے پکارا جاتا ہے اس تحریک آزادی کے روح رواں ہیں جس کی وجہ سے کشمیر میں انقلاب پیدا ہوا۔ آپ نسور نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے آپ

بچپن سے ہی اپنے آبائی پیشہ یعنی مثالوں کی تجارت سے کود چھپی نہ تھی اس لئے آپ نے تعلیم کو ترجیح دی۔ آپ نے جموں کالج سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور ڈگری کی تعلیم کے لئے لاہور چلے گئے۔ ایام طالب علمی میں بھی آپ نے اپنے ملک کی سیاست اور اقتصادی مسائل کے مطالعہ میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ کو گورنمنٹ ہائی اسکول میں وائس ماسٹر کی آسامی مل گئی۔ لیکن نئے آدرشوں کی گرفت میں اور اپنے عوام کی ناگفتہ حالت کے گہرے احساس سے آپ نے ایسے اشخاص کی تلاش شروع کی جو آپ کے آدرشوں آپ کے شریک ہو سکیں۔ آپ نے اپنے دلائل لاثانی طاقت سے اپنے دوستوں کا ایک گروہ بنانے میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی۔ پوسٹروں، اشتہاروں اور خطبہ میٹنگوں سے جو مہم شروع کی گئی اس نے عوام کی توجہ اپنی طرف منقط کرادی۔

اس کے بعد ہی آپ نے مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی اور ریاست میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے لئے باقاعدہ مہم شروع کی ۱۹۳۱ء میں شیخ عبداللہ اور ان کے کچھ رفقاء کار گرفتار کر لئے گئے۔ جس سے ریاست بھر میں حکومت کے خلاف عام ناراضگی کی لہر پھیل گئی۔ لیڈوں کو ۲۱ دن کے بعد رہا کر دیا گیا۔ آپ نظر بند ہیں۔

۱۹۳۵ء میں آپ کی قیادت میں مسلم کانفرنس نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہوئی گئی۔ آپ ۱۹۳۵ء میں پھر گرفتار کر لئے گئے مگر ۱۹۳۶ء میں رہا ہوئے۔

آپ خواب غفلت میں مدہوش عوام کو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ذمہ دار حکومت کا مطالبہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ اور اسے محسوس کرتے ہوئے حکومت نے ایک قسم کی اصلاحات نافذ کیں جن میں عوام کے دو نمائندوں کو بھی کیبنٹ میں مدعو کیا۔ لیکن تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ کیبنٹ سے نیشنل کانفرنس کے نمائندوں کے استعفا سے ریاست بھر میں اس تحریک نے سراٹھایا اور شیر کشمیر کا نام دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور کر دیا۔ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ کے تقسیم کرو اور چلے جاؤ کے فیصلے نے ہندوستانی ریاستوں کے مستقبل کا الجھا ہوا مسئلہ پیدا کر دیا۔

شیخ عبداللہ چاہتے تھے کہ اس مسئلہ کا حل لوگ آزاد ہو کر خود کریں۔ لیکن بغیر کسی تاخیر کے قبائلی لوگوں کے گرد کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ لہذا شیخ عبداللہ کی زبردہ ہنائی نئی پاپولر حکومت قائم کی گئی۔ اور وہ پاکستان سے تعلق رکھنے کے بجائے حکومت ہند سے گھٹ گئے۔ اس کا ثمر یہ ان کو ملا کہ آج نظر بند ہیں ان کی بدولت کشمیر کے دو حصے ہوئے اور اہل کشمیر مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔

عالی مرتبت فضل الرحمن مشرقی پاکستان کے اکابر سے ہیں انگریزی اعلیٰ تعلیم پاکر وکالت پاس کی۔ ملک کی آزادی میں آپ کی خدمات پیش پیش ہیں پاکستان میں ایک عرصہ تک وزیر تعلیم رہے۔ آپ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے صدر ہیں۔ علمی کاموں سے شغف ہے۔

چودھری خلیق الزماں

چودھری صاحب کی عمر کا بڑا حصہ سیاست بلکہ میں گذرا ایک عرصہ تک لکھنؤ میونسپل بورڈ کے چیرمین رہے۔ کانگریسیوں میں داخل ہوئے تو سکریٹری کے فرائض انجام دیتے مسلم لیگ میں شرکت کی تو انہوں نے اور نور سنیل غاں نے قائد اعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کو بلند مقام پر پہنچا دیا جب پاکستان کی تشکیل ہوئی تو لیگ کے صدر رہے پھر بنگال کے گورنر ہو گئے اب انڈونیشیا کے سفیر ہیں۔ پاکستان کی تعمیر میں آپ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

مسٹر دادا بھائی نوروجی

مسٹر دادا بھائی نوروجی نو ساری کے رہنے والے تھے ان کے بزرگوں کو اکبر اعظم نے جاگیر دی تھی۔ دادا بھائی ۲۴ ستمبر ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۵ء میں انگریزی اسکول میں داخل ہوئے۔ کامیابی کے بعد ۱۸۵۲ء میں انفسٹن کالج میں ریاضی کے پروفیسر ہو گئے۔ نیو جنرل لائبریری۔ اسٹوڈنٹس لٹریچر ایڈسائٹنگ سوسائٹی قائم کی پاریسی لڑکیوں کے لئے اسکول قائم کیا۔ ایسے بہت سے کام کئے۔ ۱۸۵۸ء میں گجراتی میں اخبار نکالا۔ ۱۸۹۶ء میں انتظام ہند اور ہندوستانیوں کی مفلسی میں انھوں نے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن بمبئی قائم کی۔ برودہ ریاست کی اصلاحات پر حکومت کو توجہ دلانی۔ ۱۸۵۵ء میں نیشنل کانگریس کے اجلاس بمبئی میں حصہ لیا۔ ۱۸۸۶ء میں پارلیمنٹ میں ممبر منتخب ہوئے اس کے بعد سیاست ملک میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے۔

لوکمانیہ تلک

تلک کا پورا نام بال گنگا دھر تلک تھا اور بال بھی بلونت راؤ کا مخفف ہے۔ گنگا دھران کے پتا کا نام تھا۔ ہمارے سٹرکے رواج کے بموجب بیٹے کے نام کے بعد باپ کا بھی نام شامل کر لیا گیا بلونت راؤ کو چونکہ گھر پر محبت میں بال کہا جاتا تھا اس لئے وہ بال ہی مشہور ہو گئے۔ پتا سنسکرت کے عالم تھے۔ انھوں نے ان کو بھی سنسکرت کی اچھی تعلیم دی۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا بیٹا بھی سنسکرت کا نامی پنڈت ہو یہ کیا معلوم تھا کہ میری شہرت تو صرف ہمارے ریشٹر میں ہے مگر یہ لڑکانہ صرف تمام ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی نام پیدا کرے گا۔

بلونت شروع سے ہی ہٹیلہ تھا۔ ماسٹروں سے بھی ان کی دن بن ہوئی۔ لڑکوں کی ایک پارٹی بنائی اور اس کی بھی رہنمائی کرنے لگا۔ یہ لڑکانہ۔ اسے پاس کرنے کے بعد بال گنگا دھر تلک کے نام سے مشہور ہوا اور اسی تلک کو بیسویں صدی میں لوکمانیہ تلک کہنے لگے۔

تلک نے وکالت پاس کی مگر پیشہ وکالت پسند نہ آیا۔

پیش سیوا کا خیال شروع سے ہی طبیعت میں یبدا تھا۔ اس نے ایک قومی اسکول قائم کیا جس نے رفتہ رفتہ فرگوسن کاروپ اختیار کیا جس میں یہ سنسکرت اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک وکیل سے زیادہ ایک پروفیسر تھے ایک پروفیسر سے کہیں زیادہ ایک ایڈیٹر مرہٹی میں ان کا اخبار کیسری اور انگریزی میں مرتبہ نکلتا تھا۔ دونوں نے وہ شہرت حاصل کی کہ ہندوستان میں ان سے پہلے کسی اخبار نے حاصل نہیں کی تھی۔ پہلے مسٹر اگر کر ان کے شریک کار تھے لیکن بعد کو اختلاف رائے پیدا ہو جانے سے وہ الگ ہو گئے۔ یہ اختلاف اس بات پر تھا کہ سماج سدھارہ کو تلک ہمارا راج دھار مک ادھار پر کرنا چاہتے تھے اور پروفیسر اگر کر خالص مادی بنیاد پر تلک ہمارا راج اس سوشل کانفرنس کے اجلاس کے بھی خلاف تھے جو ہر سال کانگریس کے اجلاس کے بعد اسی کے پنڈال میں ہوا کرتا تھا۔ ایک بار تو وہ کانگریس کے اجلاس میں بھی اسی خفگی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔

کیسری اور مرہٹہ اس دور میں آزاد لوہیسی کر کے محفوظ کیسے رہ سکتے تھے۔ ان پر دیوان صاحب بڑودہ اور دیوان صاحب کو لھا پور کی کڑی نظریں پڑیں۔ اس کے رویہ پر ان اخباروں میں زبردست نکتہ چینی کی جا رہی تھی۔ اخباروں پر مقدمہ چلاتا تھا ہمارا راج کو کافی پریشانی ہوئی۔ مگر بالآخر بری ہو گئے اس اثنا میں

کیسری اور مرہٹہ کی شہرت اور زیادہ بڑھ گئی اور ہمارا اثر کے
گھر گھر میں کیسری کا اخبار پڑھا جانے لگا۔

۱۹۸-۹۷ء میں صوبہ بھی میں پلیگ پھیلا۔ سرکاری افسروں
نے جو انسدادی تدبیریں اختیار کیں ان سے عوام کو بہت
پریشانی ہوئی۔ مسٹر تلک نے عوام کی ہمدردی اور ناپیدگی ر افسروں سے
مکملی اور آخر انھیں سزا ہو گئی۔ قید کے زمانہ میں انھوں نے
اپنی مشہور زمانہ کتاب اورینٹل لکھی۔ پروفیسر سیکس مورسنے لکھ وکٹوریہ
کو لکھا کہ اتنے بڑے عالم کا قید رکھنا ٹھیک نہیں۔ چنانچہ تلک ہمارے
ڈیڑھ سال میں سال بھر کی سزا کاشنے کے بعد رہا ہو گئے۔

ایک اور مقدمہ ذاتی طور پر مسٹر تلک ٹریبون کے خلاف
چلایا گیا جو ایک ٹرسٹ کی جائداد کے بارے میں تھا۔
اس مقدمہ کی تہ میں سیاسی سازش کام کر رہی تھی۔ دعویٰ دائر
کرنے والی عورت تو محض آلہ کار کی حیثیت رکھتی تھی ابتدائی
عدالت سے تو تلک ہمارا ج کو سزا ہو گئی۔ مگر اپیل پر ہائیکورٹ
سے بری ہو گئے۔

تلک ہمارا ج انتہا پسند تھے وہ کانگریس کو بھی انتہا پسند
بنانا چاہتے تھے۔ سورت کانگریس ۱۹۰۷ء میں ہوئی تھی
ڈاکٹر سر راجن بہاری گھوش صدر چنے گئے مسٹر تلک نے کا دھم
انتخاب کے طریقہ کے خلاف تھے۔ انھوں نے مخالفت میں

آواز بلند کرنی چاہی۔ اجازت نہیں ملی یہ زبردستی پلیٹ فارم پر چڑھ گئے۔ جلسہ میں ہنگامہ ہو گیا۔ کچھ ایسی باتیں بھی ہوئیں جو نہ ہونی چاہئے تھیں۔ آخر اجلاس میں ہنگامہ مچ گیا۔ اور اجلاس آئندہ سال کے لئے ملتوی ہو گیا۔

آئندہ سال ۱۹۰۸ء میں ملک ہمارا جگہ کو بغاوت کے جرم میں ۶ سال قید سخت سزا ہو گئی۔ کیونکہ انھوں نے دو انگریزوں کے قتل پر یہ لکھا تھا کہ اس کے لئے انگریز کا رویہ ذمہ دار ہے۔ فیصلہ احتیاطاً دس بجے رات کو سنایا مگر اس وقت بھی ہزاروں کا اثر دھام تھا۔

قید میں گیتا کی تفسیر لکھی ۱۹۱۵ء میں کتاب شائع کی لارڈ ونگڈن نے پہلی جنگ کی وار کانفرنس کی اس سے واک آؤٹ کیا۔ ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے کانگریس اجلاس میں شرکت کی۔ جہاننا گاندھی اور ان میں اختلاف ہو گیا تھا۔ یکم اگست ۱۹۲۰ء کو انتقال ہوا۔

پنڈت موتی لال نہرو

پنڈت موتی لال نہرو ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ بڑے بھائی نند لال نے پرورش کی۔ اصل کشمیری خاندان کول ہے، لیکن چونکہ دہلی میں نہر سعادت خاں کے کنارے رہتے تھے اس لئے نہرو کہلائے اور اب نہرو خاندان تمام دنیا میں مشہور ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے تعلیم کے بعد کچھ دنوں کانپور میں اور اس کے بعد الہ آباد میں وکالت شروع کی یہاں ان کی وکالت ایسی چمکی کہ ہندوستان کے صف اول کے وکیلوں میں شمار ہونے لگا اور پنڈت سندھ لال کی رحلت کے بعد الہ آباد میں کوئی وکیل ان کی ٹکر کا نہ رہ گیا۔ آمدنی بھی شاہانہ تھی اور حرج بھی۔ کچھ توڑتے ہی بڑے ٹھاٹ سے تھے کچھ لوگوں نے اور بھی ان کی شاندار زندگی کے متعلق افسانے مشہور کر دیئے بیسویں صدی کے شروع میں الہ آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا اس میں ایک اعتدال پسند کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ لیکن کانگریس میں علی دہسپی سال ۱۹۱۶ء سے یعنی شروع کی۔ جب لکھنؤ میں کانگریس کا وہ تاریخی اجلاس ہوا تھا

جو آج تک کانگریس لیگ معاہدے اور انتہا پسند اور اعتدال پسند عناصر کے میل کے لئے مشہور ہے۔ ۱۹۱۶ء میں پنڈت موتی لال نہرو نے یو۔ پی۔ پرائونٹس کانگریس کی صدارت کی اور ۱۹۱۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس امرتسر کی صدارت فرمائی یہ اجلاس نہ صرف اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اسی سال امرتسر میں ہلیا لوزالہ باغ کا حادثہ ہو چکا تھا اور پنجاب کی سر زمین مارشل لا کے مظالم سے دوچار ہو چکی تھی بلکہ اسی اجلاس نے گاندھی جی کو ہندوستانی سیاست کا رہنمائے اعظم بنا دیا۔ ۱۹۲۱ء میں کانگریس نے تحریک ترک موالات کی اور ۱۹۲۱ء میں پنڈت جی کو پرش آف ویلز کی آمد کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں سزا ہو گئی ۱۹۲۲ء میں ان کے باہر آنے پر ملک کا نقشہ بدل چکا تھا پنڈت جی اور مشر سی۔ آ۔ داس نے مل کر سوراج پارٹی چلائی۔ چودھری خلیق الزماں پنڈت جی کے اسسٹنٹ تھے۔ کانگریس کو اس سے اختلاف ہوا۔ ۱۹۲۲ء کی گیا کانفرنس میں زور آزمائی ہوئی پنڈت جی کی پارٹی کو شکست ہو گئی۔ کشمکش چلتی رہی۔ آخر ۱۹۲۳ء میں مولانا آزاد کی صدارت میں دہلی میں کانگریس کا اسپیشل اجلاس ہوا اور اس میں دونوں پارٹیوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ پنڈت موتی لال نہرو مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے صدر ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء میں انھوں نے اتحاد کانفرنس میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء کے

انتخاب میں مالوی جی اور پنڈت موتی لال نہرو کی پارٹیوں میں مقابلہ ہوا کیونکہ مالوی جی نے کانگریس نیشنلسٹ پارٹی بنائی تھی اور لالہ لاجپت رائے پنڈت موتی لال نہرو کی سوراہ پارٹی سے نکل کر کانگریس نیشنلسٹ پارٹی میں چلے گئے تھے۔ الیکشن میں پنڈت موتی لال نہرو کی پارٹی کو اچھی کامیابی ہوئی۔ لیکن تمام صوبوں میں سے صرف سی۔پی میں اس کی اکثریت ہو سکی۔

۱۹۲۶ء میں مدراس کانگریس ہندوستان کے لئے ایک نمونہ کا آئین بنانے کے لئے پنڈت جی کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے ۱۹۲۶ء میں اپنی رپورٹ مرتب کر لی جو کلکتہ کے اجلاس کانگریس سے منظور ہو گئی۔ آل پارٹیز کانفرنس میں مسٹر جناح نے چار ترمیمیں پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں۔ مسٹر جناح برداشتہ خاطر واپس آئے اور جب سے ان کی برہمی بڑھتی ہی گئی حتیٰ کہ واقعات نے پاکستان کی صورت اختیار کر لی۔

۱۹۲۹ء میں چونکہ پنڈت جی اور لال نہرو کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تو پنڈت موتی لال نہرو نے انھیں صدارت کا چارج دیتے ہوئے فرمایا کہ :-

اگر پدرنموتواند پسر تمام کند

پنڈت جی اور لال نہرو نے اسے پوڑ کر دکھایا۔

۱۹۳۳ء میں پنڈت موتی لال نہرو نیک ستیہ گروہ کے سلسلہ

میں گرفتار ہوئے۔ جب وہ جیل میں تھے تو حکومت نے سر
تیج بہادر سپرو کے ذریعہ صلح کی بات چیت کی۔ فیٹی جیل سے پنڈت
جی برووہ جیل لے جاتے گئے۔ جہاں گاندھی جی سے ان کی
بات ہوئی۔ لیکن معاملہ طے نہ ہوا۔ پنڈت جی بیمار ہو کر جیل سے
نکلے۔ گول میز کانفرنس کے پہلے اجلاس کے خاتمہ پر مسٹر ہیزے
میکڈانلڈ نے کانگریس سے تعاون کی اپیل کی۔ پنڈت جی نے بستر
علالت سے اس کا جواب دیا جس پر کانگریسی لیڈر چھوڑ دیئے گئے
اور آخر گاندھی ارون سمجھوتہ ہو گیا۔ لیکن اس سمجھوتہ سے پہلے ہی
پنڈت جی ۶ فروری ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔

پنڈت موٹی لال نہرو قانون دانی میں شہرہ آفاق بخونی میں
ضرب المثل۔ آزاد خیالی میں آپ اپنی مثال، خودداری کا مجسمہ
مزاج کے تیز۔ بذلہ سنجی کے ماہر۔ فنون لطیفہ کے ولداوہ۔ روپیہ
کی قدر سے بے نیاز اور دیش بھگتی میں لگن تھے۔



پنڈت چیت پاؤن دامودر

چیت پاؤن براہمن دامودر پونا کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک مرہٹہ پارٹی بنائی ان کے شریک بال کرشن تھے۔ جسمانی اور فوجی تربیت اس جماعت کا مقصد تھا ۱۸۹۵ء میں سیوا جی کی برسی بڑے پیمانہ پر منائی گئی۔ یہ طریقہ مرہٹوں میں زندگی کو ابھارنے اور حریت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔ دامودر منچلا نوجوان تھا اور سیاسی سرگرمی دکھانے میں پیش پیش تھا۔ حسن اتفاق لفٹنٹ ایرسٹ اور مسٹر رزید ۲۲ جون کو ملکہ وکٹوریہ کی تابپوشی کے جلسہ سے آ رہے تھے۔ اس نے لفٹنٹ کو قتل کر دیا۔ اس جرم میں دامودر رکھ لیا گیا اور مقدمہ چلا یا گیا اور ڈبل قتل کا مجرم قرار دے کر سزا دیدی گئی اور اس کے بعد ان کی کمیٹی کے چار ممبروں کو سزائے موت دی گئی۔

بنکم چٹرجی

بنکم چٹرجی وطن پرست شخص تھے۔ حاجی محسن منڈ سے
وظیفہ پا کر بے اسے کہا انگریزوں سے وہ مانوس بنے تھے ان کی
کوشش سے ایک جماعت سنیاسیوں کی بنگال میں قائم ہوئی
ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے۔
ہندے ماترم کے نعرے کے ساتھ مسلمانوں پر بھی ہاتھ صاف
کر جاتے انھوں نے ظاہرہ مسلمان آبادیوں پر حملہ کیا۔ مگر
باطنی صورت ملک کو آزاد کرانا تھا۔

جے پرکاش

جے پرکاش سینٹاب دیارا ضلع سارن بہار کے رہنے والے
آپ کے والد کسان تھے جو عزت سے زندگی گزار رہے تھے۔

۸۳ تاریخ و طہیت صفحہ ۸۳

تعلیم اور ترقی میں خود ان کی ذاتی سعی کو زیادہ دخل ہے۔ کالج کا
 وظیفہ ترک مولات کی بنا پر ترک کیا اور اکتوبر ۱۹۲۲ء میں آپ
 کیلیفورنیا پہنچ گئے۔ یونیورسٹی کے کھلنے میں تین ماہ باقی تھے۔
 آپ نے ایک باغیچہ میں کام کرنا شروع کیا۔ انگوروں۔ آرووں۔
 خوبانیوں اور باداموں کے باغیچہ میں بہت رات گئے ایک محنت و
 مشقت سے کام کرتے ۱۴ روپیہ روزانہ اجرت مل جاتی۔ اسی
 ڈالر ایک ماہ میں جمع کر لئے۔ پھلوں کا موسم ختم ہوا تو آپ
 یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے چلے گئے۔ وہاں علیحدہ کمرے کر رہنے
 لگے۔ کھانا اپنا خود پکالتے۔ ایک سال کیلیفورنیا میں تعلیم بسر کر کے
 ایٹوایونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ پھر سکونسن یونیورسٹی میں چلے
 گئے یہاں آپ کے خیالات میں تغیر پیدا ہوا اور کٹر اشتراکی بن گئے
 امریکہ میں آٹھ سال رہے پانچ یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ ریاضی۔
 طبیعیات۔ کیمیا کی تعلیم حاصل کی۔ کئی سال تک حیوانیات۔ نفسیات
 اقتصادیات اور عمرانیات کے عالم علم رہے۔ آپ کے ایم۔ اے
 مقالہ کی بہت تعریف کی گئی۔ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان آئے پنڈت
 جواہر لال نے انکو انڈین نیشنل کانگریس کے مزدوری تحقیقات کے
 محکمہ کانگراں مقرر کر دیا۔ چند ہی ماہ بعد سول نافرمانی کی تحریک
 کے دوران میں جے بے کاش کانگریس کے قائم مقام سکریٹری
 بن گئے۔

آپ کی ناسک جیل کا زمانہ تاریخی یادگار سے ہے۔ آپ کے ہمراہ
 کئی مشہور کانگریسی اسی جیل میں تھے۔ جن میں سے مسٹر مسانی اور
 اچھوت پٹور دھن کا نام یاد ہے۔ بے پرکاش نے اپنے رفقاء سے
 مل کر کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے قیام کا خاکہ کھینچا اور رہائی کے
 بعد اچاریہ سر بندر دیو کی صدارت میں آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ
 پارٹی کا پہلا اجلاس پٹنہ میں منعقد کیا۔ اس کے بعد جگہ جگہ کانگریس
 سوشلسٹ پارٹیاں قائم کی۔ چند ماہ بعد بمبئی میں آل انڈیا کانگریس
 سوشلسٹ پارٹی باقاعدہ قائم کی گئی۔ لکھنؤ کے اجلاس میں
 کانگریس کی مجلس عالمہ کے رکن بننے تک کانگریس سوشلسٹ
 پارٹی کے مسلسل سکریٹری رہے۔ چند ماہ بعد کانگریس کی
 کابینہ سے مستعفی ہو گئے تاکہ اپنی پارٹی کے جنرل سکریٹری
 کا کام کرتے رہیں۔ عرض کہ ملک کو آزاد کرانے میں ان کی سرگرمی
 کا بڑا حصہ ہے۔

خودی رام بوس

خودی رام بوس مظفر پور کے رہنے والے تھے مسٹر
تک کے اخبار کیسری کے ہمدرد تھے اور حریت نواز شخص
تھے انہوں نے مسٹر کنگ نور ڈیر بم پھینکنا چاہا مگر مسٹر کنڈی
قتل ہو گئیں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۸ء کا ہے بنگال میں کھلبلی مچ گئی
خودی رام پکڑے گئے۔ ان کو مجرم گردان کر چھ سال کی سزا
دی گئی۔ مظفر پور کے اخبار کال میں مسٹر پراچے نے لکھا :-
لوگ پیلے کی مانند حکومت کے گیت نہیں گاتے۔ نہ ہی اب
انہیں انگریزوں کا خوف ہے۔ اب تو وہ سوزا جیہ کی حساب
سب کچھ کرنے کو آمادہ ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے پراچے پر مقدمہ چلا یا اور مجرم قرار
دیا۔ ارمی سن ۱۹۰۸ء میں لندن کے انڈیا ہوس میں جلسہ ہوا ایک سو طلبا
شریک ہوئے۔ اس کے ایک ماہ بعد شہیدان ملک کے نام سے ٹریکیٹ
فناغ ہوا جس میں ۱۸۵۷ء کے متعلق تھا کہ ہندوستان کی آزادی
کی پہلی کوشش تھی۔ کوشن ورا بھی اس میں شریک تھے لندن
سے اخبار ڈیلی میں کے ساتھ لفوف کر کے ہندوستان روانہ کیا گیا۔

ایک ہندو طالب علم نے بہت ہی سادگی کی ساخت پر جون سنہ ۱۹۰۷ء میں تقریر کی۔ جس پر حکومت نے اسکو چھ سال کی سزا کر دی۔

ہندو کمار گھوش

ہندو کمار گھوش ان کے والد کا نام۔ ڈاکٹر ڈی گھوش جو میڈیکل آفیسر تھے۔ ہندو کمار انگلستان میں پیدا ہوا تھا۔ مگر تعلیم ہندوستان میں ہوئی۔ ان کے بھائی اربندر گھوش وائس پریسیڈنٹ گائیڈو اٹکراج برودہ تھے۔ ان کے پاس ہندو رہا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں برودہ سے کلکتہ گئے۔ یہاں آکر انقلابی تحریک سے منسلک ہو گئے۔ مگر یہاں زیادہ حالت موافق نہ تھی۔ برودہ سے لوٹ گئے۔ پھر سنہ ۱۹۰۷ء میں کلکتہ آئے اور پھر تقسیم بنگال کے ایجنڈیشن میں عملی حصہ لینے لگے ان کو سنہ ۱۹۰۷ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ جہاں کھلے نغظوں میں اظہار کیا کہ ہم نے ہم سازوں کی جماعت بنانی ہے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

۲۲ مئی سنہ ۱۹۰۸ء میں علی پور کے واقعہ قتل کے سلسلہ میں مالک ٹول میں خانہ تلاشی ہوئی۔ وہاں آپ کے ساتھی ۳۴ آدمی

گرفتار ہوئے اور ڈائنامٹ کارٹوس اور خطوط پکڑے گئے اس میں نریندر گو ساہیں بھی تھا اور ہم چند روز اس بھی ہمنا تھا۔ ہردو کو پھانسی حکومت نے لے دی۔ ایک میں داس کے پڑ رہے تھے اور اکثر جگہ ہم سے انگریز قتل گئے جا رہے تھے اس شخص نے ایک بڑی جماعت تیار کر دی تھی جس کے افسدینر حالانکہ رولٹ کمیٹی کی تحقیقات میں درج ہیں۔ اسکا ترجمہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے۔ کاشی رام پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔

بوتیش چکر ابرتی

بوتیش چکر ابرتی چند رنگر انقلاب پسند جماعت کے سرگرم کارکن تھے۔ اس جماعت کے ارکان میں سنگھ باہری سال شمالی بنگال میں پھیلے ہوئے تھے ان کے پاس پستول اور ریوا اور رہتے تھے بسنت چترجی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے آڑے آیا تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس جماعت نے ظاہرہ سوریشی تحریک اور قومی والنیروں کے ذریعہ مقبول عام بننے کی سعی کی اور مدرسوں میں جانر طلبا کو ہملوا بناتے جو ڈاک زنی میں کام دیتے۔ ان کے

سرگروہ پر بھودیال سندر ناتھ گھوش تھے۔ یہ ۱۹۱۶ء میں گرفتار ہو گئے۔ جیون ٹھا کر بھی اس جماعت کا کارکن تھا وہ بھی گرفتار ہوا اس کے پاس ہتھیار برآمد ہوئے۔ باقی حال معلوم نہ ہو سکا۔

چیت رجن داس

چیت رجن داس ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۵ء میں انتقال کر گئے۔ چیت رجن داس کلکتہ کے ایک وکیل کے فرزند تھے کہ جو مختصر مگر ذی اثر فرقہ برہو سماج کے ایک رکن رکین تھے۔ انھوں نے بھی انگریزی حاصل کر کے وکالت پاس کی۔ لندن گئے انڈین سول سروس میں ناکامیاب ہو کر بیرسٹری اختیار کر لی اور کلکتہ آ کر وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۹ء میں بیرسٹری ترک کی اور سیاست کے اکھاڑے میں کود پڑے۔ بنگال کے نوجوانوں نے اپنا لیڈر بنا لیا۔ وہ تحریک کانگریس میں ایک زبردست طاقت بن گئے۔ ۱۹۲۲ء میں کانگریس کے اجلاس گیا ہیں انھوں نے اپنے سیاسی خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے ظاہر کیا کہ پارلیمنٹری

۱۲۳ صفحہ ۱۲۳

حکومت کا طریقہ ایسا نہ تھا کہ جس میں عوام کے ہاتھوں عوام کے مفاد کے مطابق حکومت کی جاتی ہو۔ انھوں نے کہا کہ اگر آج برطانوی پارلیمنٹ مرکزی ذمہ داری کے ساتھ صوبوں کو خود مختاری عطا کر دے تو میں اس کے بعد اور احتجاج کروں گا۔

۱۹۲۲ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی امداد سے وہ

کانگریس کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ مجلس مقننہ کا بائیکاٹ کرنے کے بجائے ان میں گھس کر اندر سے ان کے کام میں روڑے اٹکائے جائیں۔ قانون ساز مجلس میں انھیں اکثریت حاصل نہ تھی۔ پھر بھی بجٹ کو مسترد کرانے اور وزرا کی حیثیت کو ناقابل برداشت بنا دینے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت بنگال نے وزرا کے محکموں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور سوراہی مجلس مقننہ سے نکل گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

پنڈت مدن موہن مالوی

ایک غریب گھرانہ میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے ۱۸۸۲ء میں بی۔ اے کیا اور ہائی اسکول میں ملازم ہو گئے۔ تین سال بعد راجہ رام پال سنگھ کی درخواست پر اخبار ہندوستانی کی ایڈیٹری کا چارج لیا۔ دھاتی سال تک کامیابی سے نکالائے ۱۸۸۹ء میں قانون کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۹۲ء میں وکالت میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وکالت الہ آباد میں شروع کر دی۔ قومی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ کانگریس سے خاص دلچسپی رہی۔ ہندو یونیورسٹی آپ کا ہی روشن کارنامہ ہے۔ فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے ۱۸۸۸ء میں ایک ہندو سماج قائم کیا۔ جس کی غرض ہندوؤں کی اصل حالت سدھارنا تھا۔ سودیشی تحریک کے بڑے حامی۔ اعتدال پسند طبیعت تھی۔ ایک سال اسپرین پبلسٹیو کونسل کے غیر سرکاری ممبر منتخب ہوئے۔ قدیم ہندو تہذیب و تمدن کے متوالے تھے مذہبیت آپ میں کافی و وافی تھی۔ ہندی ترویج میں آپ کی مساعی کو بڑا دخل ہے۔ ۱۹۰۹ء میں لاہور کے نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدر رہے۔ پھر دہلی میں ۱۹۱۰ء میں

کانگریس کے صدر ہوتے ہمارے ہاتھ لگا کر آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حکومت میں بھی بڑی قدر دانی تھی۔

۱۹۳۵ء میں انتقال ہوا۔

راش بہاری بوس

راش بہاری بوس ہندوستان کی آزادی کے سبب سے بڑے ہی خواہوں میں سے تھے۔ ہندوستان میں منظم کامیاب پروگرام کی بنیاد آپ نے ہی ڈالی۔ سید ریش کیپٹی کی رپورٹ کے مطابق آپ ہی ۱۹۱۷ء میں دہلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکنے کے ذمہ دار تھے۔ اس کے بعد ان کا نام کئی سازشوں اور بم پھینکنے کی وارداتوں میں آیا۔ آپ کے ساتھی اودھ بہاری لال اور دہلی کے مشہور محب وطن ماسٹر امیر چند کو ۱۹۲۰ء میں دہلی سازش کیس میں موت کی سزا ہوئی۔ آپ کی گرفتاری کے لئے ۱۲ ہزار روپیہ کا اعلان ہوا اور آپ کی تصویر سارے ہندوستان میں تقسیم کی گئی۔ بعد میں لاہور اور بنارس سے انقلابی سرگرمیاں آپ نے جاری رکھیں ۱۹۵۱ء میں جاپان چلے گئے۔ آٹھ سال روپوش رہے۔ اس کے بعد

آپ نے جاپان میں انڈیپنڈنٹ لیگ بنائی جا پانی زبان میں پانچ کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ نکالتے رہے۔ ہندوستان کی آزادی پر کئی لکچر دیئے۔ سیدیش کمیٹی کا فیصلہ تھا کہ جب ہندوستان آئین بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔ آپ نے جولائی ۱۹۴۴ء میں ٹوکیو میں انتقال کیا آپ آزاد ہند حکومت کے مشیر اعلیٰ تھے۔

سرتیج بہادر سپرو

سرتیج بہادر سپرو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ کشمیری الاصل تھے۔ سال پیدائش ۱۸۷۵ء علی استعداد فاضلانہ تھی۔ لائق بیرسٹر تھے۔ لارڈ سارنہ برو کی فرنچائز کمیٹی کے ۱۹۱۸-۱۹ء میں ایک رکن تھے اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک وائسرائے کی مجلس عالیہ کے قانونی ممبر رہ چکے تھے۔ جہاں سے استعفا دیکر انھوں نے پھر الہ آباد میں بیرسٹری شروع کر دی۔ کانگریس کے حامی اور اس کی تحریک میں عملی حصہ لیتے رہے۔ اس جماعت کی آل انڈیا کمیٹی کے ۱۹۰۶ء سے

۱۹۰۶ء آزاد ہند فوج صفحہ ۹ مرتبہ مولانا امداد مہا بری

۱۹۱۷ء تک مہر تھے۔ پھر آل انڈیا فیڈریشن میں مدد کی ۱۹۲۳ء میں اس کے پونہ کے اجلاس میں اس کے صدر بھی ہوئے۔ گول میز کانفرنس کے اجلاس میں نمایاں حصہ لیا۔ وائسرائے اور وزیر ہند اور گانگریس سے مفاہمت کرانے میں اکثر سعی ملیج فرمائی۔ نہرو رپورٹ پر بھی دستخط کئے تھے ۱۹۳۱ء کے اس بیٹاق سے بھی ان کا بڑا تعلق رہا ہے۔ جولا رڈارون اور ہاتھاتا گاندھی کے مابین ہوا تھا۔

فلسفیانہ طبیعت پائی تھی اردو زبان کے سچے ہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ ایک عرصہ سے عدالت کا سلسلہ جاری تھا جس کی وجہ سے خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر لکشمی دت

ڈاکٹر لکشمی دت غلف پنڈت بھوج دت اصل وطن تھانہ بھون تھا۔ پنڈت بھوج دت آریہ سخریک کے سرگرم داعی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فن ڈاکٹری تحصیل کی اور سرکاری ملازم ہو گئے۔ لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ محبوبہ لندن۔ سپاہی کی دوطن۔ چین کی شہزادی وغیرہ کتابیں لکھیں۔ اعلیٰ درجہ

کے مقرر تھے۔ ۱۳۱۳ء میں کانگریس کے ممبر ہوئے۔ پھر نوآگرہ میں سیاسی برادری پھیلاتے ہیں۔ بڑے کام کئے۔ خلافت کی تحریک میں خود ہی انعام، شہنائوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ رولٹ بل کے خلاف مظاہرے کئے اس میں قید فریاد ہوئی۔ واپس آکر صوامی کانگریس کے صدر ہوئے چھٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ تین سال چیرمین، صلیتھ ڈیپارٹمنٹ رہے ۱۹۲۵-۲۶ء میں انگلستان اور جرمنی گئے۔ یونیورسٹی کراچی میں تعلیم پائی۔ وہاں سے واپس آکر ڈاکٹری کے شغف میں رہے۔ مگر طبیعت میں کام کرنے کی دھن تھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ راقم سطور نے میاں نظیر کے فرار پر ہسپتال کے میلہ کی بنیاد ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب شریک تھے۔ موٹر یونین صوبہ کانگریس کے صدر اور راقم سطور سرگرمی تھا مزدور سہا انٹلجیو۔ پی۔ کی تنظیم کی۔ آگرہ مزدور سہا کے صدر تھے۔ میسرے اجاب پمخلص تھے۔ ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوا۔

شیورام مہادپو

شیورام مہادپو پرانے۔ یہ ہفتہ وارا خباد کے ایڈیٹر تھے مضامین پران کے گورنمنٹ معترض ہوئی انکو باغیانہ قرار دیا ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۷ء تک انکی تحریرات نے ملک میں ایک طنی لہر پیدا کر دی تھی آخر میں گورنمنٹ نے سن ۱۹۰۷ء میں مقدمہ چلایا اور مجرم قرار دیکر اسیس ماہ کی سزائے قید دی گئی۔ اور حال بوم نہ پڑا

سریندر ناتھ بنرجی

سریندر ناتھ بنرجی (۱۸۲۸ء سے ۱۹۲۵ء) کوئی براہمہ سے تھے وہ سیاست داں تھے جنھوں نے بنگال میں شہرت اور امتیاز حاصل کیا ۱۹ سال کی عمر میں سول سروس کے امتحان میں شریک ہوئے ۱۸۶۱ء میں واپس آکر صرف تین سال ملازم رہے۔ بعض بے قاعدگیوں عمل میں آئیں جس سے برطرن کو دیئے گئے۔ ۱۸۷۶ء میں انڈین ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ سیاست کے میدان میں ان کے تقریر کرنے میں ہمیشہ تھے۔ مسٹر ایچ ڈیلیونوسن نے لکھا ہے کہ مسٹر گمبیڈ سٹون کے سوا میں نے کسی مقرر کو اس قدر پر شکوہ اور موثر پیرایہ بیان اس قدر تیقن اور کامیابی کے ساتھ استعمال کرتے نہیں سنا۔ کلکتہ میں سن کارلج کی بنا ڈالی اور اس کو پلاتے رہے۔ اخبار ”بنگالی“ کو ایڈٹ کرتے تھے۔ اس اخبار نے نوجوان بنگالیوں میں حریت پیدا کر دی کانگریس کے بانیان میں شمار ہے ۱۸۹۵ء پونا اور ۱۹۰۷ء میں احمدآباد کے اجلاس کے صدر رہے۔ لیکن جس چیز نے کہ انھیں حقیقی امتیاز بخشا وہ لارڈ کوزن کی تقسیم بنگالہ تھی۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ انھوں نے بنگالیوں کے اس حق کا اعلان کیا۔ اس کے نتیجے کے آلہ کے طور پر برطانوی مال کے بائیکاٹ کی تجویز کی۔

بڑے زور شور سے حمایت کی جس کا اثر پڑا ۱۹۲۱ء میں ہائیکورٹ
 چیفسفورڈ اصلاحات کا نفاذ ہوا تو انھوں نے حکومت بنگال میں
 وزارت کا عہدہ قبول کر لیا۔ سر کے خطاب سے نوازے گئے۔
 لاہور کلکتہ کارپوریشن میں حکومت بنگال کی مجلس مقننہ میں شاہی
 مجلس قانون ساز میں قابل تعریف کام کئے۔ سوراج پارٹی کے مقابلہ
 میں انتخاب میں شکست اٹھانا پڑی اس کے بعد تھوڑے عرصہ زندہ
 رہے اور ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔

بھائی رام سنگھ

بھائی رام سنگھ ایک پولیٹکل مذہبی فرقہ کے پیشوا تھے ان کی
 سیاسی سرگرمی کی بدولت ۱۸۷۲ء میں زیر رزولوشن نمبر ۳
 ۱۸۱۸ء برہما جلا وطن کر دئے گئے۔ اس وطن پرست بزرگ
 نے وہیں اپنی حیات مستعار عزم کی بنا

۱۸ جلا وطنی کی داستان از لالہ لاجپت رائے صفحہ ۲۰

ڈاکٹر اش بہاری گھوش

ڈاکٹر اش بہاری گھوش سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی مشہور عالم کلکتہ ولادت ذی عزت خاندان میں بمقام جو ریکو نا ضلع بردوان میں ۲۳ دسمبر ۱۸۲۵ء ہوئی۔ ابتدائی تعلیم قصبہ نیکورا میں حاصل کی ۱۸۶۱ء میں پریزیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہو کر ۱۸۶۵ء میں ایف۔ اے کیا ۱۸۶۵ء میں بی۔ اے پاس کیا ۱۸۶۵ء میں انرز کے ساتھ درجہ اول میں امتحان ایم۔ اے کیا۔ دو سال بعد بی۔ اے میں امتحان میں سنہری تمغہ پایا۔ فروری ۱۸۶۵ء میں کلکتہ ہائیکورٹ کے وکیل مقرر ہوئے ۱۸۶۵ء میں ملکی قوانین کا آخری امتحان پاس کیا ۱۸۶۵ء میں ناگور کے پروفیسر قانون منتخب ہوئے ۱۸۶۵ء میں فیلو یونیورسٹی ہوئے کلکتہ یونیورسٹی ۱۸۶۵ء میں ڈاکٹر آف لاکمی ڈگری دی ۱۸۶۵ء میں سنڈیکٹ کلکتہ یونیورسٹی کے ممبر منتخب ہوئے جو ۱۸۶۵ء تک رہے ۱۸۶۵ء میں اول مرتبہ بنگال یونیورسٹی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ پھر ۱۸۶۵ء میں دوبارہ مقرر ہوئے ۱۸۶۵ء کلکتہ یونیورسٹی کی منگلی قانون کے صدر رہے۔ ۱۸۶۵ء میں سپریم کونسل میں ممبر ہوئے۔ اس پر خطاب لے۔ مدراس اور سورت کی کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔ مطالعہ کتب کا بڑا شوق تھا ہندوستان میں خاص شہرت ہے۔ ایک عرصہ انتقال کو ہوا۔

سوباش چندر بوس

سوباش بابو جانکی بابو کے صاحبزادے تھے ۲۳ جنوری ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ جانکی بابو کا قیام کلکتہ میں تھا اصل رہنے والے جو بیس ضلع کے گاؤں کو ڈالیا کے تھے۔ ان کے سوباش بابو کے علاوہ سرت چندر بوس ڈاکٹر ستیش چندر بوس دو اولادیں اور بہن ۱۹۰۹ء میں کالج اسٹڈی اسکول میں داخل ہوئے۔ ماسٹری بنی، ادھو داس استاد تھے ۱۹۱۲ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد پریذیڈنسی کالج میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر ہریش نے ایک آئٹرم کھولا تھا۔ شرعیہ تھی جو ملک کی خدمت کرے وہ تمام عمر شادی نہ کرنے کا عہد کرے اور اس آئٹرم کا ممبر بنے۔ سوباش بابو بھی اس میں شامل ہو گئے تعلیم چھوڑ دی۔ اور تباہ کی نوندرگی گزارنے لگے۔ عرصہ تک سیاحت کی۔ دہلی، آگرہ، ممبئی، کاشی گئے اور کئی بڑے رسموں پر ہو آئے۔ اہل خاندان کو عرصہ تک پتہ نہ لگا کہ سوباش کہاں ہیں۔ ایک سنیاسی پرمانند سے ملنا ہوا ان کے ارشاد پر وطن گئے اور پھر پریذیڈنسی کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۵ء میں ایف۔ اے کیا۔ کالج کے لڑکوں میں ان کو بڑی عزت تھی۔

آخرش کلکتہ کے سکائس چرچ کالج سے بی۔ اے آرز کیا۔ اس دوران میں یونیورسٹی انفرنٹری میں نئی شمولیت کی۔ آپ کے والد ماجد چاہتے تھے کہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہوں۔ مگر سوباش بابو کی رائے نہ تھی مگر

باپ کا حکم بجالائے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور سول سروس کا امتحان پاس کر کے ہندوستان واپس آئے۔ یہاں جہاننا گاندھی کا تمام ملک میں طوطی بول رہا تھا۔ بنگال میں ویش بندھو داس کی سیاسی خدمات پیش پیش تھیں ان کے پاس ۱۹۱۶ء میں طلبیدہ پیچھے عدم تعاون کی تحریک شباب پر تھی اس کی معیت میں خدمت ملک میں لگ گئے ویش بندھو داس نے ایک اسکول کھولا تھا۔ نیشنل کالج نام تھا اور ایک اخبار بھی نکالتے تھے۔ یہ دونوں کام سو باش بابو کے سپرد کئے گئے۔ یہ بحیثیت پرنسپل کے تھے۔ اس کالج کو بڑی ترقی دی۔ بنگال میں عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ سو باش بابو اس کے روح رواں بن گئے۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں گرفتار ہو گئے۔ ان کے ساتھ ویش بندھو داس بھی پکڑے گئے۔ جیل ہوئی وہاں سو باش بابو ویش بندھو داس کا کھانا خود پکا کر کھلاتے ان کی عزت بہت کرتے اور سیاسی گرو کہا کرتے۔ جب سو باش بابو سزا بھگت کر جیل سے باہر نکلے تو تحریک بند ہو چکی تھی۔ گاندھی جی سو ویشی تحریک کی تبلیغ میں منہمک تھے۔ اسی زمانہ میں بنگال میں سیلاب آیا ہزار ہا فائدان تباہ ہو گئے۔ انھوں نے ریلیف کا کام شروع کر دیا اور کامیابی حاصل کی۔

سو باش بابو کانگریس کے کاموں میں شروع سے ہی حصہ لیتے رہتے تھے۔ مگر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے رہنما جیل سے آزاد ہو چکے تھے۔ انکی رائے میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور سوراخ پارٹی کے نام سے ادارہ قائم ہوا اور اس نے طے کیا کہ کونسلوں میں جانا ملک کی فلاح و بہبودگی کے لئے مفید ہے۔

بنگال میں اس خیال کے حامی بندھو داس تھے اور یو۔ پی میں پنڈت جواہر لال نہرو اس کے کوشاں تھے۔ سو باش بابو دیش بندھو داس کے معتدترین نائب تھے اس لئے پارٹی کے مقصد کا ملک بھر میں پرچار کرنے کا کام انھیں کے سپرد ہوا۔ ان کے خلاف گاندھی جی پارٹی تھی۔ گاندھی جی کونسلوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں گیا کے اندر کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا اس جلسے میں سو باش بابو بھی شامل ہوئے۔ گیا کے اجلاس میں کونسلوں میں جانے کی تجویز رکھی گئی لیکن نامنظور کر دی گئی۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوراج پارٹی مستقل جماعت بن گئی۔

سو باش بابو اخبار فارورڈ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور جوانوں کی جماعت کی تشکیل کی۔ غریب کسانوں اور مزدوروں کی حمایت اس کا مقصد رکھا۔ اور تمام بنگال میں سو باش بابو کی مساعی کار و شن کار نامہ ہے خدمات ملک و ملت نئے ہندوستان میں بڑی شہرت پیدا کر دی اور ہر جگہ ان کی عزت کی جاتی۔ کارپوریشن کا چیف اگریگیٹو آفیسر مقرر ہوئے اپنے فرائض کی تکمیل میں بڑی سرگرمی دکھائی ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو انھیں بنگال آرڈیننس کے ماتحت گرفتار کر کے غیر معین عرصہ کے لئے ہانڈے نظر بند کر دیا گیا۔ وہاں سخت علیل ہو گئے۔ حکومت نے ۱۹۲۶ء میں رہا کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد صوبہ بنگال کی کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی زمانہ جتندر ناتھ داس کی موت ہو گئی۔ سنگی نیش کا جلوس نکلا جلسہ ہوا۔ آپ نے مرحوم کی تعریف اور حکومت کو

برا بھلا کہا اس پر چند ماہ کی سزا کے مستحق ٹھہرے۔

ایک سال کے بعد لاہور میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ جس میں مکمل آزادی کی تجویز منظور ہوئی۔ اس اجلاس میں آپ نے ایک اسکیم رکھی کہ ملک میں کانگریس کی عدالتیں اور فوج قائم کی جائیں مگر کانگریس نے منظور نہ کیا۔

اجلاس لاہور کے بعد گاندھی جی نے ملک قانون توڑنے کی تحریک شروع کی۔ یہ برابر کے شریک تھے۔ بلا میعاد کے نظر بند کر دیئے گئے۔ صلح کے بعد سو بائیس باجوہیل سے باہر آگئے سمجھوتے کے متعلق گول میز کانفرنس میں گاندھی جی شریک ہوئے ان کی عدم موجودگی میں تحریک دوبارہ شروع ہو گئی۔ گاندھی جی ہندوستان آئے ہی گرفتار کر لئے گئے ۱۹۳۲ء میں کراچی میں نوجوان بھارت سبھا کا سالانہ اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ آپ تھے خطبہ ایسا تھا کہ حکومت برداشت نہ کر سکی اور یہ گرفتار کر لئے گئے۔ علی پور جیل اور سڈنی جیل میں رکھے گئے۔ پھر بھوانی جیل اور لکھنؤ جیل میں بھی رہے۔ آخر رہا کر دیئے گئے۔ یورپ کا سفر کیا۔ سوئٹزر لینڈ۔ روم۔ آئر لینڈ۔ فرانس۔ جرمنی۔ وغیرہ گئے۔ تین سال بعد لوٹے۔ ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ مگر ولایت سے آنے نہ دیا آئے تو گرفتار کر لیا ۱۹۳۶ء میں رہا ہوئے۔

۱۹۳۸ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سالانہ اجلاس کے صدر ہوئے۔ ہوائی جہاز سے ولایت سے کراچی آئے۔ ۱۹۳۹ء میں پھر کانگریس کے صدر ہوئے۔ مگر بڑے ہنگامے رہے پھر آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ فارورڈ بلاک قائم ہوا پھر کچھ عرصہ بعد ۲۶ جنوری کو آزادی کا دن منایا جاتا ہے۔ یہ گم ہو جاتے ہیں۔ روس۔ جرمنی جاپان جاتے ہیں اس کے بعد ۱۶ اگست ۱۹۴۵ء کو تھائی لو کے ہوائی اڈہ پر ان کا جہاز ٹوٹ گیا۔ شدید زخمی ہوئے اور انتقال کر گئے۔

ہنس سروجی نائڈو

ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں سب سے زیادہ بین الاقوامی رجحانات رکھتی تھیں آپ کا خاندان اعلیٰ برہمن خاندان تھا۔ آپ کے والد ڈاکٹر اگھوری ناتھ چٹوپادھیائے سائنس کی ڈاکٹری میں ایڈنبرا یونیورسٹی کے سب سے زیادہ تھے۔ ان کے سائنسی تحقیقات کے شعبہ نے ان کو نظام کالج حیدرآباد قائم کرنے پر مجبور کیا۔ وہ اس کے پرنسپل بن گئے۔ ان کی والدہ بنگالی زبان میں عمدہ نظمیں لکھا کرتی

تھیں میروجنی ٹائڈو کے ماں باپ کی اعلیٰ قابلیت کا ثمرہ تھا کہ انہی
 اس طرح تعلیم ہوئی کہ ۱۲ سال کی عمر میں مدراس یونیورسٹی سے
 دسویں کا امتحان پاس کیا۔ ایک سال قبل کا واقعہ ہے الجبرا
 کا سوال کرتے کرتے ایک نظم لکھ ڈالی۔ طبیعت کا رجحان
 شعر و شاعری کی طرف زیادہ تھا۔ عمر ۱۳ سال کی تھی۔ صرف
 چھ دنوں میں تیرہ سو مصرعوں کی ایک طویل منظوم کہانی لکھی
 اور اس کے بعد دو ہزار مصرعوں کا ایک منظوم ڈرامہ لکھ ڈالا۔
 ۱۸۹۵ء میں سولہ سال کی عمر تھی انگلستان بھیج دی گئیں وہاں
 کننگس کالج میں داخل ہوئیں بعد کو کیمبرج کے جرسن کالج میں
 داخلہ کرا لیا۔ ۱۸۹۵ء میں ہندوستان واپس آگئیں اور اپنے
 ڈاکٹر گو بندرا بولا سیدو سے شادی کر لی۔ پہلے پہل آپ لکھ
 میں شاعرہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ آپ کی نظموں
 "آستان زریں" اور "طائر وقت" نے بہت تحسین حاصل کی
 ۱۹۱۲ء میں لکھنؤ کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئیں۔
 پھر آپ نے سوراج کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۱۲ء میں
 انگریز نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا۔ تین سال بعد امریکہ
 کا دورہ کر کے ہندوستان نقطہ نظر کی وضاحت کی۔ پھر
 جنوبی افریقہ کی انڈین نیشنل کانگریس کیلئے منتخب ہوئیں۔
 جاتے جاتے مدھی اور عباس ٹیب جی کی گرفتاری کے بعد

سول نافرمانی کی تحریک کی قیادت آپ نے کی۔ دھارا سانا کے مقام پر ننگ سازی کی تحریک کی قیادت کی بنا پر آپ کو گرفتار کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں آپ قید کر دی گئیں۔ جب سب لیڈر پھولے آپ بھی آزاد ہوئیں۔ جب ملک آزاد ہوا آپ بھی حکومت کے اعلیٰ عہدہ پر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شیام جی کرشن ورما

شیام جی کرشن ورما بمبئی کے رہنے والے تھے علمی پختہ معقول تھی طالب علمی کے زمانہ سے طبیعت میں حریت نوازی تھی۔ یہاں کی جگڑ بندیوں کو دیکھ کر لندن چلے گئے چند سال گناہم رہے۔ جنوری ۱۹۰۵ء میں انڈیا ہوم رول سوسائٹی قائم کی۔ دسمبر تک اس نے اس سوسائٹی کے ممبر بنا لئے۔ اور دسمبر ۱۹۰۵ء میں اعلان کیا۔ ایک ہزار روپے کے تین تالیف اس شخص کو دیئے جائیں گے جو ہندوستان سے نکل کر یورپ۔ امریکہ اور دیگر ممالک کی سیاحت کرے اور اپنے کو اس قابل بنائے کہ ہندوستانیوں میں آزادی اور قومی

اتحاد کا جذبہ پیدا کر سکیں۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ مسٹر ورما نے فرانس سے ایک چھٹی اور شاخ کرائی کہ وہ دو ہزار روپیہ اس شخص کو وظیفہ دیا جائے گا جو رانا پرتاپ سنگھ سیوا جی اور اکبر اعظم پر مضمون لکھے۔

کرشن ورمانے لندن میں پہلے آزادی ہند کے لئے بڑی کارگزاری کی ۱۹۰۷ء میں پارلیمنٹ کے ہاؤس آف کامنز میں سوال پیدا ہوا کہ کرشن ورما کے خلاف گورنمنٹ کوئی کارروائی کرنا چاہتی ہے کرشن ورمانے رہائش فرانس کی اختیار کر لی اور ایک ماہوار رسالہ نکال رہے تھے۔ اس سے سیاسی تحریک کو بہت فائدہ پہنچا رہا تھا۔ اسکا نام انڈین سوشیا لوجسٹ تھا۔ اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ ہندوستان میں نصف سو ساٹھوں سے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں تمام عملی صورت سے عام سیاسی تحریکات میں ہمعصروں کے برابر کے شریک تھے۔ آخری زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مدن لال ڈھینگرا

مدن لال ڈھینگرا۔ یہ بھی وطن پرست شخص تھا۔ اسپرینٹل انسٹی ٹیوٹ کے ایک جلسہ میں بمقام انڈیا آفس سر ریم کورن وائیل پبلیکل ایڈے کانگ کو گولی مار دی۔ مسٹر تھیلے بھی حریت نواز شخص تھا۔ یہ حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ تمام باغیانہ شرچہ یہ لندن سے ہندوستان لے کر آئے۔ ۱۹۱۷ء میں چھری کے ساتھ بمبئی میں حراست میں لے لئے گئے ان پر مقدمہ چلا روداد مقدمہ سے پتہ لگا تو بھارت سوسائٹی کے ممبر بمبئی۔ ناسک۔ پونا۔ اورنگ آباد وغیرہ مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں اور سرگرم تحریک ہیں۔ گوالیار میں بھی اس سوسائٹی کے ورکر تھے ۲۲ برہمن پکرسے گئے۔ ریاست نے ان پر مقدمہ چلا یا اور سب سزایاب ہوئے۔

وٹائیک ساورکر

وٹائیک ساورکر ناسک کے رہنے والے فرگسن کالج کے تعلیم یافتہ بیٹی یونیورسٹی سے بی. اے کیا اور شیام جی کوشن ورما کی سوسائٹی میں شامل ہو گیا۔ ناسک میں ہاتھا اگیہ گورنمنٹ ہنس تھا۔ جو ۱۹۰۶ء سے گورنمنٹ کے خلاف تقریریں کر رہے تھے عوام کی رجوعات زیادہ تھی۔ وٹائیک ان کے شریک کار ہو گئے انھوں نے اس نوجوان کو اپنی سوسائٹی کا صدر منتخب کیا۔ ۱۹۰۶ء میں لندن گئے۔ ۱۹۰۹ء میں انڈیا ہوس کے مسئلہ لیڈر ہو گئے ایک کتاب ہندوستانی آزادی کی جنگ ۱۸۵۷ء ایک ہندوستانی قوم پرست کے قلم سے لکھ ڈالی اور مفتہ وار جلسہ میں اقتباس اس کے سنائے جاتے۔ پھر ہندوستان آگئے ۱۹۰۹ء میں ۱۲۱ تعزیرات ہند سڈیشن کی رو سے مقدمہ چلا گیا۔ ۹ جون کو بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ انڈمان سے سزا کٹ کر پوٹے۔ ہندوستان آئے۔ مہاسبھا کے روح رواں بن گئے۔

ہمات گاندھی

موہن داس کرم چند گاندھی ہندوستان کے بلند پایہ رہنما تھے۔ آپ انقلابی تحریکوں میں ستیہ گرہ اور عدم تعاون وغیرہ کے بانی تھے۔ آپ اپنی قوم کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اچھوت کی بڑی خدمت کی سلسلہ ۱۹۱۷ء سے ملکی سیاست میں حصہ لیا ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کو منسوخ کرانے کے لئے ستیہ گرہ کی تحریک جاری کی جو پھر روک دی گئی۔ ہمات گاندھی گرفتار ہو گئے کچھ عرصہ بعد رہا ہوئے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور کے اجلاس کانگریس میں مکمل آزادی کے حصول کا اعلان کیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء سول نافرمانی کی تحریک گاندھی جی نے پھر جاری کی جس پر یہ گرفتار ہوئے۔ مارچ ۱۹۳۱ء گاندھی ارون سمبھوتہ ہوا دوسری گول میز کانفرنس اکتوبر ۱۹۳۱ء میں ہوئی گاندھی جی شریک ہوتے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء میں گاندھی دائسراے ملاقات ہوئی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ کانگریس نے انفرادی سول نافرمانی کی۔ گاندھی جی گرفتار ہو گئے ۱۵ فروری سے ۳ مارچ تک پونا جیل میں برت رکھا ۱۹۳۵ء میں نسلہ کانفرنس میں گاندھی جی نے شرکت کی۔

یہ کانفرنس ناکام رہی آخر شش ۱۹۴۷ء میں لارڈ لوئی ماونٹ بیٹن کی سفارش پر ملک معظم نے ۳۱ جون ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو مسلم و ہندو اکثریت والے علاقوں کے لحاظ سے تقسیم کر کے پاکستان اور ہندوستان کے قیام کا اعلان کیا۔

گاندھی جی کو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندو نوجوان ناتھورام نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

ولجہ بھائی پٹیل

سردار ولجہ بھائی پٹیل کی شخصیت کانگریسی سیاست میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ایک ممتاز لبرل سوشلسٹ تھے۔ تعلیم پانے کے بعد احمد آباد میں وکالت شروع کی۔ عموماً فوجداری کے مقدمات کو ترجیح دیتے۔ عدالتوں میں گھبرا جاتے۔ وکالت کے بعد انگلستان جا کر لبرل سوشلیزم کی سندھی پھر آکر اسی فنل میں لگے تھے۔ مہاتما گاندھی کے اثر میں آگئے گجرات پسماندہ علاقہ تھا۔ گاندھی جی کی دلیرانہ رہنمائی نے علاقہ کی کایا پٹ دی اس کام میں سردار پٹیل نے گاندھی جی کی نہایت انجام دی۔ کسانوں کی جدوجہد میں سردار صاحب نے نمایاں حصہ لیا ۱۹۲۵ء کی اہم تحریک ہردوئی کی تھی۔ مالیہ نہ ادا کرنے کی تحریک تھی۔ تمام ملک کی بنگاہیں کسانوں پر لگی ہوئی تھیں۔ جو ولجہ بھائی پٹیل کی

زیر قیادت طاقتور حکومت کے مکمل جہر و تشدد کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں آپ کی کار فرمائی کو بڑا دخل ہے اس کارگزاری کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی۔ ۱۹۳۱ء میں گجرات میں تحریک سول نافرمانی کی رہنمائی کی اور یہ تحریک اتنے زوروں سے چلائی کہ سیکڑوں سرکاری ملازم مستعفی ہو گئے۔ اور وہ مخالفانہ فضا پیدا ہو گئی جس کا سامنا کبھی بھی حکومت برطانیہ کو نہ ہوا تھا۔ آخر میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۳۱ء میں تحریک سول نافرمانی پھر شروع کی گئی تو آپ کو گاندھی جی کے ہمراہ گرفتار کر کے تقریباً دو سال تک بغیر کسی مقدمہ چلائے نظر بند رکھا گیا۔ واپسی کے بعد مجلس قانون ساز کے مقاطعہ میں بڑا حصہ لیا۔ اور تائید میں نہایت سختی کے ساتھ سٹی آر۔ داس موتی لال نہرو اور اپنے بھائی و محل بھائی پٹیل کی مخالفت کی اور جب ہما تاجی نے مجالس قانون ساز میں جانے کا فیصلہ کیا تو وجہ بھائی پٹیل نے پارلیمانی کام کی بگ ڈور سنبھال لی اور بڑی لیاقت سے رہنمائی کی۔

جب ملک آزاد ہوا تو نائب وزیر اعظم کے عہدے کو سنبھالا۔

۱۹۶۹ء میں فوت ہوئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

پنڈت موتی لال نہرو کے خلف ارشد اور قوم کی آنکھ کے تارا ہیں۔ انگلستان میں تعلیم پائی اور اعلیٰ قابلیت کے حامل ہیں۔ تصنیفی ذوق بھی ہے۔ اوائل عمری میں پیرس سے لباس دھل کے آتا تھا۔ انگریزی لباس میں ملبوس رہتے۔ جن دن سے سیاست میں قدم رکھا گاڑھے کا لباس استعمال میں ہے۔ چار مرتبہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے۔ مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے پہلو بہ پہلو ملی سیاست میں حصہ لیا۔ ملک کے آزاد کرانے میں گاندھی جی دست راست رہے۔ انقلابی تحریکوں میں آپ کے دم سے جان پڑی۔ غیر متعصب انسان ہیں۔ اردو سے بھی دلی تعلق ہے۔ مشرق وسطیٰ میں ملک کی تقسیم ہوئی۔ جمہوریہ بھارت کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ تا حال اس پر ممتاز ہیں۔ دور ملک کو ہر اعتبار سے ترقی دے رہے ہیں۔ آپ کی بشرت سوانح عمریاں ملک میں شائع ہو گئی ہیں۔ سیر عزیز دوست حافظ محمد رحیم ہمن دہلوی کی جواہر لال کی کہانی کافی مقبول اور شہرت رکھتی ہے۔

اچار یہ ہے۔ بی کرپلائی

اچار یہ ہے۔ بی کرپلائی پہلے سندھی ہیں جنہیں کانگریس کی صدارت کا فخر حاصل ہے۔ ان کے پتار ٹیٹا ٹوٹا شخصیلدار تھے۔ جنہوں نے ان کو پہلے سندھ میں اور پھر بمبئی میں تعلیم دلائی بمبئی یونیورسٹی سے اچار یہ کرپلائی نے بی۔ اے پاس کیا۔ طالبِ اعلیٰ کے دنوں میں ہی انہیں راجِ غیبی کا شوق تھا۔ ۱۹۰۵ء میں تقسیمِ بنگال ہو جانے کے بعد جو دہشت انگیزی کی تحریک جاری ہوئی اس میں ان کا نمایاں حصہ تھا وہ ان دنوں آ رہند و گھوش کی سیاست سے عقیدت رکھتے تھے۔ انہیں اپنے سیاسی و چاروں کی وجہ سے فرگوسن کالج سے نکالا بھی گیا تھا۔ اعتدال پسندوں کے جلسے میں وہ اپنے ساتھی طالبِ علموں کی ٹولی لے کر جاتے اور گڑ بڑ چھایا کرتے تھے۔ انہوں نے جن مضمونوں میں فرگوسن کالج (بمبئی) سے ایم۔ اے پاس کیا وہ تاریخ اور اکنامکس تھے۔ کچھ دنوں کرپلائی جی ماسٹر رہے۔ پھر مظفر پور کالج (بہار) میں پروفیسر ہو گئے یہاں پہلے راجندر بابو سے اور پھر ہاتھا گاندھی سے ملاقات ہوئی ہاتھا گاندھی کے ساتھ

انہوں نے چمپارن سٹیہ گروہ میں کام کیا۔ اسی کے نتیجے کے طور پر وہ دہشت انگیزی کی تحریک سے نکل کر ستیا گروہی بن گئے۔ ۱۹۱۷ء میں جب مالوی جی کانگریس کے اجلاس دہلی کے صدر ہوئے تو انہوں نے کرپلانی جی کو اپنا پرسنل اسسٹنٹ بنایا اور چند مہینے بعد انہیں ہندو یونیورسٹی میں پروفیسر بنا کر رکھ لیا۔ لیکن یہاں وہ پورے ایک سال بھی نہ رہے تھے۔ اسہ یوگ اندولن شروع ہو گیا اور کرپلانی جی ہمہ تن اس تحریک میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں انہیں سزا ہو گئی۔

رہائی کے بعد انہوں نے تعمیری کام شروع کیا اور گاندھی آئٹرم چلایا۔ کھادی کی تحریک کو ان کی بدولت بہت ترقی ہوئی وہ خود ٹھیلہ چلا کر بازار میں کھدر بیچا کرتے تھے۔ خاص کر یو۔ پی۔ کے گاؤں میں انہوں نے کھادی کا بہت پوجا کیا اور کئی سنٹر قائم کئے۔ آج اس آئٹرم کا ہیڈ کوارٹر میرٹھ میں ہے اور یہاں سے لاکھوں روپے کی کھادی دہلی اور ممبئی جاتی ہے۔ اسہ یوگ اندولن کے سلسلہ میں تعمیری کام بھی بہت ہوا۔ چنانچہ قومی تعلیم کا کام بھی بہت زور شور سے چلایا گیا۔ قومی یونیورسٹیاں کھلیں جو دو یا پیٹھ کہلاتی تھیں۔ گجرات دو یا پیٹھ کے پرنسپل اچاریہ کرپلانی مقرر ہوئے۔ جہاں وہ پانچ سال تک رہے۔

۱۹۲۸ء میں کرپلانی جی پھر یو۔ پی۔ آئے اور یہاں کھادی کے

کام میں لگ گئے۔ لیکن ستمبر میں نمک سٹیج گروہ شروع ہونے پر انھوں نے اس میں حصہ لیا اور ۱۹۳۱ء میں رہا ہوتے ۱۹۳۲ء میں پھر کانگریس کی تحریک چلی اور اس بار پھر کرپلائی جیل گئے۔ تین چار سزایابی کے بعد وہ ۱۹۳۲ء میں رہا ہوئے اور بہار کے زلزلہ کی ریلیف کمیٹی میں ان تھک کام کیا۔ اسی سال جب بمبئی میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا تو راجندر بابو نے یہ حیثیت صدر اچاریہ کرپلائی کو کانگریس کا جنرل سکرٹری بن لیا۔ اس عہدہ پر وہ بارہ سال تک فائز رہے۔

اگست ۱۹۴۲ء میں بمبئی میں جب تمام کانگریسی لیڈر گرفتار ہوئے تو اچاریہ کرپلائی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے ساتھ قلعہ احمد نگر میں رکھے گئے جہاں سے وہ شروع جون ۱۹۴۵ء میں سندھ بھیجے گئے اور ۵ جون کو رہا ہو گئے۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو وہ صدر کانگریس چنے گئے اور ارنو مبر میں انھوں نے میرٹھ میں کانگریس کے اجلاس کی صدارت کی درمیانی وقفہ میں وہ لڑا کھلی گئے اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر پچھتم خود حالات کا معائنہ کیا اور پھر وہاں سے بہار جا کر فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا۔

اچاریہ کرپلائی تعمیری کام کے ماہر تنہائی پسند، شوخ طبیعت

بزدل سنج، معاملہ فہم اور سادہ زندگی بسر کرنے والے لیڈر ہیں۔ ان کی کئی تصنیفیں ہیں جن میں سے گاندھین وے بہت مشہور ہے۔ ہندوستانی کے مقابلہ میں انگریزی زیادہ اچھی بولتے ہیں۔ خیالات کے تسلسل اور اظہار میں وہ ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اور بڑی سے بڑی بات ایسی زبان اور ایسے لفظوں میں ادا کر دیتے ہیں کہ سادہ عمارن آدمی سمجھ جائیں۔ صاحب دماغ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عملی بھی ہیں انکی (بی بی) دھرم پنتی سمجھتا کر پلانی بھی اپنے وطن اور قوم کی بہت اچھی خدمت کرنے والی ہیں۔ انھوں نے نواکھالی بہار اور پنجاب کا دورہ کیا اور کئی بار اپنی جان خطرہ میں ڈالی۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد

فتح پور سیکری ضلع آگرہ کا ایک کایستہ خاندان مغل سلطنت کے زوال کے بعد بہار میں جا کر آباد ہوا اور راجندر بابو اسی خاندان سے ہیں۔ ان کا جنم موضع زروئی میں ہوا جہاں ان کے والدین بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے راجندر بابو کی ابتدائی تعلیم بہار میں اور کالج کی تعلیم کلکتہ میں ہوئی۔ یونیورسٹی کے امتحان

میں وہ اول آئے اس زمانہ میں کلکتہ یونیورسٹی کا اعطاء برما، آسام، بنگال، بہار اور اڑیسہ تک تھا۔ اس لئے وہ پانچ صوبوں کے طالب علموں میں اول آئے۔ ڈاکٹر سچدانند سہانے اپنے رسالہ "ناڈرن ریویو" میں یہ لکھا تھا کہ یہ بڑکانسی وقت ہندوستان کا لیڈر ہو گا۔ یہ پیشین گوئی بھی ثابت ہوئی۔

راجندر بابو نے وکالت کلکتہ میں شروع کی اس کے بعد پٹنہ تشریف لائے اور یہیں پریکٹس کرنے لگے۔ کلکتہ میں بھی وہ اچھے وکیلوں میں تھے لیکن بہار میں تو وہ صف اول کے وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔ انھیں پٹنہ بار ایسوسی ایشن کا صدر بھی بنا دیا گیا۔ یوں تو راجندر بابو تقسیم بنگال کے دنوں سے ہی سودیشی کی تحریک میں دلچسپی لے رہے تھے اور بنگال میں بھاری طالب علموں کا سنگٹھن بھی کیا تھا لیکن اصل میں ان کا سیاسی جیون اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ہما تانگانندھی ۱۹۱۷ء میں چیمپارن تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی چیمپارن کے کسانوں کی شکایتیں دور کرنے کے لئے ہما تانگانندھی نے جن لوگوں سے کام لیا ان میں راجندر بابو اور بابو برج کشرور پرشاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۱۹۱۹ء میں ستیہ گره کی تحریک میں اور ۱۹۲۰ء کے ریویوگ اندولن میں راجندر بابو نے نمایاں حصہ لیا اور

۱۹۲۱ء میں ایسے وقت میں اپنی وکالت چھوڑ دی جب وہ ہائی کورٹ کے جج ہونے والے تھے اسی سال انھیں سزا ہو گئی اس کے بعد وہ ہمہ تن کانگریس کے کام میں لگ گئے۔ ۱۹۲۲ء میں گیا میں انڈین نیشنل کانگریس کا جو اجلاس ہوا اس میں راجندر بابو استقبالیہ کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ اس زمانہ سے اب تک وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر چلے آتے ہیں ۱۹۲۱ء میں انھوں نے قومی تعلیم اور کھادی کو بہت فروغ دیا ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کی تحریکوں میں بھی راجندر بابو گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۲ء میں راجندر بابو کانگریس کے صدر ہوئے اسی سال مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے تھے۔ انھوں نے بہ حیثیت صدر تمام ملک کا دورہ کیا اور پنڈت جواہر لال نہرو کے اور کسی صدر کانگریس نے اتنے وسیع دورے نہیں کئے۔ بہ حیثیت صدر کانگریس راجندر بابو نے قائد اعظم سے مصالحت کی بات چیت کی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ کانگریس کی گولڈن جوبلی انھیں کے صدارتی دور میں منائی گئی ۱۹۳۶ء میں صوبائی انتخابات ہوئے۔ راجندر بابو کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے تین ممبروں میں سے تھے بقیہ دونوں ممبر مولانا آزاد اور سردار پٹیل تھے ۱۹۴۰ء میں انفرادی ستیاگرہ میں اور ۱۹۴۲ء میں کونٹ انڈیا رزولوشن پاس ہونے پر یہ گرفتار کر لئے گئے ۱۹۳۵ء میں سوبانٹس بابو کے استعفیے دے دینے پر انھوں نے

صدرا کے فرائض انجام دیئے۔ یوں ان کے فرائض لیکڑوں کے ساتھ راجندر باجو بھی رہا ہوئے۔ ان کے فرائض مشن سے بات چیت میں شریک رہے اور ان کے فرائض کو ریزنٹ ہی اس میں فوڈ میجر بنائے گئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ان کے فرائض کی کمیٹی کی رپورٹ اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے اور یہ فرائض ایک زمانہ تک انجام دیتے رہے۔

سیاسی اعتبار سے راجندر باجو گاندھین گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت سادہ ہے۔ رفتار گفتار میں ذرا بھی تصنع نہیں ہے۔ انگریزی اور قانون کی قابلیت مسلمہ ہے۔ ہندی ساہتیہ سمیلن کے صدر رہ چکے ہیں، اردو فارسی بھی اچھی جانتے ہیں ان کی تصنیفیں بہت ہیں۔

ملک کے آزاد کرانے میں گاندھی جی مولانا آزاد پنڈت جواہر لال نہرو کے پہلو پہ پہلو رہے۔ آج جمہوریہ بھارت کے صدر کی حیثیت سے ملک کی فلاح و بہبود میں لگے ہوئے ہیں۔